

53223

1734

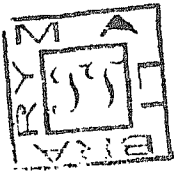
حیاتِ طاقتِ حرمِ خاں

سید لطاف علی بی بی اے

1/10/43
Rai Akhbar Bakht Bahar Sakar
Collector & Magistrate
Berulky. Sd/- Aliuddin
Mirani Poon
27/9/43

”حیاتِ خافطِ رحمتِ خاں“

مؤلفہ
سید الطاف علی بی، اے (علیگ) بریلوی



پیش نامہ

از

آزیزیل سیتیارام صنّا
پریسیڈنٹ یو، پی کونسل

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

نظامی پریس، بدایوں - یو پی - انڈیا

پرنٹر
محمد اجید الدین - ایف. آر. ایس. - آکلند

قیمت ہے،

۱۹۶۳ء

بار اول ۱۰۰۰



حافظ الملک حافظ رحمت خان

پیش نامہ

از

آرٹھل سیتھارام صاحب پریسینٹ یو پی پبلیکیشنز



سابق وائسرائے ہند لارڈ کرزن کا ایک قول بتلایا جاتا ہے کہ اگر ایک طرف ایمپائر یعنی وسیع سلطنت برطانیہ، اور دوسری جانب شکسپیئر (مشہور انگریز مصنف و زباں داں) کا موازنہ کیا جاوے اور مجھ سے دریافت کیا جاوے کہ دونوں میں سے کون زیادہ پسندیدہ ہے تو میں بلا دروغ شکسپیئر کو ترجیح دوں گا اور ایمپائر کو چھوڑ دوں گا۔

جس کسی صاحب کا بھی یہ قول ہو بالکل صحیح اور پر معنی ہے اور خصوصاً ہم ہندوستانیوں کے لئے بڑا سبق آموز ہے جب تک کہ ایک ملک اور قوم کے سرمایہ ہیں۔ اُس کی زبان ہیں۔ اُس کے ہی افراد کے نتائج محنت اور فکر کو ظاہر کرتی ہوئی کافی تعداد میں مختلف مضامین کتب

دستیاب نہ ہوں وہ قوم اور ملک زندہ نہیں کہے جاسکتے چنانچہ
 میں جلسوں میں اکثر اس امر کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ اردو
 اور ہندی میں ایسی کتب کی سخت ضرورت ہے جن سے تعلیم یافتہ
 لوگ اپنی واقفیت و علم کے لئے محض غیر زبان کے دست نگر نہ ہوں۔
 تواریخ پر تو ہمارے اہل ملک کے نقطہ خیال سے کبھی ہوئی اور
 واقعات پر مبنی کتب کی کمی بہت محسوس کی جاتی ہے۔ صحیح تواریخ پر
 قوم اور ملک کی بہبودی کا بہت کچھ دار و مدار ہے اس لئے مبارک
 ہیں وہ لوگ جو اس کمی کو پورا کریں اور سرمایہ قومی میں اضافہ کریں۔
 سید الطاف علی صاحب کا ہیکو مدارج ہونا چاہئے کہ انھوں نے محنت
 بسیار و تحقیقات وافر کے بعد ایک ایسے نمایاں شخص کی حیات پر روشنی
 ڈالی ہے جس نے کہ اپنی زندگی میں ممالک کی قسمت کو بدلدیا ہو۔
 مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی۔ کتاب معلوما
 سے بھری ہوئی ہے اور اکثر واقعات پر نئی روشنی ڈالتی ہے۔

سینتارام
 لکھنؤ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۰۶ء

۳۲۵۸۹

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U32589

حیات حافظ رحمت خاں

باب	مضمون	صفحہ
انتخاب	مقدمہ - از مولوی نظام الدین حسین	۱۸
	صاحب نظامی بدایونی -	۱۹
	دیباچہ - از مولف -	۲۰
(۱)	فہرست کتب حوالجات	۲۱
	روہ - روہیلیہ اور روہیل کھنڈ -	۲۲
(۲)	حافظ الملک کا خاندان -	۲۳
	شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا -	۲۴
	محمود خاں عرف موتی بابا -	۲۵
	شاہ عالم خاں -	۲۶
	شاہ عالم خاں کا نظام داؤد خاں -	۲۷
	شاہ عالم خاں کی شہادت -	۲۸
	داؤد خاں کا عجزت آمیز انجام -	۲۹
	علی محمد خاں کی سرداری -	۳۰
(۳)	حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے	۳۱
	ابتدائی حالات اور کٹھیر میں ورود -	۳۲
(۴)	روہیلوں کا حکومت دہلی سے تضاد	۳۳
	راجہ ہرنند سے جنگ -	۳۴
	رٹائی میں حافظ الملک کی دلیری -	۳۵
(۵)	حافظ الملک کو پہلی بھیت کی جاگیر ملنا	۳۶
	حافظ الملک کے ہاتھ سے کامیابی	۳۷
	کی فتح -	۳۸
	الہ پڑہ پر قبضہ -	۳۹
	راجہ سری نگر سے خراج وصول کرنا -	۴۰
(۶)	تھہر شاہ بادشاہ کا روہیل کھنڈ پر	۴۱
	حالیہ -	۴۲
	نواب علی محمد خاں کی نظربندی -	۴۳
	حافظ الملک کی پامردی -	۴۴
	حافظ الملک کے تدبیر سے نواب حسنا	۴۵
	کی رہائی -	۴۶
(۷)	سرہند میں حافظ الملک کی جاننا پنا	۴۷
	والی راسے پور جنگ -	۴۸
	قصبہ جوت پور کی فتح -	۴۹
	کوٹ و جگہ اُن کی تسخیر -	۵۰
(۸)	روہیل کھنڈ پر روہیلوں کا دوبارہ تسلط -	۵۱

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
(۹)	حافظ الملک کی مدد سے صفدر جنگ		(۱۱)	نواب قائم خاں بٹکس سے جنگ	
	کی وزارت -	۲۹		اور شہرہ ایوں وغیرہ کی فسخ -	۳۰
	صفدر جنگ کا خط -	"		صفدر جنگ کی افغانوں میں نفاق انگیزی -	"
	خط کا جواب -	۳۰		حافظ الملک کی مساجد کو شہر سپہ احمد شاہ	
	حافظ الملک کا درود دہلی	"		کی سفارت -	۳۱
	صفدر جنگ کو وزارت دلانا -	۳۱		سفارت سپہ احمد شاہ کے متعلق موبیوں کی	
	خطاب نواب کرم الدولہ حافظ الملک			کذب بیانی -	۳۲
	بہادر نصیر جنگ ملنا -	"		مورک جنگ -	۳۳
	روہیل کھنڈ کو واپسی	۳۲		سید حسن شاہ کی مدد لگنی -	۳۵
(۱۰)	حافظ الملک نواب علی محمد خاں			نواب قیوم خاں کا مارا جانا اور روہیلوں	
	کے بعد -	۳۳		کی فسخ -	"
	نواب علی محمد خاں کی حالات وفات	"		حافظ الملک کی مفتوحین کے ساتھ رعایت	
	نواب علی محمد خاں کا حافظ الملک کو اپنا			والدہ قائم خاں کے نام درود مندار خط -	۳۶
	جانشین نامزد کرنا -	۳۴		برایوں - نہ آباد - آہستہ اور پریم نگر کا	
	حافظ الملک کا ایثار - سہارا خاں کو پہنچا			روہیل کھنڈ میں شامل ہونا -	۳۷
	جانب سے نواب بنانا -	۳۶	(۱۲)	پرگنات دامن کوڈ کی فتح -	۳۸
	بعض مریضین کی غلط بیانی -	"		پرگنہ سسندھ کی فتح -	"
	حافظ الملک کی اہمیت کار -	۳۸		کھیر گڑھ کی فتح -	"
	صفدر جنگ کی احسان فراموشی -	"		قلعہ جھڑا پور پر قبضہ -	۳۹
	قطب الدین خاں کا حملہ -	۳۹		بجولیا - دراپور اور سنگھیا کی فتح -	"

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	ملہوارہ اور لچھیالی کی تسخیر۔	۵۰		صفدر جنگ کی شکست فاش اور مجروح ہونا۔	۵۷
(۱۳)	صفدر جنگ کے ہاتھوں خاندان بگلش کی تباہی۔ حافظ الملک سے		(۱۴)	حافظ الملک کی مڈ بھیڑ مرہٹوں سے	
	کی مدد اور احمد خاں کا عروج۔	۵۱		اور ملک میں بد امنی۔	۵۹
	والدہ فائز خاں کی گرفتاری۔ فرخ آباد پر			صفدر جنگ اور مرہٹوں کا فرخ آباد پر	۶۰
	صفدر جنگ کا قبضہ۔	۵۲		نواب احمد خاں کا حافظ الملک کے	۶۱
	ایک عورت کی طعن و تشنیع نے احمد خاں			پاس پناہ لیتا۔	۶۲
	کو مرد بنا دیا۔	۵۳		صفدر جنگ اور مرہٹوں کا روہیلکھنڈ	۶۳
	ایک ہندو ملازم کی وفا داری سے والدہ			پر حملہ۔ حافظ الملک سے جنگ۔	۶۴
	احمد خاں کی رہائی۔	۵۴		جنگ کے بعد صلح	۶۵
	صفدر جنگ کے نائب نول رائے کی			حافظ الملک اور صفدر جنگ کے درمیان	۶۶
	احمد خاں سے جنگ۔	۵۵		تجدید تعلقات۔	۶۷
	نول رائے کا مقتول ہونا۔ احمد خاں کا فرخ آباد			مرہٹوں کے حملہ کی وجہ سے روہیلکھنڈ	۶۸
	پر قبضہ۔	۵۶		میں عام تباہی۔	۶۹
	صفدر جنگ کی فرخ آباد پر دوبارہ فوج		(۱۵)	سرداران روہیلہ پر تقسیم ملک اور	۷۰
	کشی۔	۵۷		حافظ الملک کی سیاسی غلطی۔	۷۱
	نواب احمد خاں کا حافظ الملک سے			پہلی تقسیم۔	۷۲
	طالب امداد ہونا۔	۵۸		عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی قید	۷۳
	روہیلوں کی امداد سے نواب احمد خاں			سے رہائی۔ دوسری تقسیم۔	۷۴
	کی فسخ۔	۵۹		عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں میں نا اتفاق	۷۵

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	حافظ الملک کو قتل کرنے کی کوشش۔			مرہٹوں کا نجیب الدولہ پر حملہ جنگ سکرنال	۱۳
	ملک کی تیسری تقسیم۔	۷۰		حافظ الملک سے نواب نجیب الدولہ	
	تیسری تقسیم کے بعد حافظ الملک کی اولاد			کی طلب امداد۔	"
	سے ترک سکونت بریلی کو دارالحکومت			عالمگیر ثانی کی قتل۔	۱۵
	بنانا۔	۷۲		احمد شاہ درانی کا چوتھا حملہ۔	۱۶
(۱۶)	سیاسیات دہلی میں حافظ الملک			حافظ الملک کا شاہ درانی کے حکم سے	
	کا حصہ۔	۷۴		سورج پور سے زرخیز کش وصول کرنا۔	۱۸
	صفدر خاں کی بادشاہ سے بغاوت			در بار شاہ درانی میں حافظ الملک کی قدر	
	حافظ الملک کا چالیس ہزار فوج لے کر			و منزلت۔	۱۹
	دہلی کی طرف جانا۔	"		حافظ الملک کی وساطت سے نواب	
	حافظ الملک سے نجیب خاں کی بیوفائی			احمد خاں بکاش کی شاہ درانی سے نفی	"
	اور ان کا عروج۔	۷۶	(۱۷)	جنگ پانی پت میں حافظ الملک	
	بادشاہ دہلی کی مغزولی۔	۷۸		کی شرکت۔	۹۱
	احمد شاہ درانی کا تیسرا حملہ۔	۷۹		روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کے حملہ کا اندیشہ	
	حافظ الملک اور شاہ درانی کے تعلقات			اور اس کی روک تھام۔	۹۵
	آکی ابتدا۔	۷۹		عنایت خاں کا جنگ میں شریک ہونا۔	۹۷
	شاہ درانی کے حکم سے عماد الملک کی			مرہٹوں سے افغانان، وہیل کھنڈ کی تھوڑی	
	شجاع الدولہ پر چڑھائی اور حافظ الملک			اور عنایت خاں کی دیرین۔	۹۸
	کے تدریسے صلح۔	"		حافظ الملک کی ولیدہ کے انتقال کا اثر	
	سٹانزادہ عالی گڑ کا درود بریلی۔	۸۲		شرکت جنگ پر۔	۹۹

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	نواب سید اللہ خاں کے بعد۔	۱۳۳		فیصلہ کن جنگ - غنایت خاں اور دیگر سرداروں	
	قاسم علی خاں نواب مرشد آباد	(۳۳)	۱۰۰	کی جانبازی و بہادری۔	
	کی مصیبت میں شجاع الدولہ		۱۰۸	واقعات بعد از جنگ۔	
۱۳۶	کی تحریک پر حافظ الملک کی پست			شاہ درانی کی مراجعت قندھار۔	
۱۲۷	جنگ پٹنہ میں غنایت خاں کی شرکت۔			حافظ الملک کی سفارش پر شجاع الدولہ	
۱۲۸	ناگوں اور روہیلوں کا فساد۔		۱۰۹	سے بدگمانی کا اندفاع۔	
	غنایت خاں کے توسل سے راجہ			جنگ پانی پت کے بعد حافظ الملک	
"	بلونت کی ملک۔		۱۱۱	کی بریلی کو واپسی۔	
۱۲۹	جنگ پٹنہ کی ابتدا۔		۱۱۲	حافظ الملک کا پہلی ہیبت میں ورود۔	
	بکسر کی جنگ میں نواب قاسم علی خاں		۱۱۳	تخیر نامہ و مشکوہ آباد۔	(۱۸)
۱۳۰	شکست کھاکر حافظ الملک کی پناہ میں۔			ایک طوائف کا قضیہ شجاع الدولہ	(۱۹)
	نواب نجیب الدولہ پر جاٹوں کا	(۳۳)		شاہ عالم بادشاہ اور نجیب الدولہ	
۱۳۱	حملہ اور حافظ الملک کی امداد۔			کی فرخ آباد پر فوج کشی حافظ الملک	
	بریلی میں نواب شجاع الدولہ کا	(۳۴)	۱۱۵	کی مداخلت سے صلح۔	
۱۳۵	ورود اور حافظ الملک کا مشورہ۔			۱۱۶	(۲۰) شاہ کے چند متفرق واقعات
۱۳۶	حافظ الملک کی ایک سیاحت غلطی۔		۱۲۱	نواب سید اللہ خاں کی وفات	
	لہار رائے کے حملہ کی مدافعت کے لئے		"	بریلی میں آتشزدگی اور زلزلہ۔	
۱۳۸	حافظ الملک کی پھونڈ کو روانگی۔			غنایت خاں کی ایک نامناسب حرکت	
	حافظ الملک کی ملاقات شاہ عالم	(۳۵)	۱۲۲	اور ریاست رامپور کی بنیاد۔	
۱۴۰	سے اور ان کے صاحبزادوں کا اعزاز۔			حافظ الملک کا دور حکومت	(۲۱)

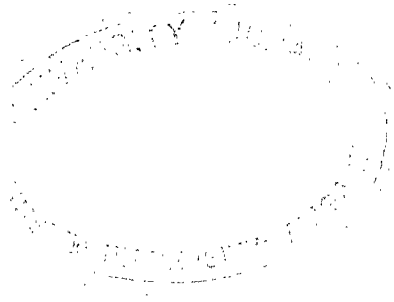
باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
(۲۶)	مرہٹوں کی شمالی ہند پر از سر نو			عنا بطر خاں اور مرہٹوں کی جنگ میں	
	یورش اور حافظ الملک کی مشکلات	۱۴۳		حافظ الملک کی جدوجہد -	۱۶۱
	راجہ نول سنگھ سے اتحاد عمل کی تحریک		(۲۸)	روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کی پورش -	۱۶۴
	حافظ الملک کا ایک اہم خط اور اس کا جواب	۱۴۴		چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک -	۱۶۹
	نول سنگھ سے مرہٹوں کی لڑائی - حافظ الملک		(۲۹)	حافظ الملک سے غنایت خاں کی	
	کے مشورہ پر عمل نہ کرنے کا خیانہ -	۱۴۸		بنقاوت -	۱۶۱
	مرہٹوں کا رخ فرخ آباد کی طرف اور			شیخ نجیب کا انتقال -	۱۶۳
	حافظ الملک نواب بگیش کی حمایت			حافظ الملک کی فرخ سے غنایت خاں	
	میں - نواب نجیب الدولہ کی خود غرضی -			کی جنگ -	۱۶۶
	نواب نجیب الدولہ کا انتقال -	۱۵۰		وطن سے غنایت خاں کے رخصت ہونے	
	نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد			اکا حسرت انگیز منظر -	۱۸۱
	حافظ الملک کے نام عنا بطر خاں کا ایک خط	۱۵۱		غنایت خاں کی وطن کو واپسی اور	
	مرہٹوں اور افغانوں کی زور آزمائی -			حافظ الملک کی جانب سے معافی تفصیل -	۱۸۳
	فرخ آباد کے بعد اٹاؤہ اور شکوہ آباد -	۱۵۵	(۳۰)	شجاع الدولہ کی خاطر مرہٹوں سے	
	اٹاؤہ اور شکوہ آباد سے دست برداری			حافظ الملک کی آخری تباہ کن جنگ	۱۸۵
	مرہٹوں سے صلح -	۱۵۶		شجاع الدولہ کے خلاف حافظ الملک سے	
	حافظ الملک کی روہیل کھنڈ کو واپسی			مرہٹوں کی درخواست امداد -	
	اور نواب دوند سے خاں کا انتقال -	۱۵۸		شجاع الدولہ کی طرف سے واپسی تمسک	
	حافظ الملک نجیب آباد میں -	۱۵۹		کے وعدہ پر مرہٹوں کو امداد دینے سے انکار	۱۸۶
(۳۷)	تخت دہلی پر شاہ عالم کی واپسی -			شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد -	۱۸۷

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	شجاع الدولہ کی حاکمیت میں حافظ المکاب کی روانگی میدان جنگ کو۔	۱۸۸		دیوان پہاڑ سنگھ کی ہمدردی۔	۲۱۲
	مکر جنگ۔	۱۹۰		حافظ المکاب کی میدان جنگ کو	(۳۳)
	حافظ المکاب پیر پٹھانوں سے ساز باز کا الزام اور اس کی تردید۔	۱۹۱		روانگی اور روہیل کھنڈ کے غریب لوگوں کی وفاداری۔	۲۱۶
(۳۱)	شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے	۱۹۳		کٹرہ میراں پور کی لڑائی اور حافظ المکاب کی شہادت۔	۲۲۱
	شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی۔ تمسک کی واپسی سے انکار۔	۱۹۴		حافظ المکاب کا سر پریدہ۔	۲۲۵
	سید شاہ من۔	۱۹۵		حافظ المکاب کی تجویز و فکین۔	۲۲۸
(۳۲)	حافظ المکاب کے خلاف زبردست سازش اور حکومت روہیل کھنڈ کا زوال۔	۱۹۸		حافظ المکاب کا مقبرہ۔	۲۲۹
	عہد نامہ بنارس۔	۲۰۱		قطعات تاریخ وفات۔	۲۳۱
	اٹا وہ پرنجیاج الدولہ کا قبضہ۔	۲۰۱		حافظ المکاب کی شہادت کے بعد روہیلوں کا استیصال۔	۲۳۴
	منظر جنگ۔ ضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ کی حافظ المکاب سے بیوفائی۔	۲۰۲		شجاع الدولہ کا پہلی بیعت میں داخلہ اور خاندان حافظ المکاب پر مظالم۔	۲۳۵
	سرداران روہیل کھنڈ کی غداری۔	۲۰۵		کرنل سمپسن کی ہمدردی	۲۴۰
	حافظ المکاب کی مصالحت کوشی۔	۲۰۶		بگم صاحبہ حافظ المکاب کا درد انگیز خط۔	۲۴۲
	گورنر جنرل سیسٹنگر کے نام ایک اہم تاریخی خط	۲۰۷		محاصرہ لال ڈانگ اور نواب فیض اللہ علی سے صلح۔	۲۴۳
				شجاع الدولہ کا ایک خواب	(۳۶)
				پریشان اور وفات۔	۲۵۰

صفحہ	مضمون	باب	صفحہ	مضمون	باب
۲۷۸	اخترام عشرۃ محرم -			ہیٹنگنگ کے طرز عمل پر بعض انگریز	(۳۷)
۲۷۹	حرمیت ماہ ربیع الاول -		۲۵۱۷	مضیفین کا بقصرہ -	
۲۸۰	سادات کے ساتھ عقیدت		"	مشربک ممبر پارلیمنٹ -	
۲۸۵	مشائخ و صوفیائے کرام کے ساتھ احترام		۲۵۵	لارڈ میکالے -	
۲۸۷	عورتوں کے ساتھ سلوک -			مانس - کلیو رنگ اور فرانسس میگز	
۲۸۹	ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ -		۲۵۶	کلکتہ کونسل -	
۲۹۱	بیہوشی		"	مسٹر جے کلارک -	
۲۹۳	شجاعت و شجاعت		۲۸۷	مسٹر ہارٹ -	
۲۹۵	علم و فضل		"	مسٹر جان مارلے -	
۳۰۰	خلاصہ کلام -	(۳۹)		حافظ الملک کا طرز حکومت اور	(۳۸)
	خاندان حافظ الملک کی ایگری رانی	ضمیمہ نمبر ۱	۲۵۹	ذاتی حالات -	
۳۰۱	دور خزانے وظائف و معافیات -			شخصی حکومت میں جمہوری حکومت	
۳۰۲	ایام ایگری -		۲۶۱	کی برکات -	
۳۰۳	رہائی -		۲۶۵	عدالت و انصاف -	
۳۰۴	وظائف و معافیات -		۲۶۷	زراعت و تجارت -	
۳۰۶	حافظ الملک کی ازواج و اولاد -	ضمیمہ نمبر ۲	۲۶۸	عمارت -	
			۲۷۴	ترویج و اشاعتِ علوم -	
۳۰۸	چودہ ساجدات -		۲۷۶	اخلاق و عادات -	
"	علی - نواب عنایت خاں		"	معمولات روزانہ -	
۳۱۰	سلسلہ نس		۲۷۸	معمولات ماہ صیام و عید الفطر -	

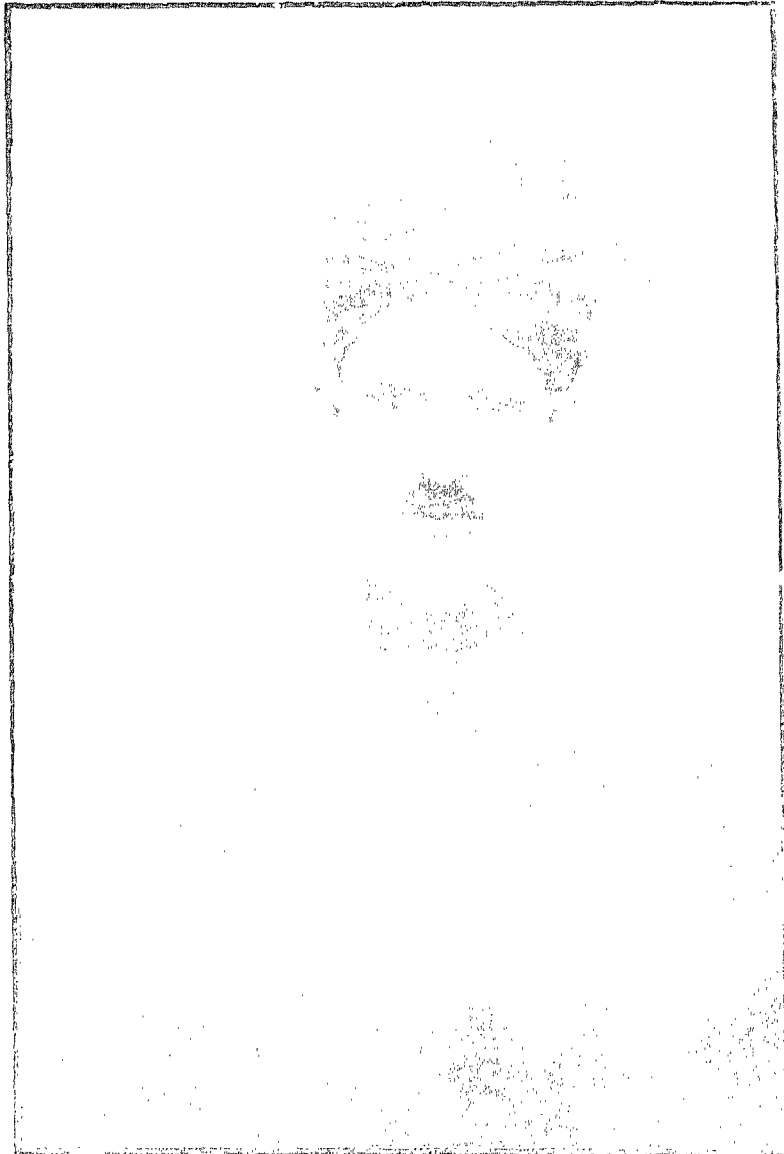
باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
۳۳۵	سلسلہ نسل نواب ذوالفقار خاں	۳۱۱	۲۔	نواب تہمت خاں -	۳۱۱
۳۳۷	۵۔ نواب اللہ یار خاں	۳۱۲	۳۔	نواب ارادت خاں -	۳۱۲
۳۳۸	سلسلہ نسل	۳۱۳	۴۔	نواب محبت خاں	۳۱۳
۳۳۹	۹۔ نواب عظمت خاں	۳۱۴	۵۔	نواب حافظ محمد یار خاں -	۳۱۴
۳۴۰	سلسلہ نسل	۳۱۵	۶۔	نواب محمد دیدار خاں	۳۱۵
۳۴۱	۱۰۔ نواب حرمت خاں	۳۲۰	۷۔	نواب محمد اکبر خاں	۳۲۰
۳۴۳	سلسلہ نسل	۳۲۱	۸۔	نواب محمد ابراہیم خاں	۳۲۱
۳۴۴	۱۱۔ نواب غلام مصطفیٰ خاں	۳۲۲	۹۔	نواب محمد حسین خاں	۳۲۲
۳۴۷	۱۲۔ نواب محمد عمر خاں	۳۲۳	۱۰۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۲۳
۳۴۸	سلسلہ نسل	۳۲۴	۱۱۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۲۴
۳۴۹	۱۳۔ نواب مستجاب خاں	۳۲۸	۱۲۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۲۸
۳۵۰	گلستانِ رحمت	۳۲۹	۱۳۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۲۹
۳۵۱	سلسلہ نسل	۳۳۰	۱۴۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۰
۳۵۲	۱۴۔ نواب محمد اکبر خاں	۳۳۱	۱۵۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۱
۳۵۳	سلسلہ نسل	۳۳۲	۱۶۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۲
۳۵۴	حافظ المکاک کی نوصا خیرا دیں	۳۳۳	۱۷۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۳
۳۵۵	پہلی صاحبزادی -	۳۳۴	۱۸۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۴
۳۵۶	دوسری صاحبزادی -	۳۳۵	۱۹۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۵
۳۵۷	تیسری صاحبزادی -	۳۳۶	۲۰۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۶
۳۵۸	چوتھی صاحبزادی -	۳۳۷	۲۱۔	نواب محمد رفیع خاں	۳۳۷

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت	۲۵۴		پانچویں صاحبزادی -	
۳۶۵	انگلشیہ کا دوسرا دور -	"		چھٹی صاحبزادی -	
"	آج کی حالت	"		ساتویں صاحبزادی -	
۳۶۶	بزرگوں کی جائیدادیں اور اندرون -	"		آٹھویں صاحبزادی -	
"	صنعت و حرفت اور تجارت -	"		نویں صاحبزادی -	
"	ملازمین -	۳۵۵		حافظ الملک کی ڈوہنیں -	
"	زمیندارگان -	"		مستورات کی زبان -	
"	تعلیم -	۳۵۶		روہیلکھنڈ روہیلہ حکومت کے بعد	ضمیمہ ۳
۳۶۷	ہندوب و اخلاق -	"		ریاست رامپور پر ایک نظر -	
		۳۵۸		روہیلکھنڈ عہدِ شانمان اووہ میں	
		۳۵۹		روہیلکھنڈ عہدِ انگلشیہ میں	
		"		انگریزی حکومت کے دور -	
		۳۶۰		پہلا دور -	
		"		تخت -	
		"		مفتی گردی -	
		۳۶۱		۱۸۳۷ء کا ہندو مسلم فساد -	
		۳۶۲		پھر تخت -	
				ہنگامہ ۱۸۵۷ء روہیلہ حکومت	
		"		کا دوبارہ عارضی قیام -	
		"		خارج بہادر خان -	



فہرست تصاویر

صفحہ	تصویر	نمبر
۰	حافظ الملک حافظ رحمت خاں -	۱
۰	صاحبزادہ عبدالواجد خاں ایم، اے (علیگ)	۲
۰	سید الطاف علی بی، اے (علیگ) مؤلف	۳
۶	شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا (عالم مراقبہ میں)	۴
۱۰	قبر شاہ عالم خاں (بدایوں)	۵
۳۲۷	مقبرہ نواب علی محمد خاں (آؤلہ)	۶
۱۴۱	نواب حافظ محمد باہر خاں ابن حافظ الملک -	۷
۲۳۰	مفتی حافظ الملک حافظ رحمت خاں (بریلی)	۸
۲۷۴	جامع مسجد پہلی بھیت -	۹



لہذا سب سے پہلے اس کی تصدیق کرنی چاہیے (ملاحظہ)

”انتساب“

دلی سرت کے ساتھ میں اپنی اس تالیف کو اپنے محترم ہم وطن صاحبزادہ
عبدالواحد خاں صاحب ایم، اے (علیگ) بریلوی کے اسم گرامی سے
منسوب کرتا ہوں۔

صاحبزادہ صاحب کو علم تاریخ اور اردو ادب کی ترقی کے ساتھ خاص شغف ہے۔
آپ اسی خاندان کے ایک فرزند ہیں جس کے بانی حافظ الملک حافظ رحمت خاں
موجود تھے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف معظم الدولہ حشمت جنگ اب حافظ محمد یار خاں
ابن حافظ الملک کی چوتھی پشت میں ہیں۔ حافظ الملک کے خاندان کی یہ شاخ نہ صرف
بلحاظ متول بلکہ ادبی ذوق اور علمی سرپرستیوں کے اعتبار سے بھی اپنی خاندانی روایات کو
قائم رکھنے میں ممتاز ہے۔

ان حالات میں صاحبزادہ صاحب کے نام نامی سے انکے مورث علی کی سوانح عمری کو معنون
کرنا میرا ایک خوشگوار فرض ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اُن سے زیادہ میری محنت جائز ہے
کا کوئی دوسرا قدر دان نہیں ہو سکتا۔

الطاف علی بریلوی

اکتوبر ۱۹۳۳ء

مقدمہ

از

(مولوی نظام الدین حسین صنائی بدایونی مولف ناموس المشاہیر وغیرہ مدیر اخبار ذوالنقب بنین بدایوں)

یہ کتاب جس کے متعلق میں چند سطریں لکھنا چاہتا ہوں فن تذکرہ یافتہ سوانح لکھی کی ایک نمونہ ہے جس کو ہماری اُردو زبان میں سید الطاف علی صاحب بی، اے (علیگ) برہمپوری نے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ سوانح عمری کا فن علم تاریخ کا ایک اہم شعبہ ہے جس کو مغربی دنیا نے اپنے مشاہیر کے حالات شائع کر کے مزاجِ قری پر پہنچا دیا ہے۔ زمانہ حال کے سوانح نگار کا صرف یہی فرض نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ہیرو کی تصویر کا ردھن چلو دھاکر اُس کو آسمان پر چڑھا دے بلکہ وہ اُس کی کمزوریاں بھی دکھاتا ہے تاکہ کسی بڑے آدمی کی زندگی کے دونوں پہلو آئندہ نسلوں کے لئے شیعہ ہدایت کا کام دیں۔ اُس کے اچھے حالات کی تقلید کر کے وہ اُس کا نمونہ بننے کی کوشش کریں اور ناپسندیدہ کمزوریوں کے بُرے نتائج سے غمتہ ہوں۔

اس کتاب میں روہیل کھنڈ کے سپہ سالار اعظم اور ایک مدبر نگار کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کی پہلی کوشش کی گئی ہے اس سے پہلے حافظ المصطفیٰ رحمت خاں کی زندگی پر مبنی جگہ لکھا کتاب اُردو زبان میں نہیں لکھی گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہندوستان بالخصوص روہیل کھنڈ کی تاریخ میں اس بہادر جرنل کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس سلسلہ میں اُن کی سیاسی حکمت عملی اور اُن کے جنگی کارناموں پر مورخین نے اجمالی تبصرہ کیا ہے۔ لیکن اکثر حالتوں میں یہ رائیں جو بہت گہرائی میں اُن میں زندگی کی مصیحت اندیشی اور سیاسی خود غرضیوں کی بُرائی ہے۔

حیات حافظ رحمت خاں کے قابل مولف نے اُن غلط بیانیوں یا دوسرے نرم الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ غلط فہمیوں کو نہایت قابلیت کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ قیاس اور خیال کی بنا پر نہیں۔ بلکہ تاریخی واقعات جو مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔ مولف

کو روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی میں مقیم ہونے کی وجہ سے جو حافظ المکاب کی تگ و دو کا مرکز رہا ہے اور جہاں آج بھی اُن کے خاندان کے افراد کثیر تعداد میں بود و باش رکھتے ہیں اُن تمام قلمی و مطبوعہ کتابوں - نوشتوں - فرائز اور تصویروں پر جو حافظ المکاب کے بعض افراد خاندان کے پاس نسل ابداً بحفاظت محفوظ آتی تھیں دسترس حاصل تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگریزی مصنفین کی تصانیف کی بھی کافی طور پر چھان بین کی اور جس کتاب میں جہاں کہیں بھی مخالف یا موافق حافظ المکاب کی زندگی کے متعلق کوئی واقعہ ملا اسکو درست کے اصول پر خوب پکھا اور جانچ تول کے بعد اُس کو اپنی کتاب میں شامل کیا۔

فی الواقع حافظ رحمت خاں کے حالات کا یہ مجموعہ ہمارے سامنے روہیل کھنڈ کی بے لوث و مکمل تاریخ کو پیش کرتا ہے اور یہیں بتاتا ہے کہ روہیلوں اور اُن کے سردار حافظ رحمت خاں نے اس حصہ ملک کی جوازنگ "ٹانگ" پھیلایا ہوا ہے تاریخی عظمت بڑھانے میں کس قدر نمایاں حصہ لیا ہے۔ روہیلوں کی قوم آج کتنی ہی گر گئی ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب انہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے اپنا قدم رکھا تو افغانی حمت اور اسلامی الوداعی اُن کے ساتھ آئی۔ ہر جنگ میں ہفت لے جانے کی اُمنگ اُن کی کامیابی کا راز تھا۔ یہی وہ صفت تھی کہ دریا اور پہاڑ ان کے ارادوں کی کامیابی میں اُن کے سدھار نہ ہوتے تھے۔ کوئی مشکل اُن کو میدان سے نہ ہٹا سکتی تھی۔

آج متعصب تاریخ نگار اگر اُن کو گھیرے یا ڈاکو کا لقب دیں تو یہ اُن کی ہٹ دھرمی اور غلط بیانی ہی۔ وہ نہ رہنمائی نہ لیتے۔ اُن کی پاکبازی - خدا ترسی - دوست نوازی - عالی ہمتی - ایثار اور علم دوستی۔ وہ مخصوص اوصاف ہیں جو انسان کو انسان بناتے ہیں۔ انہیں اوصاف نے اس کتاب کے ہیرو کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا تھا۔ اور انہیں اعلیٰ صفاتِ انسانی کی وجہ سے حافظ رحمت خاں کا شمار دنیا کے بڑے آدمیوں میں کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں نے سرزمین روہیل کھنڈ میں نہ صرف جنگی و سیاسی کھیل کھیلے بلکہ یہاں کی تہذیب و تمدن کو بھی بام ترقی پر پہنچانے میں زبردست حصہ لیا۔

”طرز نگارنی اور ذاتی حالات“ کے عنوان کے تحت میں ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ سلطنتِ مغلیہ کے آخری

دور میں جو شاپستگی و تمدن رائج تھا۔ حافظِ رحمت خاں اُس کا مجسم نمونہ تھے۔ اور مولف نے اس باب کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ درحقیقت دنیا کی ایک تماشہ گاہ ہے جس سے عبرت بھی حاصل ہوتی ہے اور نصیحت بھی۔

اس بڑے شخص کی سوانح عمری ہمارے سامنے اُس زمانہ میں پیش کی جا رہی جبکہ ہم میں نہ اخلاقی حیثیت باقی ہے۔ نہ ترکمانی صولت کا نشان ہے۔ نہ مغلی جلالت کا پتہ ہے۔ نہ ہاشمی آداب ہیں۔ نہ عباسی خصائل ہیں۔ ضربِ کراچی۔ حربِ خالدي۔ اور سطوتِ فاروقی کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ اور بیکاری اب تو مغربی عیش پسندی و فیشن پرستی نے ہمیں نکا کر دیا ہے۔ کلابی سستی اور ظاہر پرستی کی نوا عادیں ہماری سرشتِ ثانی بن گئی ہیں یہاں تک کہ ہماری صورت اور شکل بھی صحیح جسمانی تندرستی کا پتہ نہیں دیتی۔ ہمارے حال پر رونے والے روتے ہیں اور کہتے ہیں ۵

دہ ہر دوش اور دہ سینے پہلوانی کیا ہوئے وہ فرد و بالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے
کما جائے گا کہ ایسی صورت میں روہیلوں کی بہادری اُن کی جلالت و شہامت کے قہقہے دوہرائے وقت کی راگنی ہے ۵

بلبل اندر خزاں بشارت کُن قصۂ نو بہار می گوید

جب باغ میں فصل خزاں چھائی ہو تو بہار کی داستان چھلپ کر کسی طبع بر محل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسا کہنے والے اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جتنا کہ اخلاف اپنے اسلاف کی خوبیوں کو نہ معلوم کر گئے اُن میں اُمنگ دلولہ اور جوشِ عمل پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کتاب کی اشاعت موجودہ زمانہ میں بیکار نہیں کہی جاسکتی۔

زبان کے لحاظ سے یہ کتاب اردو میں ایک نادر اضافہ ہے۔ اردو میں نثر کی کتابیں مختلف شعبہ جاتِ ادب میں لکھی جا رہی ہیں۔ مذہبی کتابوں کے زمانہ نقیض کو سب پر تقدیم حاصل ہے۔ تاریخ و سوانح نگاری کا بھی کچھ نہ کچھ ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ ناولوں کا تو انبار لگ گیا ہے۔ ڈرامہ نویسی بھی فروغ ہو گئی ہے۔ اقتصادیات و سیاسیات اور سائنس وغیرہ کی بھی بنیاد ڈھپ چکی ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ

اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے مصنفین یہ لحاظ نہیں رکھتے کہ ہر ایک شعبہ کی کتاب کا اسلوب بیان جداگانہ ہونا چاہئے مثلاً ناول اور تاریخ کی زبان میں فرق رکھنا لازمی ہے۔ حیات حافظ رحمت خاں کے لائق مولف نے اس خصوصیت کو اپنی کتاب میں نہایت قابلیت کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ ہدم و ہزم کے مناظر کو بھی نگین و رنگین عبارت میں ادا کرنے کی بجائے کچھ اس سادگی اور خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعات کی صحیح تصویر پر پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے، جہاں کہیں فارسی عبارتوں کا ترجمہ کرنا پڑا ہے اُس ترجمہ میں فاسیت اور دوپرا اگر غالب نظر آتی ہے تو اُس کا صرف یہی سبب ہے کہ مولف نے یہ خیال رکھا کہ ترجمہ با محاورہ بھی ہو اور فارسی کے اصل مصنف کے الفاظ بھی حتی الامکان ترجمہ میں آجائیں۔ اگر وہ یہ عمل کرتے کہ فارسی کتابوں کے اقتباسات صرف اُسی زبان میں دیدیتے اور ترجمہ نہ کرتے تو اُن اردو داں ناظرین کے لئے جو فارسی نہیں جانتے باعث زحمت ہوتا۔ یہ ترجمہ اُن کو بسا غنیمت معلوم ہوئے۔

یہ کتاب نہ صرف روپل کھنڈ والوں کے لئے لکھی گئی ہے اور نہ صرف کسی خاص قوم کے لئے۔ جس طرح اہل روس ہلکھنڈ اس کو غیر معمولی دلچسپی سے پڑھیں گے اُسی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اس کتاب کی قدر ہوگی۔ نہ صرف مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہے بلکہ غیر مسلم بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف اردو داں اس کے مطالعہ کا لطف اٹھائیں گے بلکہ انگریزی دان طبقہ کے لئے بھی جس کا اوڑھنا بچھونا صرف انگریزی زبان میں تاریخی مواد بنا ہوا ہے۔ تحقیق و تدقیق کی ضرورت سے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہوگا۔

یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اُن طلباء کے لئے بھی ہندوستان کی تاریخ جن کا مضمون ہوتا ہو اس کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

آخر میں ہمیں تعلیم یافتہ نوجوانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد اُن کا یہی کام باقی نہیں رہتا کہ وہ ملازمت کی کوشش کریں اور اُس کے میسر آجانے پر صرف اُسی کے ہو کر رہ جائیں بلکہ اُن کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے علم و فضل سے اپنے اُن بھائیوں کو جو اعلیٰ مغربی تعلیم سے محروم ہیں فائدہ پہنچائیں۔ اور یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ فرصت کے اوقات



سید الطاف علی بی-اے (علیہ) مولف

دُباچہ

از

(مؤلف)

مصلحت جو مورخین نے ہمارے ملک کی صحیح تاریخ پر تاریکی کا پردہ ڈال کر جیسی جیسی سیاسی اُستادیاں کی ہیں اُس کا بغیر جانب دار تعلیم یافتہ طبقہ کو احساس پیدا ہو چلا ہے اور اب کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ بطور ردِ عمل تاریخ ہند کی اصلی تصویر پر ردے کا رلاسنے کے لئے درد مند اور حساس اہل قلم کی کوششوں کا کوئی نہ کوئی کامیاب نتیجہ ہمارے مشاہدہ میں نہ آ جاتا ہو۔

شمس العلماء مولوی ذکار اللہ - علامہ شبلی - لالہ لاجپت رائے - میجر جی۔ ڈی باسو - پروفیسر جادو ناتھ سرکار اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس اہم کام کی ابتدا کی اور ملک کے بکثرت دوسرے ادیب اس مفید کام کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حیاتِ حافظِ رحمت خاں بھی اسی قسم کی کوششوں میں سے ایک ناپیچہ کوشش ہے۔

حافظِ رحمت خاں کی شخصیت ہمیشہ سے محمود خاں محمد تغلق - اورنگ زیب - میر قاسم - پٹو سلطان اور امیر خاں کی طرح مؤرخین کے نصب کا شکار رہی ہے اور اسی وجہ سے دُنیا اُن کی اصلی شخصیت کو جاننے سے قاصر رہی کیونکہ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اٹھارویں صدی کے ایک مشہور غاصب - خائن - ظالم اور متعصب حکمران تھے۔ مروجہ تاریخوں کا سوادِ اعظم اُن کے خلاف اس قسم کے الزامات سے بھر پڑا ہے۔ اور چونکہ ایک سردار قوم کی زندگی کا بیان دراصل اُس کی قوم کے حالات کی تفسیر ہو کر رہتا ہے اس لئے جس قدر حافظِ رحمت خاں بدنام ہوئے اُسی اعتبار سے اُن کی قوم ذلیل ہوئی اور آج ردِ ہیلہ قوم کا بھی اس کے علاوہ اور کوئی طغرائے انبیا نہیں ہے کہ وہ ظالموں اور لٹیروں کی جماعت تھی اور بس۔ 'ظالم ٹیلوں کی جماعت' اور اُس کے غاصب و خائن، سردار کا وجود کیا کسی نوع سے پسندیدہ بھی ہو سکتا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو شجاع الدولہ والی اودھ اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا گناہ کیا جو باہمی اتحادِ عمل سے ایک قابلِ نفرت جماعت اور اُس کے سردار کا استیصال کر دیا۔ گناہ تو گناہ یہ تو بہت بڑے

نواب کا کام کیا جس کے لئے اس سرزمین کے رہنے بسنے والوں کو ہمیشہ احسان مند ہونا چاہئے۔
 حقیقتاً یہی وہ نظر ہے جس کو تقویت دینے کے لئے کتابیں لکھی گئیں اور رکھوائی گئیں۔ تاکہ سندرہیں۔
 مشہور و معروف تاریخ دسیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین ایک جگہ اتفاقاً اپنی تاریخ جلد دوم میں جنگ
 ٹٹنے کے ذیل میں اپنی آپ بیتی اس طرح لکھتے ہیں کہ

”ڈاکٹر ٹرن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی..... اُس نے مجھے صلاح دی تھی کہ جھکو
 اپنے اور بادشاہ (شاہ عالم) کے بہت جلد انگریزی کیمپ میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے
 میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملہ میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور وہ
 انگریز قوم کے شکر یہ کامور دہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا.....“

یہی غلام حسین تھے جنہوں نے سیر المتاخرین کے نام سے ایک ضخیم تاریخ لکھ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تالیف کی بنیاد
 بھی اُسی ذہنیت پر رکھی گئی جس کا جلوہ اُن کے سندرجہ بالابیان میں نظر آتا ہے۔ مگر پھر بھی اُن کی کتاب ہمارے
 دہرے دور، مورخین کی ایک ایسی سند ہے جس کے غلط ثابت کرنے سے ہمیں قاصر سمجھا جاتا ہے۔

ایک اور کتاب تاریخ فیض بخش ہے۔ اس کے مصنف روهیل کھٹکے سب سے بڑے مورخ مسٹر
 کے روهیلانیئر، یا روهیلہسٹورین، شیو پرشاد ہیں۔ انہوں نے بقول سر جان اسٹرنجی تاریخ روهیل کھٹکے
 متعلق سب سے زیادہ قیمتی معلومات اپنی پیش ہوا کتاب سے ہم پہنچائی ہیں۔ اب اس کتاب کی شان نزول
 ملاحظہ ہو کہ مصنف نے اس کو مسٹر کرک پیٹرک، ایک سویلین کی شریک پر لکھ کر نواب فیض اللہ خاں والی راپٹو
 سے اصلاح لی تھی اور اس کے مسودہ کو ایک ذمہ دار مگر خفیہ کام پر تعینات افغان نے مسٹر ہملٹن کے حوالہ کیا تھا
 جس کا ترجمہ کر کے مسٹر ہملٹن نے ایک ایسی کتاب لکھی جو یادگار ہے اور کسی مورخ نے روهیلوں کے حال میں
 اُس وقت تک قلم نہ اٹھایا جب تک مسٹر ہملٹن کی کتاب کو اپنے سامنے نہ رکھ لیا۔ حتیٰ کہ انسان کو پیڑیا
 بری ٹینکا، میں بھی جو روهیلوں اور روهیل کھٹکے متعلق بیان درج ہے وہ مسٹر ہملٹن ہی کی کتاب کے
 حوالہ سے ہے۔ اور مسٹر ہملٹن کی کتاب کو یہ اہمیت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ اُس کی بنیاد ایک نیو
 ہسٹورین، کی تاریخ پر ہے جو عام اس سے کہ کیسے ہی اثرات کے ماتحت کیوں نہ معرض وجود میں آئی ہو

غلط نہیں ہو سکتی اور ہمیں اُس کو بھٹلانے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسی طرح مرزا رفیع السودا ملازم نواب شجاع الدولہ کا مشہور قصیدہ 'حافظ نے سر دیانہ دیازر ...' اور نواب سعادت علی خاں کے ایک وظیفہ خوار کی کتاب 'عماد السعادت' کو اودھر روپیل کھنڈ کی مشہور رقابت کا بیجہ ہیں اور ان کی ایسے لوگوں کی نظر میں جو صنفِ داری کی عینک اُتار کر صحیح واقعات کی چھان بین کرنے کے دعویدار ہیں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں ان چیزوں کو بھی کافی تاہنجی اہمیت دی گئی ہے۔ اور واقعات کے مسخ کرنے میں ان سے کافی مدد لی گئی ہے۔

زمانہ حال کی مشہور کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور سر جان اسٹرنجی سابق لفٹنٹ گورنر یو۔ پی کی مؤلفہ کتاب 'ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار' ہے۔ اس کتاب کو دو وجہ سے اہمیت دی جاتی ہے کہ اول تو مصنف کی شخصیت بہت بلند و مستند ہے دوسرے اُس کو لندن میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کے تمام علمی خزانوں پر پوری پوری دسترس حاصل تھی اس لئے اُس کو گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کے اصلی سرکاری کاغذات اور تمام اہم بیانات و تحریروں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کتاب کی مذکورہ بالا خصوصیات کا ہمیں بھی اعتراف ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کی روہیلوں سے متعلق تمام ضروری تحریروں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں بھی محفوظ و موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ ان تحریروں کے نامکمل ہونے کے بارے میں ممبرانِ کلکتہ کونسل میسرز مانسن۔ کلیورنگ۔ او۔ فرانسس نے اپنے ایک خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرس لندن میں ۳۰۔ نومبر ۱۸۵۷ء کو جنگ روہیلہ کے مظالم کی بابت لکھا کہ۔

”...مظالم کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آئیں اگر ہم مسٹر ہیسٹنگز سے کچھ نہیں اور مسٹر ڈرلن ریزنٹ کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کر لیتے۔ پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا تسلسل شکستہ ہو اور جو نامکمل حالت میں ہیں نیز کمزور خطوط و دستخط چھپائے گئے ہیں اور ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ ظالمانہ حالات و واقعات دبا دئے گئے ہیں۔“

تذکرہ مع ان کے سلسلہ ہائے نسل اور بیانِ معافیاتِ خاندانی، بھی ان اوراق میں شامل ہے۔ ان بیانات و حالات کے لئے حواشی اور ضمیموں کا مطالعہ ضروری ہے جو بجائے خود ایک خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ چند صفحات جن کو ہم حاصل کتاب سمجھتے ہیں ہندوؤں کے لئے بھی مخصوص کر دیے گئے ہیں جن سے حافظِ رحمت خاں کے عہدِ حکومت میں ہندو مسلمانوں کے خوشگوار و مخلصانہ تعلقات، یگانگت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ان صفحات کے مطالعہ سے امید ہے کہ ہندو مسلمانوں کی موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے تبدیل ہونے میں بہت کچھ امداد ملے گی۔

ہمیں اس امر کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تالیف کے لئے فارسی، اردو اور انگریزی کی ان قلمی و مطبوعہ کتابوں میں جن کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے اور ان کے علاوہ بکثرت بوسیدہ قلمی نوشتہ جات کی فراہمی اور ان سے حوالے تلاش کرنے نیز اقتباسات لینے میں ہمیں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو لوگ تصنیف و تالیف کا شغل رکھتے ہیں وہ اس امر سے واقف ہیں کہ ایک تاریخی تالیف کو مرتب کرنے کا کام جس میں مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑے برسبت ایک طبع زاو تصنیف کے کفایت رکھتا ہے۔ محض حاجی نواب نثار احمد خاں صاحب بریلوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنا مجموعہ کتب و نوشتہ جات جو انھوں نے گزشتہ پچاس سال کے عرصہ میں کسی ایسے شخص کے لئے فراہم کیا تھا جو حافظِ ملک کی صحیح و مکمل سوانح ترتیب دیکھا جائے اور اس کے عطا فرمایا اور جھکومت کچھ زحمتوں سے بچا کر ایک حد تک آسانی اس نہایت ضروری خدمت کو انجام دینے کا موقع ہم پہنچایا۔

میرے محروم مولوی محمد عظیم اللہ خان صاحب ماہر السنہ مشرقیہ کا وجود گرامی میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہایت نہ ہوا فارسی کی قلمی کتابوں کے صحیح طور پر سمجھنے۔ ان کے ضروری حصوں کے ترجموں اور کاپیوں کی تصحیح میں مدد دیکر انھوں نے اپنی غیر معمولی علم و درستی اور بے لوث ہمدردی کا ثبوت دیا۔

مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا جو ایک کامیاب اخبار نویس اور کتب خانہ انشا پر داز ہیں ممنونِ احسان ہوں کہ موصوف نے اپنا بہت سا قیمتی وقت فرما کر نہ صرف مسودہ پر نظر ثانی فرمائی بلکہ پروف ریڈنگ کا صبر آزما کام بھی اپنی ضعیف العمری کے باوجود پوری جوان ہمتی سے

انجام دیا۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر میں عالی جناب صاحبزادہ عبدالواحد خاں صاحب ایم، اے (ملک) کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کمال نہائی مبلغ ایک ہزار روپیہ کا گرانقدر عظیم رحمت فرما کر مجھے اس قابل بنایا کہ میں اپنی کتاب کو زیور طبع سے درصع کر اگر بہت جلد شائق پبلک کے ہاتھوں تک پہنچا سکا۔

آخر میں مولانا سیٹھ فیصل احمد صاحب - خان بہادر مولوی اورین احمد صاحب - بابو چیل بہاری لال صاحب کپور ایڈووکیٹ - سید یوسف علی صاحب ایڈووکیٹ ایم - ایل - سی - پنڈت رادھہ شyam صاحب کھنڈا واپک - مولوی عبدالواحد صاحب ایڈووکیٹ - ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی - بیرسٹر ایٹ لا - بابو منال لال صاحب لائبریری بریلی انسٹیٹیوٹ - بابو منموہن لال صاحب ناٹھر ایڈووکیٹ - سید نور الحسن صاحب - منشی عبدالعزیز خاں صاحب - ماسٹر احمد شاہ خاں صاحب - مولوی عزیز حسین خاں صاحب ایڈووکیٹ - حضوری میاں صاحب - پروفیسر عبدالشکور صاحب ایم - اے - حکیم عبدالرحمن خاں صاحب - خان بہادر حکیم معظم علی خاں صاحب - بابو اننت رام صاحب سرہی - مولوی اکرام عالم صاحب وکیل - مولوی عبداللطیف صاحب - مولوی سجاد حسین صاحب وکیل - اور ان کے علاوہ دوسرے اپنے ایسے اجاباد اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا ہوں جو مجھ سے محبت اور برے ناچیز کاموں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس کتاب کی شہید و ترتیب کے زمانہ میں میری بہت کچھ ہمت افزائی فرمائی۔

خاکسار

الطاف علی

بریلی - ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۱) روہ روہیلہ اور روہیل کھنڈ

ہماری اس کتاب کو ہندوستان کے اُس پُرفضا، شاداب اور زرخیز قطعہ زمین سے تعلق ہے جو کہ ہمالہ کے دامن میں واقع ہے اور جس کے بڑے حصہ کو نہ صرف ہندوستان کے سب سے بڑے دریا نے جو ہندوؤں کی نظر میں پوتر سمجھا جاتا ہے اور جس کو آسمانی دریا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سیراب کر دیا ہے بلکہ رام گنگا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریاؤں نے بھی جو میلوں تک اس سرزمین میں لہریں مار رہے ہیں اس کی آب و ہوا پر خوشگوار اثر ڈالا ہے۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جنہوں نے آج سے دو سو برس پہلے افغانی قسمت آزمائوں کو اپنی طرف کھینچا اور انہوں نے اس پُرفضا اور خوشنام قطعہ ملک کو اپنا گھر بنا لیا اور وہ اُن کے اصلی وطن روہ کی نسبت سے کھیر

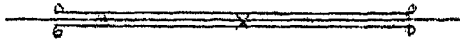
لہ از کتبہ سنگ - حمد را بر کھن بال - بزبان سنسکرت موجودہ عجائب خانہ لکھنؤ - دریا کے گنگا سے مراد ہی (مؤلف)، کھیر بانامی سورج بنی راجپوتوں کی ایک قوم قنوج سے نکالے جانے کے بعد مسلمانوں میں یہاں آکر آباد ہوئی اور اس سرزمین کا نام کھیر رکھا گیا کھیر لوں سے پہلے یہ پانچال سلطنت کا ایک حصہ تھا جس کا مہاراجہ تھا جس کی ذکر ہے اور جس کی وسعت کو ہمالہ سے دریائے چنبل تک تھی پانچال کا آج پتھر والا سلطنت تھا جس کو آج کل مراد آباد کی حد سے چند میل کے فاصلے پر رگنہ سڑکی ضلع بریلی میں رام نگر کہتے ہیں تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۱۰۰ م - مراد آباد اور اس کے عوامی ہیں بہت تہذیب یافتہ آریہن آباد تھے مسلمانوں میں ہوان ساٹاک پہلی مسیح سے کھیر کا سونپا تو اس نے اس ملک میں شیلادتیہ کی حکومت دیکھی جو بدھ مذہب کا پیرو اور ہادی - پابندی مذہب اور سخاوت میں یکساں رہے وہ گار تھا - سنہ ۱۱۰۰ میں گور راجپوتوں نے حملہ کر کے اس ملک کو فتح کیا - سنہ ۱۱۰۰ کو دارا الحکومت بنایا اور شاہی حکومت کی - گوریل کی جگہ چوہانوں نے لی جو ہانوں کا مشہور راجہ پٹھوی راج جو گوری ہاں سے پیدا تھا شاہیہ میں تخت دہلی پر بیٹھا اسی کے زمانہ میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملے کیے اور مسلمانوں کے خون سے اس نے سنبھل اور امر دہلی مضبوط و محکم قلعہ بنوائے مسلمانوں نے کھیر میں ہندوؤں کی بلائیں کٹا دیں - صرف بدایوں پر مسلمانوں نے سید سالار مسعود غازی ہیش زوہ سلطان محمود غزنوی نے حملہ کیا تھا - اور آخر مسلمانوں نے قطب الدین ایبک نے بدایوں کو باقاعدہ فتح کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کی - اس وقت سے کھیر مسلمانوں کے حلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا - ہمایوں کی بہ

روہ افغانستان میں کوہستان کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کے شمال میں کوہ کا شغرہ جنوب میں
بھکر اور بلوچستان۔ مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ہند ہے جو قندھار کے قریب بہتا ہے۔
حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے مورث غور و غزنی سے منتقل ہو کر اسی کوہستانی قطعہ میں
آباد ہو گئے تھے اور اسی نسبت سے روہیلہ کہلائے سب سے پہلے اس قوم کے بڑے سردار
شاہ عالم خاں حافظ الملک کے والد کا ایک غلام داؤد خاں روہ سے چل کر ٹھہر آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ
یہ علاقہ قلعہ خاں نظام الملک اور بعدہ رکن الدولہ کی جاگیر میں پہنچکر بد نظمی کا مرکز بنا ہوا تھا اور جس کے
دفعیہ کے لئے بادشاہ دہلی کی طرف سے شیخ غفلت اللہ لکنؤی گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے۔

جب داؤد خاں کے بیٹے اور جانشین علی محمد خاں نے راجہ ہرنند کو شکست دیکر ۱۲۲۷ء میں کٹھیر پر قبضہ کر لیا تو یہاں روہیلوں کی کثیر آبادی ہو گئی جس میں زیادہ تر علی محمد خاں کی فوج کے سپاہی شامل تھے۔ اسی زمانہ سے اس حصہ ملک کا نام روہیل کھنڈ ہو گیا اور علی محمد خاں جو خود روہیلہ نہیں تھے روہیلہ سردار کہلائے لیکن ہندوستان میں بالعموم اور کٹھیر میں بالخصوص روہیلوں کا وجود علی محمد خاں سے بہت پہلے پایا جاتا ہے۔ ۱۷۷۷ء میں بہلول لودی تخت ہند پر بیٹھ کر ہونہار نے اپنی سلطنت کی تقویت کی غرض سے افغانستان اور روہ میں غلط آمیز فرمان چھجکر افغانوں کو طلب کیا اس طلبی پر جوق جوق افغان ہندوستان میں آنا شروع

۴۰
 وہ ٹکست پر بنگالی کے وقت شہر قوم کا ایک شخص راجہ متر سین بھگل کا صوبہ دار ہو گیا تھا لیکن اگر کے تخت سلطنت پر بیٹھے ہی راجہ
 کر دیا گیا اور کٹھیر یوں کو سنبھلنے سے کمال دیا گیا اب یہ لوگ بریلی اور مقام جو پالہ میں جو پہلے مراد آباد کے مقابل تھا آباد ہو گئے
 ۱۶۲۵ء میں راجہ کیا میں نے شاہجہاں سے ان لوگوں کی شکایت کی جس کی بنا پر متر سین خان کھنی ان کے اتصال پر مقرر ہوا۔ رستم خاں نے
 کٹھیر یوں پر تسلط حاصل کیا اور متر سین عین جو پالہ کی آبادی کے سامنے رام گنگا کے کنارے ایک نیا شہر تعمیر کر کے پٹنہ اس کا نام رستم آباد اور
 کچھ عرصہ کے بعد شہر مراد آباد بن گئے نام پر مراد آباد رکھا۔ رستم خاں متر سین کے ایک ناظم رہا اور شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد سلطنت
 میں ساموگڑھ کے ایک بھگلے میں رہا گیا۔ متر سین فرخ سیر نے جین فلیج خاں نظام الملک کو دکن کی
 صوبہ داری سے قبل یہ علاقہ جاگیر میں دیا کچھ عرصہ کے بعد مراد شاہ نظام الملک سے ناراض ہوا اور اس علاقہ کو ۴۰

ہو گئے۔ ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں وہ نظر نہ آنے ہوں۔ جب تک سلطنت بھول لودی اور شیر شاہ سوری کے خاندان میں رہی افغانوں کی آبادی ہندوستان میں برابر ترقی کرتی رہی۔ وہ کٹھیر میں دامن کوہ کے زمینداروں کی نوکری کرتے تھے اور ان کی خانہ جنگیوں میں شریک ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ افغانوں کے جرگے آؤلہ۔ نجیب آباد۔ فرخ آباد۔ منو۔ بریلی۔ اور پہلی بھیت وغیرہ میں جمع ہو گئے۔ ان پٹھانوں کی دو بڑی جماعتیں ممتاز تھیں۔ ایک جماعت بنگش پٹھانوں کی تھی جو فرخ آباد کی طرف آباد ہوئی اور جنھوں نے نواب محمد خاں بنگش کی سرکردگی میں سلسلۂ اء عہد فرخ سیر میں اپنی حکومت قائم کی۔ دوسری جماعت کٹھیر و قباض ہوئی جس کے حکمران نواب علی محمد خاں اور اس تذکرہ کے ہیرو حافظ الملک حافظ رحمت خاں ہوئے۔



۴۲ رکن الدولہ اعتقاد خاں کو عطا کر دیا جس کا ایک صوبہ بنا کر مراد آباد کی بجائے رکن آباد نام رکھا گیا۔
(روہیل کھنڈ گزیشرو اخبار الصنادید۔ کنترا التاریخ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔)

(۲) حافظ الملک کا خاندان

حافظ الملک حافظ رحمت خاں قیس عبد الرشید کی اولاد میں تھے۔ قیس اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ تھے جو دین باطل کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے اور ان کا اسلامی نام عبد الرشید رکھا گیا۔ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کا زمانہ تھا۔ عبد الرشید نے ویدارہ مصطفوی کے ذوق و شوق میں افغانستان سے مدینہ منورہ کا سفر کیا تھا۔ عبد الرشید کی شادی سارہ بنت خالد ابن ولید سے مدینہ ہوا کہ وہی جن کے بطن سے۔ سترھ بن۔ غور غوث۔ اوبٹین قین فرزند پیدا ہوئے۔ ان ہر نامور افغانوں سے اکثر افغانی اپنا سلسلہ نسب ملتے ہیں۔ قیس عبد الرشید کی وفات ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء میں ہوئی۔

قیس عبد الرشید کے بڑے لڑکے سترھ بن کا بیٹا سرخون ہوا۔ جس کا اسلامی نام شرف الدین تھا۔ اُس کا لڑکا۔ بھڑیج تھا۔ بھڑیج کی اولاد میں۔ حافظ الملک ہوئے اور ان کا خاندان بھڑیج کے نام سے مشہور ہو۔

بھڑیج سے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کا سلسلہ اس طرح ملتا ہے۔

حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں ابن محمود خاں ابن شہاب الدین خاں

ابن دولت خاں۔ ابن بدل خاں۔ ابن داؤد خاں۔ ابن بھڑیج خاں،

قیس عبد الرشید سے اوپر حافظ صاحب کا سلسلہ نسب جو مخزن افغانی سے گل حرمت وغیرہ

میں درج ہے وہ مولف حیات افغانی کی تحقیق کے مطابق ”قابل لحاظ“ نہیں ہے۔

لیکن محمد عبدالسلام خاں مولف نسب افغانیہ کی تحقیق کی بنا پر یہ ضرور صحیح ہے کہ قیس عبد الرشید

بنی اسرائیل تھے۔

قیس عبدالرشید کی اولاد پٹھان اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ ان لوگوں کو سب سے پہلے

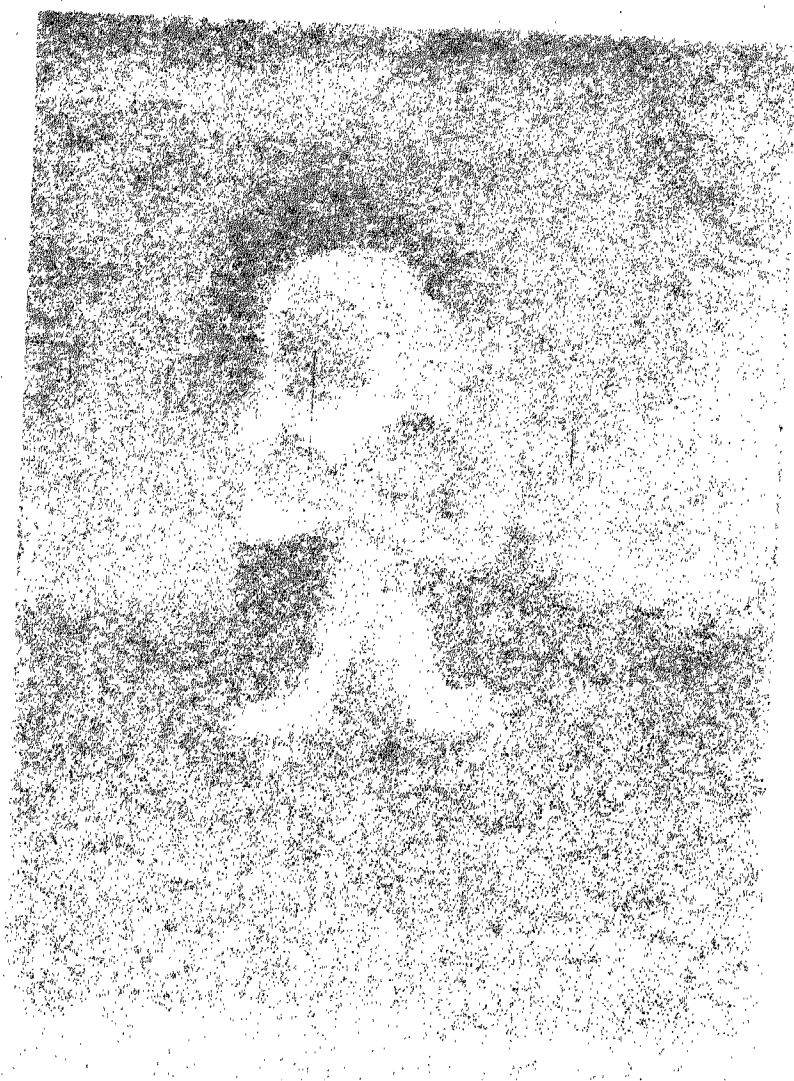
محمد عبدالسلام خاں اپنی کتاب نسب افغانہ میں ”پتھر آخری تحقیقات نسب افغانہ“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

”افغانی نسب ابتدائاً جو جرمان کی متواتر بائمالی اور جلا وطنی کے گمنامی کی حالت میں رہا اور خود قوم نے پنا نام پشتوں جو مظلومیت کی نشانی تھی، اختیار کر کے نسب کے نام کو مخفی کیا۔ بعد ازاں جب قومی سلطنت غور میں قائم ہوئی تو عربی نسب صحاک سے ملا یا اور بیرون افغانستان جب قوم پھیلی تو غیر قوموں نے ان کے نام رکھنے شروع کیے ایرانیوں نے افغان یعنی افغان کر کے والے اور ہندوؤں نے پٹھان نام رکھا مگر باوصف اس کے ساتھ ایک ایشیائی مورخ بنی اسرائیل لکھتے رہے اور بعد ازاں افغانی سلطنتوں میں زوال آیا اور سن ۱۲۵۰ء میں مغلیہ سلطنت ہند میں قائم ہوئی تو مغلیہ نوفاہمی مورخوں نے افغانی نسب کی تذلیل کرنی شروع کی۔ افغانی زبان پشتو میں تصنیف سن ۱۷۰۰ء سے شروع ہوئی اس وقت سے اہلی نسب اسرائیلی قوم نے ظاہر کیا۔ اور بالآخر جب انگریزی مورخ میدان میں آئے تو مطلع تاریک پاپا۔ مدح و ذم میں قوم کے سب سلمان موجود اور تاریخی واقعات ابھنے ہوئے پائے لاجرم دوکر و کا ہو گئے۔ ایک نے اسرائیلی نسب قرار دیا دوسرے نے رد کیا یہ کسی طرح لگان نہیں ہوتا کہ اسرائیلی نسب کے تمام آثار قوم سے زائل ہو گئے ہوں حقیقت معدوم ہو گئی ہو بے تحصب محققوں کے لیے ایسی کھلی ہوئی سچی نشانیاں موجود ہیں جو شناخت کے لیے کافی ہیں پورہین مورخ لکھتے ہیں کہ کل قوم افغانہ کی صورتیں ایک سی ہیں اور زمانہ حال کے پورہین مورخ و سیاح بالاتفاق ریع ان کے جو اسرائیلی نسب ہونے سے اختلاف کرتے ہیں، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ افغان اور یہودیوں کی شباهت ایک سی ہی۔ یہ تعجب ہی کہ بنی اسرائیل کو افغانستان کے ہونے کے جھٹیس سو برس ہوئے اور ان کی صورتوں میں اس وقت تک فرق نہیں پایا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جلا وطن ابتدائے پہاڑوں کے گوشوں میں سب سے الگ پڑے رہے اور تحصب قومی سے غیر قوموں میں بیاہ شادی کر کے سے گریز کیا۔ اور اپنے شعار قومی اور نسب کو بگڑنے نہ دیا۔ صورتوں کے علاوہ سیرت یعنی عادات و اطوار افغان اور بنی اسرائیل کے ایک سے ثابت ہوئے ہیں۔ قومی۔ مذہبی اخلاقی اور جماعتی مراسم افغانوں نے بنی اسرائیل کے مضبوطی سے قائم رکھے حالانکہ چاروں طرف سے غیر قوموں سے گھرے ہوئے تھے اور ان سے معاملات پڑنے لگے تھے مگر ان پر ان کا مطلق اثر نہ ہوا۔ صورت۔ سیرت مراسم و عیون کی آمیزش سے بچا یا۔ زبان البینہ آمیزش سے پاک نہ رہ سکی۔ یہ قدرتی مجبوری تھی جس طرح ہندوستان میں مختلف اقوام کے اجتماع سے نئی زبان اردو پیدا ہوئی اسی طرح مختلف اقوام کی حکومت اور معاملات پڑنے سے پشتو زبان بنی پشتو زبان کا لب و لہجہ بنلا تا ہے کہ فارسی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ ترکی الفاظ اس قوم کی اصلی زبان کے الفاظ نہیں ہیں کیونکہ لفظ میں بہت تغیر ہو گیا اور قومی زبان عبرانی کے جو الفاظ پشتو میں باقی رہ گئے ہیں ان کے تلفظ میں تغیر نہیں ہوا اور عربی زبان جو عبرانی کی شاخ ہے اس کے مخلوط ہونے کے بعد بھی تلفظ میں بہت کم تغیر ہوا ہے۔ صورت۔ سیرت۔ مراسم۔ زبان سب بنی اسرائیل ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ تاریخوں سے اور تورات سے بنی اسرائیل کا خراسان

سلطان محمود غزنوی نے بتان (یعنی ہماز کا پشتی بان) کے لقب سے موسوم کیا کیونکہ یہ یہ لوگ اپنی بہادری اور سرفروشی کے باعث اس کی فوج کی جان تھے۔ یہی لفظ 'بتان' امتدادِ زمانہ سے ہائے فارسی و تائے ہندی مخلوط بہ ہائے تبدیل ہو کر پٹھان ہو گیا۔

اس قوم نے سلطان محمود غزنوی اور معز الدین شاہ کی ہمراہی میں ہندوستان آکر بڑی بہادری دکھائی اور قندھار، پشاور اور کابل کے نواح میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ غور، خلیج اور کابل کے بادشاہوں اور امیروں کی مدد سے علاقہ روه پر بھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے غلبہ حاصل کر لیا اور سکونت کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر قبیلہ نے اپنے واسطے علیحدہ علیحدہ جائے سکونت اختیار کر لی اور اس پر قابض ہو کر زراعت و تجارت کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ قبیلہ بھڑنچ کا قدیم وطن حدود قندھار کے اندر موضع شورا بابک اور پشین میں واقع تھا۔ لیکن اس قوم کے اکثر لوگ یوسف زائی لوگوں کے ساتھ قراہیت ہونے کے سبب سے اپنے وطن سے اٹھ کر یوسف زائیوں کے ملک وادی سوات و چیمہ میں مقیم ہو گئے اور انھیں میں سے حافظ الملک کے جد امجد شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا بھی ضلع شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا

۴۴ کی طرف نکالا جانا سب سے ق۔ م ثابت ہوا اور بنی اسرائیل کی جماعت کا افغانستان میں آباد ہونا چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں ثابت ہو جس سے خراسان کی طرف نکالنے کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ مشہد و یمن کے یہودی افغانوں کو بنی اسرائیل تسلیم کرتے ہیں اور یہودی مسلمانہ تیوارا ہیں افغانوں کو یہودی قبول کیا گیا ہے۔ یہ شہادت بنی اسرائیل کے فرقہ کی ہے جو خاص توجہ کے لائق ہے۔ سائوین صدی عیسوی میں جب اس قوم میں اسلام آیا اس وقت سردارانِ افغان کے نام عبرانی تھے اور ان سرداروں میں سے قیس (عبدالرشید) نے بنی اسرائیل عرب کے یہاں شادی کی اور عرب کے اسرائیلیوں کی تحریک سے اس قوم نے اسلام قبول کیا۔ افغانستان کے شہر - دریا۔ پہاڑ جن کے نام ملک شام کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ گو اہی دیتے ہیں کہ عبرانی قوم کی قسم نشانیاں ہیں اور قوم کتنی ہے کہ ہم بنی اسرائیل ہیں یہ ثبوت بنی اسرائیل ہونے کا کافی ہے متعدد اقسام کے ثبوت میں ایک ہی واقعہ نسب کی بابت مل جانا دلیل صحت نسب ہی چھتیس سو بار



میں رہتے تھے اور کبھی چلمہ اور ستمہ میں سپرد نفرت کی غرض سے چلے جاتے تھے۔ آخر وقت میں بہ سبب و فور جذبہ الہی ستمہ ہی میں مقیم ہو گئے اور چونکہ ان سے بکثرت کشف و کرامات کا ظہور ہوا کرتا تھا اس لئے تمام قوم یوسف زائی ان کی بزرگی کی معتقد تھی ان کا ہزار ہزارہ میں ہے اور زیارت گاہ عام ہے۔ شہاب الدین کے تین بیٹے تھے۔ پانی خاں۔ محمود خاں اور آدم خاں۔

محمود خاں عرف موتی بابا محمود خاں عرف موتی بابا اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے کیونکہ ان کو اپنے والد کے اوصاف خصوصی ترکہ میں ملے تھے۔ محمود خاں نے قبیلہ کمال زائی کے سرداروں کے ساتھ سلسلہ قرابت کو مستحکم کیا اور تور شہادت پور میں قیام کر کے اسی جگہ وفات پائی انھوں نے پانچ بیٹے چھوڑے۔ آزاد خاں۔ شہزاد خاں۔ حکیم خاں۔ حسن خاں۔ شاہ عالم خاں؛ **شاہ عالم خاں** شاہ عالم خاں اپنے باپ دادا کے طریقہ کے موافق تجرید و تفہیم کی زندگی بسر کرنے لگے اور خدا کی یاد میں مصروف رہ کر بچانہ روزگار بن گئے۔

شاہ عالم خاں کا غلام داؤد خاں ترکہ پدیری کی تقسیم کے وقت شاہ عالم خاں کے حصہ میں ایک غلام داؤد خاں نامی آیا کیونکہ اس وقت ان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اسے اپنے بیٹے کی طرح پرورش کر کے خانہ داری اور زراعت کا جملہ کام اس کے سپرد کر دیا جب داؤد خاں جو ان ہوا تو اس نے ملک کٹھیر میں اپنے ہم وطنوں کے کارنامے اور ان کی دولت و حشمت کے افسانے سنے۔ ارادہ کیا کہ خود بھی وہاں جا کر دولت کمائے اور جاہ و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ لیکن چونکہ اس کے اس ارادے سے شاہ عالم خاں کو اختلاف تھا اس لئے اُس نے ایک روز راہ فرار اختیار کی اور بہادر شاہ ابن اورنگ زیب کے عہد میں کٹھیر میں وارد ہوا۔

۴۴ سے جس قوم کا نسب گناہی کی حالت میں رہا ہوا وہاں یہ قوم آباد ہو وہاں کے کوہ اور وشت اور دیا اور شہزادہ باشندے اور ان کی زبان اور ان کے مراسم و عادات اور شہادت یہ بتادیں کہ ہم بنی اسرائیل کی نشانیاں ہیں اور بنی اسرائیل کا بھی ایک فرقہ قبول کرے کہ افغانہ بنی اسرائیل ہیں تو یہ جملہ جزائے ثبوت تقدیر ہو جاتے ہیں اور کوئی طریقہ شک کرنے کا باقی نہیں رہتا۔

۱۵ دوسرے خاں کے والد ۱۵ گل حمت۔ جام بہاں نماؤ تکرملہ ذکر ملوک و چہرہ میں : داؤد خاں کو شاہ عالم خاں کا غلام لکھا ہے۔

تھوڑے دنوں میں بہت سے ایسے افغانوں کو اپنے ہمراہ شامل کر کے جو ہندوستان میں آئے رہتے تھے طاقت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں اختلال نظام سلطنت مغلیہ کے باعث بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال کی گرم بازاری رہتی تھی اور وہ لڑنے والے سپاہیوں کو نوکر رکھا کرتے تھے اس لیے داؤد خاں نے جو ایک دلیر شخص تھا ان لڑائیوں میں بڑا نام پیدا کیا یہاں تک کہ ہر ایک زمیندار اس کو فتح کی نشانی سمجھ کر اپنی اپنی طرف کھینچا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد داؤد خاں چندا اور ولایتی افغانوں کے ساتھ زمیندار پر گنہہ سپر سرکار بدایوں کا ملازم ہو گیا اور اس کی جانب سے پر گنہہ چو محلہ کے زمیندار سے مقابلہ کر کے فتح پائی اس لڑائی میں اُس نے موضع بانکولی کو بھی لوٹا یہاں ایک خوبصورت لڑکا جس کی عمر سات آٹھ سال کی تھی اس کے ہاتھ لگا۔ داؤد خاں نے اس بچے کے ساتھ بہت مہربانی اور رحمدلی کا سلوک کیا اور اس کو اپنی فرزندگی میں لے لیا۔ علی محمد خاں نام رکھا۔ اور تعلیم و تربیت کے لیے معلم ادیب مقرر کئے۔

شاہ عالم خاں کی شہادت چند سال کے عرصہ میں داؤد خاں کے عروج کی خبر وطن میں شہو ہوئی تو صدر ہافغان اس کے پاس آگئے یہاں تک کہ پانچو آدمیوں کی جمعیت ہو گئی۔ اور ملک شادی خاں۔ پائندہ خاں۔ دوندے خاں۔ سردار خاں۔ اور صدر خاں کمال زئی وغیرہ نامور افغان روہ سے آکر اُس کے انیس وندیم ہو گئے۔ شاہ عالم خاں کو بھی جب اس

لے گل حرم علی محمد خاں کے نسب کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہو بعض نے باٹ لکھا ہے اور بعض نے سپہر خانی کہ راپوری مورخ مولوی نجم الغنی خاں نے بھی اپنی کتاب اخبار الحنادید مطبوعہ لاہور میں باٹ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن اسی کتاب کے مشاعرے کے ایڈیشن میں انھوں نے ان کو سپہر لکھا ہے اور اس طرح اس مسئلہ کو بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہماری رائے میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ حیثیت ضرور رکھتا ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حافظ رحمت خاں جیسے غیور اور خود و اثر شخص نے جن کو تحفظ نسب کا بہت کچھ خیال تھا اپنے لڑکے غایت خاں کی شادی علی محمد خاں کی لڑکی سے کر دی تو علی محمد خاں کی عالی نسب کا فیصلہ خود بخود ہر جانا ہے (مؤلف)

سے تاریخ اخبار من۔

واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ تحقیق حالات کے لیے ہندوستان آئے اور داؤد خاں سے ملاقات کی۔
 داؤد خاں نے اُن کی وہی عزت کی جو ایک غلام کو آقا کی کرنی چاہئے اور دو ہزار روپیہ نذر
 کر کے ان کو رخصت کیا۔ چند سال کے بعد شاہ عالم خاں دوبارہ ہندوستان آئے کیونکہ داؤد خاں
 کے ترک وطن کے باعث ان کی زراعت و تجارت کا کام خراب ہو گیا تھا اور انکو اپنے
 گوشہ عزلت میں بسر اوقات کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ داؤد خاں نے کچھ عرصہ تک
 شاہ عالم خاں کو اپنے پاس رکھا۔ دو ہزار روپیہ سالانہ ان کے مصارف کے واسطے مقرر
 کئے اور وعدہ کیا کہ رفقہ مذکوران کی خدمت میں سال بسال پہنچاتا رہے گا۔ شاہ عالم خاں
 داؤد خاں سے رخصت ہو کر وطن کو روانہ ہوئے جب دہلی پہنچے تو وہاں سوداگروں کی ایک
 جماعت نے اپنے گھوڑوں کی قیمت کے معاوضہ میں جو داؤد خاں کے ذمہ واجب الادا
 تھی شاہ عالم خاں کو قید کر لیا اور کہا کہ جب تک تمہارا تبتبی روپیہ نہ ادا کر لگا ہم تم کو نہیں چھوڑینگے۔
 ٹھوڑے عرصہ تک شاہ عالم خاں سوداگروں کے پاس مقیم رہے اور ان کی اجازت سے اپنا
 تمام مال و اسباب وہاں چھوڑ کر تنہا داؤد خاں کے پاس واپس آئے گھوڑوں کی قیمت کے
 متعلق اس پر بہت زجر و توبیخ کی اور طوعاً و کرہاً قیمت مذکور وصول کر کے سوداگروں کے پاس
 بھجوا دی۔ شاہ عالم خاں کے دل پر اس واقعہ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ انھوں نے اسی پر بس نہیں
 کیا بلکہ داؤد خاں سے یہ بھی کہا کہ اس ملک میں تیرے رہنے سے مخلوق خدا پر ظلم ہوتا ہے میں
 تجھ کو اپنے ہمراہ وطن واپس لے جاؤں گا۔ داؤد خاں نے چونکہ یہاں دولت و ثروت حاصل
 کر لی تھی اور کسی طرح اب وطن کو واپس جانے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے شاہ عالم خاں کی
 یہ باتیں سن کر بہت کبیرہ خاطر ہوا خفیہ طور پر ان کی جان لینے پر آمادہ ہو گیا اور چار آدمیوں کو
 کچھ روپیہ کا لالچ دے کر ان کے قتل پر مقرر کر دیا اسی عرصہ میں بدایوں کے عامل نے جو خاں گیش
 کی طرف سے مقرر تھا اس کو وہاں کے زمینداروں سے مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنے پاس
 بلایا داؤد خاں کا فی جہیت کے ساتھ بدایوں کو روانہ ہوا شاہ عالم خاں کو بھی اپنے ہمراہ

لینا گیا۔ اثنائے راہ میں جو لوگ شاہ عالم خاں کے قتل کے ورپے تھے ایک روز رات کے وقت موقع پا کر ان کی خوابگاہ میں گھس گئے اور ان کے سر کو جسم سے جدا کر کے جنگل کی طرف بھاگ گئے شاہ عالم خاں نے تنہا سر پہ بچھا لیا لیکن چند قدم جا کر گھڑوں کی رسیوں میں الجھ کر زمین پر گر پڑے اور ان کا طائر روح تنہا غصہ سے پرواز کر گیا۔ صبح کو داؤد خاں نے بہت کچھ نمائشی نالہ و بکا کے بعد لاش دفن کر دی۔ یہ درد انگیز واقعہ عہد فرخ سیر بادشاہ میں واقع ہوا۔ شاہ عالم خاں کی قبر بدایوں سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر متصل درگاہ سید عرب صاحب آنولہ کی سڑک پر واقع ہے۔ حافظ رحمت خاں نے اپنے دور حکومت میں قبر کو بچتہ کر کے اس کے متعلق ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب تک باقی ہے۔ حافظ صاحب کی اولاد کے اکثر لوگ اپنے بچوں کی رسم عقیقہ یہاں آکر کرتے ہیں۔ شاہ عالم خاں کی شہادت کے بعد داؤد خاں نے ان کا مال و اسباب دہلی کے سوداگروں سے طلب کیا لیکن انہوں نے اس کے دینے سے انکار کر دیا اور فروخت کر کے جو قیمت وصول ہوئی اس کی ہینڈ سی ان کے ورثا کے پاس افغانستان کو روانہ کر دی۔ شاہ عالم خاں کے قاتلوں میں سے تین شخص اسی چوبیس گھنٹے میں زمینداروں کے ہاتھ سے مارے گئے اور ایک شخص مہر دھو ہو کر کچھ دنوں زندہ رہا جس نے اصل واقعہ کو بیان کیا۔

داؤد خاں کا عہد امتداد شاہ عالم خاں کی شہادت کو ایک سال نہ گزر تھا کہ داؤد خاں نے کیا لوں کے راجہ دیپ چند کی ملازمت اختیار کی تھوڑے ہی عرصہ بعد عظمت اللہ خاں حاکم مراد آباد سے رورپور کے قریب راجہ کو لڑائی لڑنا پڑی۔ داؤد خاں راجہ کی طرف سے مہمان میں آیا۔ لیکن عظمت اللہ خاں سے سازش کر کے عین مقابلہ کے وقت اس نے

اس گل رحمت ۱۷ نواب عبدالرشید خاں مرحوم بریلوی نے عہد ہوا بڑی مہمت کرادی تھی لیکن خود رو و رخنوں نے اسے چھرا بجا سے شق کر دیا ہو کاش خاندان حافظ الملک میں سے کوئی صاحب توجہ فرما کر ایک دفعہ اور مہمت کر دیتے نیز اگر ممکن ہو تو صاحب نزار کے نام کا ایک کتبہ بھی نصب کر دیتے۔ ۱۷ کنز التاریخ۔



(Continued on next page)

راجہ کے لشکر کو شکست دلا دی شکست خوردہ فوج پہاڑ پر واپس ہوئی تو راجہ نے انتقام لینے کا ارادہ کیا اور داؤد خاں کے پاس جو اپنی جمیعت کے ساتھ دامن کوہ میں مقیم تھا کھلا بھیجا کہ چند معتدلوگوں کے ہمراہ پہاڑ پر آکر اپنی تنخواہ کا حساب کرے۔ داؤد خاں اپنی تنخواہ کی وصولیابی کی امید پر راجہ کے کمرے غافل ہو گیا اور پہاڑ پر چلا گیا شروع شروع میں راجہ مذکور بہت مہربانی سے پیش آیا لیکن ایک روز موقع پا کر اس کو قید کر لیا۔ پہلے پتھروں کی کونچیں کٹوائیں پھر گردن کی رگیں کھینچوائیں اور کام تمام کر کے اس کی لاش کو دفن کر دیا۔

تو ہم شب راجہ کے میز پر آئے شمع کم فرصت
گرفتہ سوختی پروانہ آتش بجائے را

علی محمد خاں کی سرداری داؤد خاں کے کمیاؤں میں مقتول ہونے کے حادثے سے مطلع ہو کر اس کے ہمراہیان فوج مثل ملک شادی خاں۔ دو ندے خاں۔ صدر خاں۔ پائندہ خاں۔ سردار خاں اور فتح خاں وغیرہ جو بڑے باہمت باندیر اور بہادر سردار تھے کچھ زیادہ شکستہ دل نہیں ہوئے اور انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہوا انھیں ہندوستان میں رہنا چاہیے اور سرزمین کٹھیر میں اپنے اقتدار کو بڑھانا چاہتے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ان لوگوں نے داؤد خاں کے پسرتی علی محمد خاں کو اپنا سردار منتخب کیا اس وقت علی محمد خاں کی عمر چودہ سال کی تھی لیکن اس کم عمری کے باوجود سپاہ گری کے تمام ہنر سیکھ چکے تھے۔ نیزہ بازی۔ نیزاندازی۔ شہسواری۔ پٹے اور گد کے میں طاق تھے اور داؤد خاں کی اعلیٰ تربیت کے باعث ان کے دماغ میں بچپن سے سرداری کی بوبسی ہوئی تھی۔ لشکر کشی اور سیاسیات ملکی کی بھی ایسی تعلیم پائی تھی کہ بجائے خود ایک کارآزمودہ سردار خیال کئے جاتے تھے۔

علی محمد خاں داؤد خاں کے جانشین منتخب ہونے کے بعد روہیلوں کی کل جمیعت کو ساتھ لیکر جس کی قعد اوچار پانچو پیادہ و سوار تھی دامن کوہ سے روانہ ہو کر نواب عظمت اللہ خاں حاکم مراۓ آباد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں سے رخصت و اجازت حاصل کر کے

داؤد خاں کی جائداد پر متصرف ہو گئے۔

چند سال کے بعد علی محمد خاں کے مقبوضہ دیہات محمد صالح خواجہ سرا کی جاگیر میں آ گئے اور اُس نے علی محمد خاں کو مقبوضات مذکور کے واگذاشت کرنے پر مجبور کیا۔ علی محمد خاں مصالحت کی کوشش میں ناکام ہو کر مجبوراً جنگ کے لئے تیار ہوئے اور یکا یک خواجہ سرا پر چڑھنا میں قیام پذیر تھا حملہ کر دیا اور اس کو مع ہمراہیوں کے قتل کر کے اُس کے مال و متاع اور پرگنہ پر قبضہ کر لیا۔ متونا پر قبضہ و تصرف حاصل کر کے علی محمد خاں نے آنولہ کے زمیندار سے جنگ کی اور آنولہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ آنولہ کی فتح سے علی محمد خاں کو بڑی طاقت و ثروت حاصل ہو گئی۔ نوابی ٹھاٹھ جاملے اور اپنے ایک وکیل کو دہلی بھیج کر وزیر الممالک قمر الدین خاں سے رشتہ اتحاد پیدا کر کے آنولہ وغیرہ کی سند حکومت حاصل کر لی۔ انہیں ایام میں افواج بادشاہی نے جانٹھ میں سادات بآرہہ پرچھانی کی علی محمد خاں کو بھی اس لڑائی میں شریک ہونے کا حکم ملا۔ سادات بآرہہ مقتول ہوئے اور ان کا علاقہ فتح ہوا اس سبب علی محمد خاں نے بڑی کوشش و جانبازی کا ثبوت دیا جس کے صلہ میں وزیر الممالک کی جانب سے ان کو زر مالگزاری سالانہ میں کسی قدر کمی۔ خطاب نوابی۔ اور نوبت و علم وغیرہ عنایت ہوئے۔ نیز وزیر الممالک کی خاص عنایت کے مورد ہوئے اس اعزاز کے بعد نواب علی محمد خاں نے بعض مصالح کی بنا پر جن کا ذکر آئندہ کیا جائیگا حافظ الممالک حافظ رحمت خاں کو روہ سے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔

حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ابتدائی حالات اور بچپن میں ورود

شاہ عالم خاں جب پہلی بار ہندوستان سے واپس ہو کر وطن پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انکو ایک اقبال مند فرزند عطا کیا تھا جن کا نام رحمت خاں رکھا گیا اور جو بعد کو حافظ الملک کے نام سے مشہور ہوئے۔ تاریخ ولادت مستند تاریخوں میں سنہ ۱۰۷۰ کو درج ہے وہ اپنے والد کی شہادت کے وقت چار سال کے تھے اس وقت سے ہندوستان آنے تک اس کے حالات صرف اس قدر معلوم ہو سکے ہیں کہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں بالعموم موضع نور شہادت پور میں مقیم رہے جب پانچ برس کے ہوئے تو بسم اللہ ہوئی۔ بارہ برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید وغیرہ سے فراغت پائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں درس کتب ضروریہ اور فقہ پر عبور کلی حاصل کر لیا۔ جب جوان ہوئے تو اول اول گھوڑوں کی خرید و فروخت کے ارادے سے ہوشرفا کا مخصوص پیشہ سمجھا جاتا تھا سودا گروں کے ہمراہ بنشیاں کو روانہ ہوئے وہاں سے چند گھوڑے خرید کر وطن کو واپس آئے اپنے وطن میں حافظ صاحب ذاتی علم و فضل۔ عمدہ عادات و خصائل اور نیز اس سبب سے کہ وہ شہاب الدین المعروف بہ شاہ کوٹا بابا جیسے قابل احترام بزرگ کی اولاد تھے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اپنی قوم میں ہر و لغز یا اثرا و ربا رسوخ تھے۔ ان کی یہی ہر و لغز بنی اور اثر و رسوخ ان کے ہندوستان آنے کا باعث ہوا جس کی تفصیل تاریخ روہیل کھنڈ میں اس طرح مذکور ہے کہ

”عجب نواب علی محمد خاں جانشین کے سیدوں کی لڑائی سے واپس آئے تو انھوں نے یہ دیکھا کہ اکثر روہیلے پسر بتنی ہو چکے سبب سے میری اطاعت میں در پے کرتے ہیں۔ اپنے شیروں سے مشورہ کیا تو برائے ترا پائی کہ حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں کو روہ۔ سے بلالینا چاہئے انکی فرمانبرداری سے روہیلے کبھی سر نہ پھیرینگے۔ نواب علی محمد خاں نے متوازن خط بھیجا کہ حافظ صاحب کو بلایا۔۔۔“

حافظ صاحب تنہا نہیں آئے بلکہ شیخ کبیر اور گل شیر خاں وغیرہ جیسے مخصوص دوست و جہاں شاہ بھی ان کے ساتھ آئے جب حافظ صاحب آنولہ پہنچے تو نواب علی محمد خاں نے

۱۔ مولفہ نواب نیاز احمد خاں ہوش مطبوعہ لاہور

مع سرداران قوم بیرون شہر آکر ان کے شایان شان پُر تپاک خیر مقدم کیا اور بیک نظر ایک گورہ قابلیت اور جوہر اہلیت کو پہچان کر ان کے لوازم ہماں داری اور مراسم حق گذاری میں نے انتہا انتہام کیا۔ نواب علی محمد خاں نہایت دور اندیش اور مدبر تھے انھوں نے حافظ صاحب کو بلائے تو بلایا لیکن حافظ صاحب کے آجانے پر قدرتی طور پر اُن کو شاہ عالم خاں پدر حافظ صاحب کے قتل کا واقعہ یاد آگیا اور اُن کو یہ خیال گزر کہ ایسا نہ کہ داؤد خاں کا جانشین سمجھ کر حافظ صاحب میرے ساتھ خلوص کا برتاؤ نہ کریں اور جس غرض سے انھیں ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی ہے وہ مطلب ہی فوت ہو جائے اس لئے انھوں نے اس معاملہ کی صفائی کے لئے ایک روز اپنے چند مخصوص اہل دربار مثل ملک شادی خاں۔ صدر خاں اور نجفی سردار خاں کی موجودگی میں حافظ صاحب کو طلب کیا اور بعد اوائے مراسم تعظیم و تکریم فرمایا کہ۔

”داؤد خاں نے آپ کے والد شاہ عالم خاں کو قتل کر دیا ہے میں ہر چند کہ اُس کا صلیبی بٹیا نہیں ہوں تاہم چونکہ اس نے مجھ کو بیٹے کی طرح پرورش کیا ہے اور میں بے فعل اس کے مال و جاندا پر مشغول ہوں لہذا چاہتا ہوں کہ اس کو قیامت کے دن اس فضل شفیق کے مواخذہ سے سبکدوش کروں پس آپ سے درخواست ہے کہ ان تین کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار فرمائیے۔ اول اگر قصاص لینا منظور ہو تو بع
اُیناک من واینک تو واینک شمشیر

دوم اگر غو نہا لینا منظور ہے تو چند ہزار روپیہ کی یہ تھیلیاں حاضر خدمت ہیں قبول کر لیجئے۔

سوم۔ یا اس کا خون معاف کر دیجئے“ ۱۵

حافظ صاحب نے فرمایا کہ۔

”تمھاری داؤد خاں سے کوئی نسبت اور قرابت نہیں ہے لہذا قصاص کیونکر جائز

ہو سکتا ہے غو نہا لینا صاحبان عالی ہمت اور عالی فطرت کے نزدیک بے وقعت

ہے اور خان شہادت نشان کے خون کا مواخذہ تم سے لینا شرعاً و عرفاً کسی طرح جائز نہیں
اگر ہونا تو میں اس شگفتگی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ تم سے ملاقات نہیں کرتا جب جھکو
تحقیق ہو گیا کہ تم اس گناہ میں اور سرشبیخ سے برا اور مترا ہو تب میں ولایت سے
ہندوستان آیا ہوں اور تم سے ملاقات کی ہے۔ اگر تمہارا اطمینان خاطر اس طرح
منصور ہو تو بغیر کسی غرض و مقصود کے محض حسبتہ شد اور تمہاری پاس خاطر خون کو
معاف کرتا ہوں۔“

حافظ صاحب کی اس شریفانہ گفتگو اور اولوالعزمانہ طرز عمل سے نواب علی محمد خان بہت
مسرور و محظوظ ہوئے اور ان کی عزت و توقیر پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے کچھ عرصہ کے بعد حافظ
صاحب نے وطن کو واپسی کی اجازت چاہی نواب علی محمد خاں جن کو حافظ صاحب کی
مفارقت اب کسی طرح گوارا نہ تھی بہ لطائف الجمل ٹالتے رہے۔ لیکن جب ان کا اصرار
بہت زیادہ ہوا تو مجبوراً جلد واپس آنے کا عہد و پیمان لیکر روانگی کی اجازت عطا کی۔ حافظ
صاحب تقریباً تین سال کے قیام کے بعد نواب علی محمد خاں کی ہمانداری اور عمدہ اخلاق کا نش
اپنے دل پر لے کر توشہ مست پور کو واپس گئے اور وہاں جا کر اپنے چچا زاد بھائی ملک شاہی خاں
ابن شہزاد خاں کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور اپنا وقت مشاغل علی اور سیر و تفریح میں گزارنے
لگے۔ جب نواب علی محمد خاں کے متواتر خطوط ان کے پاس پہنچے تو اپنے وعدہ کے مطابق دوبارہ
ہندوستان روانہ ہو کر آٹولہ میں وارد ہوئے۔ اس مرتبہ علی محمد خاں نے ان کی پہلے سے بھی
زیادہ دلجوئی و خاطر داری کی اور کہا کہ وطن کی دوسرے خواتین کی طرح آپ بھی اپنے متعلقین کو
ہندوستان بلا لیجئے اور یہاں منتقل قیام اختیار کیجئے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ۔

”چند لپشت سے ہم نے کسی کی نوکری نہیں کی ہے اور نہ اپنی بیٹیاں اپنی قوم کے علاوہ
کیسے بیاہی ہیں انداز ان باتوں پر ہمیں مجبور نہ کیا جائے اور ہمارے ساتھ ایسا ہی
سلوک کیا جائے جیسا کہ اب ہو رہا ہے تو ہم آپ کے حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں۔“

علی محمد خاں نے جونہایت دور اندیشی اور مردم شناس تھے فرمایا کہ۔
 ”جس طرح آپ کا مزاج چاہئے ہمارے پاس قیام کیجئے۔ ہم کو آپ کی مفارقت کسی
 طرح گوارا نہیں ہے۔“

اس گفتگو کے بعد حافظ صاحب نے اپنے متعلقین کو وطن سے بلالیا اور آنولہ میں قیام
 پذیر ہو گئے۔ علی محمد خاں نے ان کی وجہ کفالت اس طریقہ پر مقرر کی کہ اپنے تمام مقبوضہ دیہات
 میں سے بارہ گاؤں بطور جاگیر ان کو دیدئے۔ اور آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو نیا
 پرگنہ یا تعلقہ فتح ہوگا اُس میں سے دو گاؤں ان کی جاگیر میں اضافہ ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ
 علی محمد خاں کی زندگی بھر یہ طریقہ جاری رہا اور بہت سے پرگنہ دیہات اور تعلقہ جات حافظ
 صاحب کی جاگیر میں آگئے جن کی آمدنی سے وہ اپنے اخراجات چلاتے تھے۔

حافظ رحمت خاں کا نواب علی محمد خاں کی رفاقت میں مستقل قیام روہیلوں کے
 شاندار مستقبل کا پیش خیمہ تھا ان کی موجودگی نے اس بہادر قوم میں زندگی کی ایک نئی روح
 پیدا کر دی۔ حافظ صاحب بلند حوصلہ۔ عالی ظرف اور انہما درجہ کے دلیر ہونے کے علاوہ
 بڑے مدبر بھی تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں انتظام حکومت اور فوجی تنظیم میں ان کی
 حسن تدبیر سے چار چاند لگ گئے اور خوشحالی و فائز البالی قدم چومنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۳۵ء
 تک نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کی سرداری و قیادت میں روہیلوں کی فوج
 بہت زیادہ ہو گئی۔ اور انھوں نے پرگنہ رچھا متعلق تحصیل بیٹری۔ اور بریلی کے قریب
 اُس کی حوالی کے پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے جاگیر داروں کے
 علاقے چھین چھین کر اپنے مقبوضات میں شامل کر لئے۔

(۳) روہیلوں کا حکومت دہلی سے تصادم راجہ ہرنندن سے جنگ

روہیلوں کی ان دست درازیوں کی شکایت جاگیرداران کٹھیر نے قمر الدین خاں وزیر اعظم دہلی کے پاس پہنچائی۔ وزیر الممالک نواب علی محمد خاں کے ہمدرد تھے اس لئے انھوں نے ان شکایات سے چشم پوشی کرنی چاہی لیکن اس سے کچھ کام نہ چلا کیونکہ جاگیرداروں اور عالموں کی متواتر شکایات محمد شاہ بادشاہ تک پہنچ گئیں اور ۱۷۲۷ء میں راجہ ہرنندن کھتری نواب صاحب کی تادیب اور کٹھیر کے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا۔ راجہ ہرنندن پچاس ہزار فوج اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ براہ سنبھل مراد آباد میں داخل ہوا۔ یہ خبر پا کر اول تو نواب علی محمد خاں نے بہت کچھ صلح جوئی کی لیکن اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو لڑائی کے واسطے مستعد ہو گئے۔ بیس ہزار پیادہ و سوار کی جمیعت کے ساتھ آٹولہ سے کوچ کیا اور دریائے ارل کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فوج کے ہراول میں حافظ رحمت خاں ہیمنہ پرد وندے خاں اور بیسرہ پر پائندہ خاں تھے۔ خود نواب صاحب دوسرے سرداران فوج کے ساتھ قلب لشکر میں مقیم ہوئے۔

لڑائی میں حافظ الملک کی دلیری جنگ شروع ہوئی تو حافظ رحمت خاں اپنے چار ہزار مردان دیر کے ساتھ مخالفت کے قلب لشکر میں گھس گئے۔ بہت سے لوگوں کو مقتول و مجروح کر کے راجہ کے ڈیرے تک پہنچ گئے اور اس کے ہاتھی کو گھیر لیا۔ اس حملہ کو روکنے کے لئے راجہ چند ہی قدم بڑھا تھا کہ سینہ پر بان کی ضرب کھا کر مارا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا بیٹا موتی لال جو حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھا قتل ہوا بڑے بڑے سرداروں کے مارے جانے لے مراد آباد گزٹیر

کے بعد راجہ کی تمام فوج بھاگ گئی۔ نواب علی محمد خاں نے راجہ ہرنندن کے خیمہ میں نزول اجلال فرما کر فتح کا شکر ادا کیا۔ اس لڑائی میں اس قدر مال و اسباب ہاتھ لگا کہ اس سے امارت و شوکت کے تمام سامان مہیا ہو گئے۔ اس فتح کے بعد نواب علی محمد خاں نے شاہ آباد مراد آباد سنبھل اور پرگنات توابج بریلی کو اپنے عامل روانہ کئے۔ اور ان مقامات کو اپنے قبضہ و تصرف میں لے لیا۔ راجہ ہرنندن کی لڑائی کے بعد سے روہیلوں کے تمام مقبوضات کا مجموعی نام ٹھہر کی بجائے روہیل کھنڈ پڑ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد وزیر اعظم قمر الدین خاں کی کوشش سے روہیل کھنڈ کی گورنری کا حکم بھی بادشاہ دہلی نے نواب علی محمد خاں کے نام پر جاری کر دیا۔

حافظ الملک کو پہلی بھیت کی جاگیر ملنا اس جانب سے اطمینان کلی ہو جانے اور بریلی وغیرہ کے نظم و نسق سے فارغ ہونے کے بعد نواب علی محمد خاں نے پائندہ خاں کو کافی فوج کے ساتھ دیس پت بنجارے کو پہلی بھیت اور اس کے پرگنات سے نکالنے کے واسطے روانہ کیا۔ دیس پت مغلوب ہوا اور پہلی بھیت کا کل علاقہ اُس بہادری کے صلہ میں جو اُن سے راجہ ہرنندن کی لڑائی میں ظاہر ہوئی تھی حافظ رحمت خاں کو مرحمت کیا گیا۔

(۵) حافظ الملک کے ہاتھ سے کمایوں کی فتح

واقعہ ہرنندن کے بعد ۱۲۴۷ء میں نواب علی محمد خاں نے راجہ کمایوں سے داؤد خاں کے قتل کا انتقام لینے کا ارادہ کیا اور حافظ صاحب سے اس ہم کی سرکردگی کرنے کی خواہش کی جس کی بنا پر حافظ صاحب بہت جلد ایک معقول فوج ترتیب دیکر مع عمدہ رسالہ داروں مثل دو تہے خاں - کرم خاں - پائندہ خاں - بخشی سردار خاں اور فتح خاں غلاماں وغیرہ روانہ ہو گئے۔ اول رو در پور پہنچے اور وہاں راجہ کے لوگوں کو شکست دیکر براکھیرے کا قلعہ لے لیا۔ رو در پور میں اپنے بھائی قائم کر کے وہاں سے بغیر کسی روک ٹوک کے دامان کوہ میں پہنچ گئے۔ کلیان چند راجہ کمایوں نے اس خبر کو سنتے ہی چیدہ چیدہ سپاہ کو حملہ آور فوج کو روکنے کے واسطے دشوار گزار درروں میں متعین کیا افغان لوگ جو کوہستانی لڑائی میں مشاق تھے اس روک ٹوک کو کچھ خیال میں نہ لائے اور اپنے جانناز سرداروں کی قیادت میں دامن کوہ میں گھوڑوں کو چھوڑ کر پاپیادہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ راجہ کی فوج نے روہیلوں پر کئی بار پورش کی لیکن وہ نہایت جوش و خروش سے آگے ہی بڑھتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غنیم کی فوج کو پسا ہو کر بھاگنا پڑا اور پٹھانوں نے ہلہ کر کے الموڑے کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ افغانوں کی دلیری دیکھ کر بہت بدحواس ہوا۔ اور رات کے وقت گڈ حوال کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ علی الصباح حافظ صاحب کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو الموڑہ میں مع فوج کے داخل ہو گئے۔

الموڑہ پر قبضہ [حافظ صاحب نے راجہ کے محل میں قیام فرمایا اور اپنی خداداد فتح کی خوشی میں نماز شکرانہ ادا کی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو الموڑہ میں فاتحانہ حیثیت سے سب سے پہلی مرتبہ حافظ رحمت خاں ہی لائے ورنہ ابتدائے ظہور اسلام سے اس وقت

تک ہندوستان کے کسی بادشاہ اسلام کا وہاں قبضہ نہیں ہوا تھا۔
حافظ صاحب نے ایک قاصد کو تحفہ جاست اور اشیا، نفیسہ کے ساتھ فتح کی خوش خبری
سنانے کے لئے نواب علی محمد خاں کی خدمت میں روانہ کیا نواب صاحب اس مژدہ جانفز کو
سن کر نہایت مسرور ہوئے اور بعد برسات خود بھی الموڑہ کی طرف روانہ ہوئے الموڑہ میں
نزول اجلال فرمانے کے بعد حافظ رحمت خاں اور ان کے ہمراہی رسالداروں کی حسن کارگزاری
پر تحسین و آفرین کی اور علی قدر مراتب خلعت و انعام عطا فرمایا۔ راجہ کلیان چند نے گڑھوال
سے کچھ فوج فراہم کر کے افغانوں سے دوبارہ مقابلہ کرنا چاہا لیکن اس کی فوج بہت جلد
بھاگ گئی۔

راجہ سری نگر سے خرچ وصول کرنا اس کے بعد حافظ صاحب سری نگر کی طرف متوجہ ہوئے
سری نگر کے راجہ سر مور بھٹ کو خبر ہوئی تو اپنے بھائی کو ان کی خدمت میں روانہ کر کے صلح
کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ بطور خرچ وصول کر کے نواب
صاحب کے پاس الموڑہ میں واپس آگئے۔ چار چینی کے بعد حافظ رحمت خاں مع نواب
علی محمد خاں آب و ہوا کی ناسازی کی وجہ سے الموڑہ کو راجہ کلیان چند کے ایک شہر دار
کے سپرد کر کے دارالحکومت آنولہ میں فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے داخل ہوئے۔
نواب علی محمد خاں پہاڑ سے جب واپس ہو رہے تھے تو داؤد خاں کی قبر پر بھی
آئے اور فاتحہ پڑھ کر تین بار بار داؤد بلیڈر کہا کہ

”میں نے راجہ سے تمہارے خون کا بدلہ لے لیا اور اس کے ملک کو اپنے مقبوضات
میں شامل کر لیا“

(۶)

محمد شاہ بادشاہ کا رپیل کھنڈ پر حملہ نواب علی محمد خاں کی نظر بندی اور حافظ الملک کی پامری اور تدبیر

فتح کیا یوں کے ایک ہی سال بعد محمد شاہ بادشاہ دہلی ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کے اغوا سے شیر روہیل کھنڈ کے لئے روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ نواب سعادت خاں برہان الملک بانی ریاست اودھ کے بھانجے اور داماد تھے اور اس وقت اودھ کے والی تھے۔ اودھ میں راجہ نول رائے کو اپنا نائب بنا کر خود دہلی میں مقیم رہتے تھے۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر اعظم کے خلاف ایرانی امراء دربار کے سرغنہ تھے اور ان کو بادشاہ کے مزاج میں بہت رسوخ حاصل تھا۔ صفدر جنگ کو روہیلوں سے کاوش کی وجہ یہ تھی کہ وہ اودھ کے حدود پر روہیل کھنڈ میں ایک طاقت ور حکومت کا قیام خطرات سے خالی نہ سمجھتے تھے اور ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا روہیلے زور پکڑ کر اودھ کو بھی فتح کر لیں لہذا ان کی ترغیب سے ۱۷۵۵ء میں بادشاہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ قمر الدین خاں وزیر اعظم نے روہیلوں کے سر سے اس مصیبت کوٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور بادشاہ نے خود بہ نفس نفیس مع تمام ارکان دولت اور ایک لاکھ پچاس ہزار کے لشکر کے ساتھ روہیل کھنڈ کی طرف کوچ کیا۔ روہیلے ابھی اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے شاہی فوج کی آمد سے مطلع ہو کر قلعہ بن گڑھ عرف یوسف نگر میں جو آٹولہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر وسط جنگل میں واقع تھا پناہ گزین ہو گئے۔

نواب علی محمد خاں کی نظر بندی لیکن وہاں بھی وہ زیادہ عرصہ تک اس میں نہ رہ سکے
اور بن گڑھ کے قریب دریائے سوت کے کنارے ایک مختصر سی لڑائی میں شکست اٹھانے

کے بعد نواب علی محمد خاں اپنے آپ کو مع اپنے دو برٹے لڑکوں عبداللہ خاں و فیض اللہ خاں کے بادشاہ کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئے جن کو بادشاہ وزیراعظم قمرالدین خاں کی نظر بندی میں ہمراہ رکاب لے کر دہلی کو واپس ہو گئے۔

جب تک بادشاہ کاروہیل کھنڈ میں قیام رہا حافظ رحمت خاں نواب علی محمد خاں کے شریک حال رہے۔ جس روز شاہی لشکر نے دہلی کو کوچ کیا تو نواب صاحب سے کچھ مشورہ کر کے علیحدہ ہو گئے اور ان کے تمام اہل و عیال اور مال و متاع کو اپنی حفاظت میں لے کر قلات درگج شجاعت خاں غلزی کے پاس پہنچانے چلے گئے۔

روہیلوں کی شکست اور نواب علی محمد خاں کی نظر بندی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔

نظام حکومت درہم و برہم ہو گیا اور فوج منتشر ہو گئی روہیل کھنڈ میں دربار دہلی سے نئے عامل مقرر ہو کر آ گئے اور بظاہر ایسا نظر آنے لگا کہ روہیلہ حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

حافظ الملک کی پامردی اس نازک موقع پر حافظ رحمت خاں نے جو کام کیا تاریخ روہیل کھنڈ میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔ حافظ صاحب نواب علی محمد خاں کے عیال و اطفال کی حفاظت سے فارغ ہو کر نئے خوف و خطر علانیہ روہیلوں کی از سر نو تنظیم میں مصروف ہو گئے اور نہایت تندہی سے فوج جمع کرنے لگے۔ لیکن اس وقت فوج کا جمع کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ روہیل کھنڈ کے علماء و فضلاء نے یہ فتوے دے دیا تھا کہ جو کوئی بادشاہ اسلام سے مقابلہ کرے گا اُس کو دین و دنیا میں خسارہ اور بدنامی ہوگی۔ اس بات کے مشہور ہونے سے روہیلہ فوج کے ہندوستانی بلکہ وہ روہیلے بھی جو کسی قدر فوجی علم تھے ساتھ دینے کو تیار نہ تھے۔ صرف خاص افغانستان کے پہاڑی باشندے رفاقت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ جب ان لوگوں کی تعداد سات ہزار ہو گئی تو حافظ صاحب روہیل کھنڈ سے روانہ ہوئے۔ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے

لے قلات درگج ضلع ایٹھ میں ہے جہاں قلعہ اور شاہی عمارات کے آثار اب تک موجود ہیں۔

اچانک دہلی پہنچ گئے۔ اور قلعہ محلے کے سامنے اپنی فوج کی صفیں آراستہ کر کے نواب علی محمد خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اس وقت اتفاق سے دارالسلطنت فوج سے خالی تھا۔ اس لئے محمد شاہ کو بجز اس کے چارہ نہ رہا کہ مطالبہ پورا کریں۔ وعدہ رہائی کے ایفا ہونے تک حافظ صاحب نے چار باغ میں اپنے ڈیرے ڈال دیے۔

نواب علی محمد خاں نے جب یہ خبر سنی کہ حافظ صاحب بڑی شان و شوکت اور جمعیت کے ساتھ آئے ہیں بہت خوشی کا اظہار کیا اور اپنے متعلقہ امور کی انجام دہی کی غرض سے انکو وزیراعظم قمر الدین خاں کی خدمت میں بھیجا۔

حافظ الملک کے تدبیر سے نواب علی محمد خاں کی رہائی کچھ دنوں تک حافظ صاحب وزیراعظم کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے رہے اور بالآخر ان کی حُسن تدبیر سے جملہ امور باحسن الوجہ انجام پا گئے۔ نواب علی محمد خاں بادشاہ کے حضور میں طلب کیے گئے اور منصب و خطاب وغیرہ بحال کئے جانے کے بعد سرہند کی صوبہ داری پر سرفراز کئے گئے۔ لیکن عبداللہ خاں و فیض اللہ خاں ان کے لڑکوں کو بطور ریرغال روک لیا گیا۔ بادشاہ نے نواب صاحب کے ساتھ حافظ رحمت خاں اور ان کے ہمراہ آئی ہوئی تمام فوج کو بھی جانے کی اجازت دیدی اور دونوں سردار کمال تنزک و احتشام سرہند میں داخل ہو گئے۔

(۷) سرہند میں حافظ الملک کی جان بازیاب

اس زمانہ میں سرہند کا صوبہ بنے انتہا سرکش تھا اور وہاں جاٹ قوم کے رئیسوں نے اپنی سینہ زوری کا ایسا سکھ بٹھا دیا تھا کہ کوئی امیر اور ہر جانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ لیکن روہیلوں نے وہاں جا کر ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے کہ رستم و اسفندیار کا نام از سر نو زندہ کر دیا۔

والئے رائے پور سے جنگ نواب علی محمد خاں نے سرہند کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بہا نامل والئے رائے پور پر جو سرہند میں سب سے زیادہ سرکش تھا۔ بذات خود چڑھائی کرنا چاہی لیکن حافظ رحمت خاں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اور اس مہم کی سر انجام دہی اپنے ذمہ لے لی اور پٹو خاں اور دونڈے خاں کے رسالوں کو ساتھ لے کر جن میں تین چار ہزار پیادہ و سوار تھے رائے پور کے قریب جا پہنچے۔ ہمارا مل بھی دس بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ حافظ صاحب نے اپنی فوج کے چار حصے کر کے تین حصوں کو حکم دیا کہ قصبہ پرتھن طرف سے حملہ کر دیں اور ایک حصہ خاص اپنے ساتھ لے کر رائے پور کے بڑے دروازے کی طرف حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ حکم دیدیا کہ جس وقت ان کے دستہ فوج میں سے ایک بان آسمان کی طرف پھینکا جائے سب طرف سے یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ جس وقت قرائن سے معلوم ہوا کہ فوج کے تمام دستے اپنی اپنی

لے نواب علی محمد خاں کو سرہند کی صوبہ داری دینے سے بادشاہ کی مصلحت تھی کہ اگر سرکشوں کے ہاتھ سے روہیلوں کی جمعیت پریشان ہوگی تو راجپوت کھڈ کی فتنہ کشی کے لئے دور ہو جائیگی اور اگر انہوں نے سرہندیوں کو مطیع و منقاد بنا لیا تو سرہند کا دغ و غم جانا رہے گا اور روہیلوں سے کسی مناسب موقع پر نیٹ لیا جائیگا۔ ع

چھوٹا بود کہ بر آید بہ یک کرشمہ دو کار (مؤلف)

منزل مقصود پہ پہنچ گئے تو خاص حافظ صاحب کے ماتحت دستہ فوج میں سے ایک ہاں آسمان کی طرف پھینکا گیا اور حسبِ قرار داد فوج کے چاروں ٹکڑوں نے حملہ کر دیا۔ اور بہار امل کی فوج کے سخت مقابلہ کی کچھ پرواہ نہ کر کے افغان قصبہ میں داخل ہو گئے اُس وقت بہار امل قلعہ کے دروازے سے باہر کھڑا ہوا تیر و تفنگ سے جنگ کر رہا تھا۔ جب افغانوں کی لڑائی کی شدت سے پیش نہ لے جاسکا تو اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں محصور ہو گیا لیکن افغانوں نے محصورین کو دروازہ قلعہ کے بند کرنے کی ہمت نہ دی قلعہ کے اندر گھس پڑے اور اس پر قبضہ کر لیا۔

اس فتح کے بعد حافظ صاحب نے بہار امل کی جاگیر اس کے ایک عزیز کے سپرد کر دی اور کثرت مال غنیمت نواب صاحب کے پاس بھیج دیا۔

قصبہ جوت پور کی فتح پندرہ دن کے بعد نواب صاحب کے حکم سے حافظ صاحب قصبہ جوت پور کی تیغیہ گردانہ ہوئے وہاں کا زمیندار نکا جی مل تھا۔ نکا جی مل اپنے ہزار ہا ساتھیوں کے مارے جانے کے بعد مع عیال و اطفال اسیر ہوا۔ اور اس نے سپینٹھ ہزار روپیہ دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی جاگیر بحال کر لی۔ اس جنگ سے بھی حافظ صاحب فارغ ہوئے تو نواب صاحب نے ان کی کمک کے واسطے مزید فوج روانہ کی۔

کوٹ و جگراؤں کی تیغیہ جب حافظ صاحب کی فوج کی تعداد پندرہ ہزار ہو گئی تو وہ رائے کلہا رئیس کوٹ و جگراؤں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ کوٹ کا راجہ کثرت اموال و افواج کے باعث ان اطراف کے زمینداروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس لئے اُس نے فرمان اطاعت کو قبول نہ کیا اور آمادہ جنگ ہو گیا۔ افغانوں نے دو روز تک کوٹ کا محاصرہ کیا اور ان سے قسم قسم کی دیرباں ظاہر ہوئیں۔ تیسرے روز حافظ رحمت خاں خود سوار ہو کر قلعہ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور افغانوں کو حکم دیا کہ ٹیپیا لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں۔ افغانوں نے اس حکم پر عمل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محصورین نے امان

طلب کی اور رائے کھما کا بھائی رائے مکھن قلعہ اور خزانے کی کنجیاں لے کر حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر آیا۔ اس وقت رائے کھما قلعہ سے باہر گرد و نواح کے زمینداروں کو اکٹھا کرنے میں مشغول تھا اس کو جب قلعہ کے اس قدر جلد فتح ہونے کی خبر ہوئی تو وہ بھی صلح پر مجبور ہو گیا اور اس نے علاوہ اس مال غنیمت کے جو افغانوں کو قلعہ سے حاصل ہوا تھا۔ ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ اور چند توپیں حافظ صاحب کی نذر کر کے صلح کر لی رائے کھما کی جاگیر اس پر بحال رہی۔ رائے کھما کی شکست نے جادو کا سا اثر دکھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے سرداروں اور سرکشوں نے بھی نواب علی محمد خاں کی فرماں برداری قبول کر کے زرمال گزاری ادا کرنا شروع کر دیا۔

روہیل کھنڈ پر روہیلوں کا دوبارہ تسلط

نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کو اسی ڈھنگ پر سرہند میں داد شجاعت دیتے ہوئے کئی سال گزر گئے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جبکہ ۱۷۸۷ء میں احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر چڑھائی کی محمد شاہ بادشاہ اور ان کے ارکان دولت کو نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کی طرف سے یہ اندیشہ ہوا کہ میاں دال بسبب ہم قومی یہ لوگ احمد شاہ درانی سے موافقت پیدا کر لیں اس لئے یہ رائے قرار پائی کہ نواب علی محمد خاں کو دوبارہ حکومت روہیل کھنڈ پر سرفراز کر دیا جائے تاکہ وہ سرہند کو جو سرحد افغانستان سے قریب رہے چھوڑ کر روہیل کھنڈ کو روانہ ہو جائیں چنانچہ ایک فرمان متضمن بسند روہیل کھنڈ نواب صاحب کے نام نافذ کیا گیا۔ ہنوز یہ فرمان نواب صاحب کے پاس نہ پہنچا تھا کہ احمد شاہ درانی کا بھی ایک خط اس مضمون کا نواب علی محمد خاں کے نام پہنچا کہ

”اگر تم اس وقت ہماری مدد کرو تو ان شاء اللہ بوقت حصول سلطنت ہند محمد

وزارت تمہارے سپرد کی جائے گی“

اس تحریر کے موصول ہونے پر نواب صاحب اور حافظ رحمت خاں نے آپس میں مشورہ کیا اور چاہا کہ احمد شاہ درانی کے شریک ہو جائیں۔ لیکن وزیر الممالک قمر الدین خاں کے احسانات مانع تھے کہ اسی عرصہ میں فرمان شاہی پہنچا۔ اور وزارت سلطنت دہلی پر حکومت روہیل کھنڈ کو ترجیح دیکر نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں حضور بادشاہی میں دہلی ہوتے ہوئے روہیل کھنڈ کو روانہ ہو گئے اور وہاں کے عاملوں کی تھوڑی سی مزا رحمت کے بعد اپنے ملک پر قبضہ کر لیا۔ جس وقت نواب علی محمد خاں روہیل کھنڈ کے تسلط میں مشغول تھے۔ افواج شاہی بسر کر دگی شاہزادہ احمد شاہ۔ قمر الدین خاں۔ معین الملک

عرف میرمنو و صفدر جنگ و غیرہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ احمد شاہ درانی کے مقابلہ کے لئے سرہند کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اپنے ہمراہ یہ لوگ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران نواب علی محمد خاں کو بھی لیتے گئے احمد شاہ درانی کو شکست ہوئی لیکن اس جنگ میں قمرالدین خاں وزیر اعظم تپ کے ایک گولے سے مارے گئے جس سے فتح کی ساری خوشی گرو ہو گئی۔ قمرالدین خاں کا وجود سلطنت دہلی کے اس دور انحطاط میں غنیمت تھا۔ انکی جو ازمدی اور حسن تدبیر سے سلطنت کی ساکھ قائم تھی۔ جو بعد ان کے نیست و نابود ہو گئی۔ روہیلوں کو بھی ان کی ذات سے بڑی تقویت حاصل تھی اور ان کی پشت پناہی میں وہ ان تمام مصائب سے محفوظ و مامون تھے جن کا انھیں آئندہ مقابلہ کرنا پڑا۔ قمرالدین خاں کے عہد وزارت میں روہیلوں کا مسند اقبال عارضی رکاوٹوں کے باوجود تیز رفتاری میں ہوا سے باتیں کر رہا تھا لیکن ان کے انتقال سے ایک ایسی زبردست ٹھوکر لگی جس سے ان کا وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ اور آئندہ روہیلوں کو ایک ایسے شخص سے واسطہ پڑا جو ان کا قدیمی دشمن تھا اور جس کی زندگی کا مخصوص مشغلہ ہی روہیلوں کی تخریب تھا۔

احمد شاہ درانی شکست کے بعد ولایت کو واپسی کے وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ صفدر جنگ اور شاہزادہ احمد شاہ کی مکرر دلی میں جب سبھی فوج دہلی کو واپس آ رہی تھی تو انشاؤراہ میں محمد شاہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی اور شاہزادہ احمد شاہ کو سرداران فوج نے جانشین کر کے ان کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا نواب علی محمد خاں نے وزیر اعظم قمرالدین خاں کے انتقال اور اپنے بیٹوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو انکے رنج و صدمہ کی کوئی حد و انتہا نہ تھی ساتھ ہی محمد شاہ کے انتقال اور بہادر صفدر جنگ احمد شاہ کی تخت نشینی سے امور ملکی میں جو پیچیدگیاں پیدا ہوئیں ان کا امکان تھا ان کی بھی شدید فکر و انگیزہ ہوئی ان نظراں اور صدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرض استسقا جو نواب صاحب کو پہلے سے تھا اور ترقی کر گیا۔ قوت سامعہ میں خلل آ گیا اور دوسرے قوی بھی بیکار ہونے لگے۔

(۹) حافظ الملک کی مدد صفدر جنگ کی وزارت

اس اثنائ میں ابو المنصور خاں صفدر جنگ نے دہلی پہنچ کر مندرجہ ذیل خط نواب صاحب کو بھیجا۔

صفدر جنگ کا خط دو چونکہ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں محمد شاہ بادشاہ کی وفات سے قبل احمد شاہ درانی کی جنگ میں قتل ہو گئے تھے اور محمد شاہ بھی عالم بقا کو رحلت فرما چکے وزارت کا معاملہ اس وقت تک مہمل اور معطل پڑا ہے بعض ارکان سلطنت متفقہ طور پر چاہتے ہیں کہ قمر الدین خاں مرحوم کے بیٹے انتظام الدولہ خان خاناں کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا جائے اور بعض لوگ یہ تمنا رکھتے ہیں کہ یہ خدمت مجھ سے متعلق ہو جائے اس صورت میں اگر آپ اس وقت آکر میرے رفیق اور شریک ہو جائیں تو جس قدر اعانت و امداد قمر الدین خاں کی طرف سے کی جاتی تھی اس سے دو چندان آپ کے واسطے میری طرف سے عمل میں آویگی۔

اس خط کے موصول ہونے پر نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں میں آپس میں مشورہ ہوا اور یہ رائے قرار پائی کہ چونکہ بادشاہ صفدر جنگ کو چاہتے ہیں اس لئے اگر کسی دوسرے کی مدد کی گئی اور وہ وزیر ہو گیا تو اس کی سازگاری زیادہ عرصہ تک بادشاہ سے نہ رہے گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ صفدر جنگ پھر وزیر بن جائیں گے۔ اور اُس وقت صفدر جنگ کی مخالفت کی تاب لانا بہت دشوار ہو جائے گا۔ لہذا اس وقت کے مصلح ملکی کو پیش نظر رکھ کر یہی طے کیا کہ صفدر جنگ کی امداد کی جائے۔

نواب علی محمد خاں اپنی سخت علالت کے باوجود خود شاہجہان آباد جانا چاہتے تھے لیکن حافظ رحمت خاں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور اس ٹیم کے خود ذمہ دار

بن گئے اور نواب صاحب نے صفدر جنگ کے خط کا مندرجہ ذیل جواب لکھا۔
خط کا جواب ”میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کے حسب الطلب بذات خود آکر شریک اور رفیق بنوں لیکن بیماری کے غلبہ کی وجہ سے نہیں آسکتا ہوں۔“

خان عالی شان سموالکمان برادر صاحب گرامی قدر بہتر از جان حافظ رحمت خاں باد کو جو فی الحقیقت میری بجائے ہیں ایک ہزار سوار جوار کے ہمراہ روانہ خدمت کرتا ہوں جو کچھ رعایت اور مرحمت آپ کی طرف سے ان کے بارے میں ظہور پذیر ہوگی اس کو فی نفسہ اپنے حق میں سمجھوں گا۔ اور جو استحکام اتحاد و یگانگی اور انتظام بناروداد و یکجہتی جس طور سے قائم ہو جائے گا اس سے زندگی بھر سربمجاوز عمل میں نہ آئے گا اس لئے کہ آپ جو کچھ بھی طے فرمادیں گے ہم کو ہر صورت قبول و منظور ہے۔“

حافظ الملک کا ورود دہلی حافظ صاحب بہت کچھ سامان امارت اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک ہزار چیدہ اور کار آزمودہ سواروں کو ہمراہ لے کر دہلی کو روانہ ہوئے اور کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دارالسلطنت میں پہنچے۔ صفدر جنگ نے جو روزانہ ان کا انتظام کرتے تھے اپنے بیٹے شجاع الدولہ اور بیٹے اسحاق خاں کو ان کے استقبال کے لئے بھیجا اور نہایت تعظیم و تکریم سے شیر جنگ کے باغ میں مقیم کیا۔ حافظ صاحب کے لئے اور تمام شکر کے لئے اسباب ضیافت بھیجا۔ دوسری صبح کو حافظ صاحب سے خود ملاقات کی۔ بڑی گرم جوشی سے معاہدہ کیا اور تخلص کر کے ایرانیوں اور تورانیوں کے نزاع کے تمام حالات بیان کر کے اپنے مقصد کو بالتفصیل ظاہر کیا۔ اسی طور پر روزانہ حافظ صاحب کی صفدر جنگ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ چند روز کے بعد صفدر جنگ نے حافظ صاحب کو

طلب کیا اور کہا کہ کل ہم خلعت وزارت حاصل کرنے کے لئے قلعہ محلے میں جائیں گے۔
انتظام الدولہ خانخاناں کے پانچ ہزار توراتی سپاہی ہمارے قلعہ میں داخل ہونے پر مانع
ہوں گے۔ ان کا ارادہ ہے کہ ہم سے پہلے قلعہ میں پہنچ کر جبراً منصب وزارت حاصل
کر لیں۔ آپ طلوع آفتاب سے قبل جنگ کے واسطے تیار ہو کر ہمارے پاس آجائیں
تاکہ آپ کے ہمراہ سوار ہو کر قلعہ کو پہنچ جائیں۔

صفر جنگ کو وزارت دلانا علی الصبح حافظ صاحب اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ مسلح
ہو کر صفر جنگ کے دروازے پر پہنچ گئے صفر جنگ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی فوج
کے ساتھ کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ حافظ صاحب کے پہنچ جانے کے بعد دونوں فوجیں یکجا
ہو کر کمال شوکت و شان قلعہ کو روانہ ہوئیں۔ توراتی لوگ جو پانچ چھ ہزار کی تعداد میں دروازے
پر کھڑے تھے اور اس فکر میں تھے کہ قلعہ کے اندر داخل ہو جائیں اس وقت تک جاوید خاں
قلعہ دار کی ممانعت کے باعث جو صفر جنگ کا طرفدار تھا داخل نہ ہو سکے تھے جب صفر جنگ
کی سواری مع حافظ رحمت خاں قلعہ کے پاس پہنچی تو ہراساں ہو گئے اور مقابلہ کی تاب نہ لا کر
نقش دیوار کی طرح اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور صفر جنگ بنیر کسی روک ٹوک کے
دروازہ قلعہ پر پہنچ گئے۔ جاوید خاں نے نواب قدسیہ بیگم احمد شاہ کی والدہ کے حکم سے
قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور صفر جنگ معدودے چند اہل خدمت کے ہمراہ قلعہ میں داخل
ہوئے۔ حافظ رحمت خاں اپنی تمام فوج کے ساتھ توراتیوں کے مقابلہ پر قلعہ کے باہر
کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفر جنگ وزارت ہندوستان کا خلعت پہن کر
قلعہ سے باہر آئے اور اسی ہیئت مجموعی کے ساتھ اپنے مکان کو واپس گئے۔

خطاب نواب مکرم الدولہ حافظ الملک بہادر نصیر جنگ کا ملنا
تیسرے روز حافظ رحمت خاں کو صفر جنگ احمد شاہ
بادشاہ کے حضور میں لے گئے اور بادشاہ نے

ان کو خلعت گراں بہا۔ نوبت و علم اور خطاب مکرم الدولہ حافظ الملک بہادر نصیر جنگ

عطا فرمایا۔

جس وقت ہر دوسرا ران باوقار قلعہ سے واپس ہوئے تو ایک مرصع ہاتھی پر سوار تھے اور نواب صفدر جنگ حافظ الملک کی امداد کا شکریہ ادا کرتے جاتے تھے کہ مجھ کو خلعت وزارت من بعد فضل خدا صرف آپ کی یہاں کی موجودگی کی وجہ سے ملا۔ ورنہ توراتی نہ معلوم کس قدر فتنہ و فساد برپا کرتے۔ مشہور ہے کہ اس موقع پر ایک دوسرے نے آپس میں رشتہ اخوت کو بڑھانے کے لئے دستار بھی بدلی۔ چنانچہ اسی وجہ سے شجاع الدولہ حافظ الملک کو اپنے خطوط میں عموی صاحب لکھا کرتے تھے۔

روہیل کھنڈ کو واپسی ہنوز حافظ الملک دہلی میں تھے کہ نواب علی محمد خاں کا ایک خط ملا جس میں یہ لکھا تھا کہ میں قریب المرگ ہوں آپ فوراً آؤ نہ تشریف لائیے۔ حافظ الملک نے یہ خط صفدر جنگ کو دکھایا اور رخصت حاصل کر کے داخل روہیل کھنڈ ہوئے اور تمام حال من عن نواب صاحب کو سنا یا۔ نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور حافظ الملک کی حسن کارگزاری پر تحسین و آفرین کی۔

(۱۰)

حافظ الملک علی محمد خاں کے بعد

نواب علی محمد خاں کی علالت و وفات

جس وقت حافظ الملک نے نواب علی محمد خاں سے ملاقات کی تو اس وقت مرض استسقاء نے ان پر پورا پورا غلبہ کر لیا تھا اور زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہو چکی تھیں تمام بدن گھل گیا تھا اور ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو اپنی زندگی ہی میں تمام انتظامات ملکی سے فراغت حاصل کر لی اور دو روز بعد یعنی ۳۰ مارچ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۴-۱۵ ستمبر ۱۸۴۶ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کا عزم فرمایا اور دار الحکومت آؤلہ ہی میں دفن ہوئے۔ نور شاہ مرقدہ۔ چند سال کے بعد حافظ الملک نے وہاں ایک عمدہ مقبرہ بنوایا جو اب تک موجود ہے۔ انتقال کے وقت چوبیس سال کی عمر تھی۔ چودہ سال کی عمر میں سند نشین ہوئے اور تیس سال تک حکومت کی۔ نواب علی محمد خاں مردِ وجیبہ، عقیل، سخا اور شجاع تھے۔ ریاست سیاست کے ساتھ اور حکومت شریعت کے طریق پر کرتے تھے۔ عالی ہِم اور صاحب الرائے تھے اور نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ حنفی المذہب اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ عالی حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ بقول مولف عماد السعادت۔

”نواب علی محمد خاں کا یہ ارادہ تھا کہ جب محدث شاہ کا انتقال ہو جائے تو دہلی پہنچ کر تختِ سلطنت پر بیٹھ جاؤں مگر جس وقت بادشاہ نے وفات پائی تو وہ خود صاحبِ فراش ہو رہے تھے۔ حافظ رحمت خاں نے ایک پرچہ کاغذ پر بادشاہ کی وفات کا حال لکھ کر ان کو دکھایا تو آسمان کی طرف دیکھا مقصود یہ تھا کہ اگر میں تندرست ہوتا تو کمرِ ہمت باندھتا اب کیا کر سکتا ہوں۔“

دردِ دل ہی ہندِ آشتی ایرانِ زخمِ نوراں کشم ۛ چوں مرگ آمد ناگماں ایراں کجا نوراں کجا

گر سہائے نے بھی تاریخِ اودھر میں کھا ہے کہ۔

”نواب علی محمد خاں تخت نشینی دہلی کا ارادہ رکھتے تھے لیکن موت نے فرصت

نہ دی“

وفات کا مادہ تاریخ۔ ہے ہے افغان۔ ہے

۱۱۶۲ھ

نواب علی محمد خاں کا
حافظ الملک کو اپنا
جانشین نامزد کرنا
نواب علی محمد خاں کے مرض الموت نے جب نازک صورت اختیار کر لی تھی تو انھوں نے اپنے انتقال سے دو روز قبل دوسرے انتظامات ملکی کے ساتھ ساتھ اپنی جانشینی کا مسئلہ بھی اپنی زندگی ہی میں طے کر دیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے حافظ رحمت خاں۔ دوندے خاں۔ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں بخاشاں۔ عبدالستار خاں۔ راجہ کنور سین بخشی دوم۔ سید احمد شاہ۔ سید معصوم شاہ۔ شیخ محمد کبیر اور بڑو خاں وغیرہ اپنے ارکانِ دولت کو جمع کر کے فرمایا کہ۔

”میں اپنی حالتِ دگرگوں پاتا ہوں لہذا یہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو جس میں سردار ہوئے کی لیاقت ہو اپنی زندگی میں اپنی جگہ مقرر کر دوں تاکہ تم لوگوں کے معاملات میں خلل واقع نہ ہو اور ملک و مال کے امن اور رفاهیت خلق کا سبب ہو۔ اس وجہ سے کہ خدا کی مخلوق خدا کی ایک ودیعت ہیں اور چونکہ رہگذرِ وجود میں جب تک کہ کوئی حاکم مستقل نہ ہو قوم میں بہت سے فتنے پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ اور ملک میں بڑا خلل ظاہر ہوتا ہے ایک گروہ جو کسی کو اپنا سردار مان کر اس کا مطیع فرمان ہو جاتا ہے۔ وہ خواری اور ذلت نہیں دیکھتا اور جو لوگ کہ امر حکومت کو چند لوگوں کے سپرد کیا کرتے ہیں اپنی جمعیت کی بنیاد میں خلل اور زلزل ڈال دیتے ہیں جیسا کہ ملکِ العلام کے اس کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ لَوْ كَانَ فِيمَا أَلْفَتْهُ اللَّهُ لَهْزَأَتْ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَهُمْ آيَاتُهُ فَتَكُونَ أَفْوَاجًا“

واحد کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ضرور خدا پیدا ہوتا، پس جس کسی کو میں تم پر سردار



مقرر کروں تم کو چاہئے کہ کیا رسالہ دار اور کیا کارپرداز اور کیا سپاہی غرض چھوٹے اور بڑے وضع و شریف خورد و بزرگ ہر امر میں یعنی اموری مالی و ملکی اور معاملات عزل و نصب میں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور اس کی اطاعت فرماں برداری پر مکمل مضبوط باندھیں تاکہ اس حسن معاش کی برکت سے اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور ہو کر خوش حال و فارغ البال رہیں۔

نواب صاحب کی اس تقریر پر حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ جب عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں آپ کے بڑے اور منجھلے صاحبزادے اتفاق تقدیر سے احمد شاہ کی قید میں قندھار ہیں۔ تو سعد اللہ خاں کو جو اگرچہ عمر میں ابھی سن تیز کو نہیں پہنچے ہیں نواب بنا دیا جائے۔ تمام افسر اور سردار ان کی تمہیل حکم میں کوئی تفصیل اور ان کی فرماں برداری میں کوئی عذر نہ کریں گے۔ اس مشورہ پر نواب صاحب نے اظہار عتاب کیا اور فرمایا کہ۔
”اگر عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں ہوتے تو بھی معاملہ ریاست ان سے متعلق نہ کیا جاتا کیونکہ اس امر کی لیاقت ان میں نہیں ہے۔ کجا سعد اللہ خاں کہ اس کو ابھی نیک و بد کی بھی تمیز نہیں ہے۔ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔

بجز دواں مفرماے کار در شست * کہ سندان نہ شاید نکستن بر شست

رعیت نوازی و سرشکری * نہ کاریست باز پچہ و سرسری

حکومت ایک نہایت مشکل کام ہے اور صرف اس شخص کے واسطے مناسب ہوتا ہے جو جامع جمیع صفات حسنہ اور جمیع کمالات کاملہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف حافظ رحمت خاں کے وجود باوجود اور ان کی ذات بابرکات میں موجود و مستور ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے حقوق خداوندی ہم پر اور ہمارے ولی نعمت داؤد خاں پر

واجب اور محقق ہیں کیونکہ داؤد خاں ان کے والد کا خانہ زاد اور اس خاندان عالی شان کی دولت کا پروردہ تھا۔ یہ امر کہ میں چند روز بطریق مستعار کا فرمائے امور امارت رہا متغضنائے زمانہ سے تھا یا ان کی رضا مندی سے اب وقت آگیا کہ حق حق دار کو سپرد کردوں تاکہ کافر نعمتوں کے زمرہ میں محضور اور خالق کائنات کے حضور میں شرمندہ نہ ہوں۔“

یہ کمکر اپنی پگڑی حافظ الملک کے سر پر رکھ دی اور تمام سرداروں اور کارپردازوں کو انکی اطاعت و فرماں برداری کے متعلق وصیت کی۔

حافظ الملک کا ایثار۔ سعد اللہ خاں لیکن اس موقع پر حافظ الملک نے بھی بے مثل ایثار کا کو اپنی جانب سے نواب بنانا نبوت دیا جوں ہی ان کے سر پر پگڑی رکھی گئی فوراً اُسے آثار کر سعد اللہ خاں کے سر پر رکھ دیا۔ اور نواب علی محمد خاں سے فرمایا کہ۔

”جب اس امر بزرگ کو آپ نے میرے حوالے کیا تو میں اس لڑکے کو سرداری کے واسطے تجویز کرتا ہوں اور اس کو نواب بناتا ہوں۔ نیک و بد امور سے ہر دو میں خود اس کا مدد و معاون رہوں گا۔“

بعض مورخین کی غلط بیانی حافظ صاحب نے مرتے دم تک اپنے وعدہ کا جس طرح ایفا کیا واقعات آئندہ سے ظاہر ہو گا۔ لیکن چائشینی کے اس عہدیم النظیر واقعہ کو بعض مورخین نے انتہائی رنگ آمیزی کے ساتھ لکھا ہے۔ اس امر کی محمد سلیمان خاں مولف تاریخ سلیمانی نے بھی شریک کی ہے کہ۔

”ایک آدمہ مورخ نے ازراہ غلط فہمی یا بطور خوشامدیوں بھی تحریر کیا ہے کہ نواب علی محمد خاں کا منشاء خاطر اس وقت بباطن یہ تھا کہ اگر حافظ الملک بہادر میری ہمسار

اپنے سر پر ہتھیں دیں اور ریاست قبول کر لیں تو چند اشخاص پوشیدہ طور پر ایسے لگا رکھے تھے کہ حافظِ رحمت خاں بہادر کو اسی وقت قتل کر ڈالیں۔
مولوی نجم الغنی خاں رامپوری نے واقعات کی صورتِ نسخ کرنے میں ایک اور ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ تاریخِ اودھ حصہ دوم میں لکھتے ہیں۔

”حافظِ رحمت خاں ابتدائی عمر میں خوردہ فروشی کرتے پھرتے تھے نواب علی محمد خاں نے ان کو بل کر امیر کہہ بنا دیا یہاں تک کہ ماہی مراتب ان کے ساتھ چلنے لگا جس کا عوض حافظ صاحب نے یہ دیا کہ نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد سرداروں سے سازش کر کے روہیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا اور اپنے ولی نعمت زادوں کو محروم کر دیا۔“

یہی مصنف اخبار الصنادید میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”نواب سید علی محمد خاں بڑے دورانِ دلش تھے۔ برسوں کی بات اور کوسوں کی مسافت کو سامنے دیکھتے تھے۔ حافظِ رحمت خاں کی صفائیِ طبیعت کے امتحان کے لئے..... انہوں نے اپنی پگڑی حافظِ رحمت خاں کے سر پر رکھ دی حافظ صاحب روٹے لگے وغیرہ وغیرہ۔“

نواب علی محمد خاں اور حافظِ رحمت خاں کے آپس کے مخلصانہ اور جہاں نثارانہ تعلقات کو جن کا تفصیل کے ساتھ ذکر آچکا ہے پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے مورخین کی تحریریں جو کا قلم آزاد نہ ہو اور جن کو خود غرضی نے بے باک و گستاخ بنا دیا ہو قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتیں۔ نواب علی محمد خاں کی زندگی کے کسی واقع سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ منافق تھے یا اُن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ تھا۔ اسی طرح حافظ الملک جیسے صاحبِ فتوت و مروت شخص کا مدتِ امر کا سرفروشانہ اور وفادارانہ طرزِ عمل ہرگز اس امر کا مقتضی نہ تھا کہ نواب علی محمد خاں کسی معقول وجہ کے بغیر خواہ مخواہ اُن پر نئے اعتمادی کرتے اس لئے دونوں سرداروں سے جو بایں منسوب کی

گئی ہیں ہرگز تو بن قیاس نہیں ہو سکتیں۔

حافظ الملک کی اہلیت کار حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی۔ اٹھارہ سال تک سلسلِ نواب علی محمد خاں مرحوم کی رفاقت میں حکومت روہیل کھنڈ کے قیام و استحکام کے لئے ان کی جانفشانیوں، شیرانہ حملوں، رستمانہ کارناموں اور بے خطا تدبیروں کا ملک کے طول و عرض میں غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ ہر شخص اُن کے اثر و اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا تھا۔ اور علما انہیں کور وہیل کھنڈ کا حکمراں تصور کرتا تھا کیونکہ سعد اللہ خاں جن کو حافظ الملک نے اپنی بجائے نواب تسلیم کیا تھا۔ صرف آٹھ سال کے تھے اور بسبب صغر سنی نیک و بد کا کچھ تمیز نہ رکھتے تھے۔ اس وقت ملک میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہو رہے تھے اور اس پر آشوب زمانے میں جبکہ تمام ہندوستان ایک نازک و دور سے گزر رہا تھا۔ روہیلوں جیسی نئی ابھری ہوئی قوم کو جس کا وجود ہر وقت خطر ان سے دوچار تھا رہنمائی کے لئے حافظ رحمت خاں جیسے باکمال، سرفروش اور جانباز سردار ہی کی ضرورت بھی تھی۔ چنانچہ حافظ الملک عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی انتظامِ مملکت اور فلاحِ قوم کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کے حسن انتظام سے جمہورِ نامِ سپاہ اور رعایا رضامند ہو کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری پر فخر کرتے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی خوشحالی اور مخلوق کی غارتگی البالی روز افزوں تر ہوتی گئی۔

صفدر جنگ کی احسان فراموشی لیکن اس حال کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ابوالمنصور خاں صفدر نے دوبارہ روہیلوں کی تحریک پر بکر باندھی۔ اور اُن مواعید کو جو حافظ الملک سے سلطنت ہند کی وزارت کے وقت کئے تھے یکسر فراموش کر دیا۔ روہیل کھنڈ کو تسخیر کر کے اودھ میں شامل کرنے کی خواہش اُن کے دل میں از سر نو پیدا ہوئی اور اس بنابر روہیل کھنڈ کی سند قطب الدین خاں نبیرہ عظمت اللہ خاں سابق گورنر مراد آباد کے نام دربارِ شاہی

قطب الدین خاں کا حملہ قطب الدین خاں روہیل کھنڈ کی سند وصول ہونے کے بعد چار پانچ سو سوار و پیادوں کا ایک ہجوم اکٹھا کر کے عازم روہیل کھنڈ ہوا۔ حافظ الملک نے اس خبر کو سن کر اسے نامہ و پیام کے ذریعہ اس قصد سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن اس نے نہ مانا اور جنگ پر مستعد ہو گیا۔ مجبوراً حافظ الملک نے دوندے خاں سے یہ منصوبہ شاہ - عبدالستار خاں - اور نجیب خاں کو کچھ فوج کے ہمراہ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مراد آباد کے قریب رام گنگا کے کنارے لڑائی ہوئی اور قطب الدین خاں مع بہت سے ہمراہیوں کے دلیرانہ جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔

(۱۱)

نواب قائم خان بنگش سے جنگ اور شہرِ پٹیوں ویرہ کی فتح

صفدر جنگ کی افغانوں میں ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کی قطب الدین خاں کے ذریعہ
نفاق انگیزی مقصد بر آری نہ ہوئی تو انھوں نے خود افغانوں میں پھوٹ
ڈالنے کی ایک کامیاب تدبیر نکالی اور نواب قائم خاں ابن نواب محمد خاں بنگش والے
فرخ آباد کو جو شمالی ہند میں باعتبار دولت و شہرت بہت ممتاز تھے۔ اپنا آلہ کار بنایا اور
قطب الدین خاں کے بعد مملکت روہیل کھنڈ کی سند دربار شاہی سے انکے نام جاری کرادی
تاکہ ان کی فتح اور شکست دونوں حالتوں میں پٹھانوں کا ایک بازو ضرور ٹوٹ جائے۔
نواب قائم خاں ایک نا تجربہ کار نوجوان تھے۔ اس لئے انھوں نے محمود خاں آفریدی اپنے
مہتمم اور مختار کے بہکانے سے سند روہیل کھنڈ کو قبول کر لیا اور محمود خاں کے بھائی معظم خاں کو
حافظ الملک کے پاس روانہ کر کے یہ کہلا بھیجا۔

”ہم نہیں چاہتے ہیں کہ افغانوں کا خون ہمارے ہاتھ سے بے مناسب بہے۔“

کہ سند بادشاہی کو ملاحظہ کر کے آپ ملک کٹھیر کو واپس کر دیں۔“

حافظ الملک نے نواب قائم خاں کے سفیر کو جواب دیا کہ

”ہم نے اس ملک کو اپنے قوت بازو سے راجپوتوں اور سرکش زمینداروں سے

جو کسی کے مطیع نہ تھے حاصل کیا ہے۔ بادشاہ کا عطیہ نہیں ہے۔ جب تک

جان میں جان باقی ہے ہرگز اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ نواب

قائم خاں کو چاہیے کہ وہ اس ارادے سے باز آئیں اور صفدر جنگ کی چال میں آئیں

جو اپنے نفع کے لئے افغانوں کو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں ہیں۔“

معظم خاں سفیر قائم خاں فرخ آباد کو واپس گیا اور چونکہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی اس لئے ہردو جانب سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

۱۳۔ نومبر ۱۸۷۹ء کو قائم خاں پچاس ہزار فوج اور چار سو بڑی توپوں کو جو ہاتھیوں پر سی ہوئی تھیں ساتھ بیکربڑے سازو سامان اور کروفرس فوج روپیل کھنڈر کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ حافظ المکک بھی تقریباً پچیس ہزار فوج کے ساتھ مدافعت جنگ کے لئے عازم ہدایوں ہوئے جہاں نواب قائم خاں کا لشکر پرگنہ اوسہت وغیرہ کی راہ کاٹ کر رام گنگا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

حافظ المکک کی مصالحت کوشی باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حافظ المکک نے سید احمد شاہ کی سفارت مناسب خیال کیا کہ اتمام حجت کے طور پر نواب قائم خاں سے ایک مرتبہ اور صلح کی سلسلہ جنمائی کر لیں چنانچہ سید احمد شاہ المشہور بہ شاہ جی بابا والد سید معصوم شاہ کو قائم خاں کے پاس مع دو اور علمائے باطن کے روانہ کیا تاکہ سمجھا بھجا کر جنگ سے باز رکھیں۔ شاہ جی میاں قائم خاں اور محمود خاں کے ڈیروں میں تشریف لے گئے اور قصد جنگ کو ترک کرنے کی نصیحت کی مگر کچھ مؤثر نہ ہوئی بلکہ محمود خاں نے اہانت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔

دوئم سید ہو پیر زادے ہوتم کو معاملات دنیا کا حال کیا معلوم تم کیوں اس قسم کے کامیوں میں ہاتھ ڈالتے ہو؟

سید صاحب نے جواب دیا کہ۔

۱۵۔ ہینگڑا ایٹردی روہیلہ وار میں قائم خاں کے حملے کا سال ۱۲۸۵ھ مرقوم ہے۔

۱۶۔ روہیل کھنڈر گزٹیر اور گل رحمت۔

”مگر خدا اور رسول کے نزدیک بہت ناپ دیدہ ہے اور ضرور مقرر ہوئے ہیں“
اس قسم کے سوال و جواب کے بعد پیر صاحب صلح سے ناامید ہو کر حافظ الملک کے پاس واپس
تشریف لائے اور تمام گفتگو کا اعادہ کر کے فرمایا کہ۔

”آپ کو پوری خاطر جمعی کے ساتھ جنگ کرنی چاہئے انشاء اللہ فتح اور فیروزى نصیب
ہوگی کیونکہ جب میں مخالفوں کے پاس سے رخصت ہوا تو میں نے قائم خاں۔ محمود خاں
اور دیگر حاضرین مجلس کے جموں پر رہنمائی کی تھی“

سفارت سید احمد شاہ کے متعلق سید احمد شاہ کی مندرجہ بالا روایت و سفارت کو مولوی نجم الغنی
مورخین کی کذب بیانی نے بحوالہ تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آرون صاحب اس طرح بیان
کیا ہے کہ۔

”درویشیہ حملہ کی صورت دیکھ کر خوف زدہ ہوئے اور اس بلا کو ٹالنے کے لئے انھوں نے
ایک عرض داشت نواب علی محمد خاں کی بیوہ کی جانب سے تیار کی اور اس کو
شاہ جی بابا کے ہاتھ فرخ آباد کو روانہ کیا۔ سادات اور قرآن مجید کو بھی ان کے
ہمراہ کیا اس عرض داشت کا مضمون یہ تھا کہ جب اس یتیم (یعنی سعد اللہ خاں)
کے والد نے قضا کی تباہی بجز خدا کے اور تمھاری ذات کے ان کو کسی پر بھروسہ نہ تھا
اگر تمھاری ہی منشاء ملک چھین لینے کی ہے تو خیر ایسا ہی سہی۔ شجاعت خاں۔
شمشیر خاں اور خان بہادر خاں کو یہاں بھیجو ہم سب ان کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے
..... جب سید لوگ نواب قائم خاں کے رو برو حاضر ہوئے تو انھوں نے نواب
سعد اللہ خاں کی ماں کی چادر نواب کے قدموں پر ڈال دی اور قرآن شریف اٹھایا
اور اس طرح سے نواب سے شکم ہوئے۔“

اُسے قوم افغان کے سردار اس کلام مجید کے واسطے سے اس فقیر بچارے کی عرض قبول فرما کر اور اس چادر کے مالک کی عاجزی اور نیکی پر لحاظ کر کے اس قوم پر رحم کر اور غریب نلے پار و مددگار بچوں کے خون سے درگزر.....“

اس روایت میں روہیلوں کے خوف و ہراس - والدہ نواب سعد اللہ خاں کی بچا رگی و بے کسی اور شاہ جی بابا کی رقت آور تقریر ایک من گڑھت قصہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ بعد انتقال نواب علی محمد خاں اسی ہزار پیادہ اور تین ہزار سوار مجموع ایک لاکھ فوج مرتب تھی اور تین کروڑ روپیہ نقد خزانہ میں جمع تھا۔ ان حالات میں یہ کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب کے انتقال کے چند ہی ماہ بعد ایک لاکھ فوج اور تین کروڑ روپیہ کی موجودگی میں روہیلے قائم خاں کے خوف سے لرزہ بر اندام تھے علاوہ انہیں حافظ رحمت خاں - دوندے خاں - بخشی سردار خاں وغیرہ جیسے بہادری میں شہرہ آفاق سردار اور رسالہ دار بھی نواب علی محمد خاں کی بیوہ اور ان کے بچوں کی سرپرستی کے لئے موجود تھے اس لئے مذکورہ بالا رکیک اور ذلیل قسم کی الحاح و زاری قطعی نے بنیاد روایت معلوم ہوتی ہے صرف شاہ جی بابا کی سفارت کا اُس شان سے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے قائم خاں کے پاس جانا صحیح واقعہ ہے اور بس۔

معرکہ جنگ الغرض سفارت سید احمد شاہ کی ناکامی کے دوسرے روز قائم خاں اور محمود خاں لوازم رزم و پیکا میں مشغول ہو گئے اور اپنے توپ خانے اور فوج کو لے کر بقصد جنگ سوار ہوئے۔ اپنا بیمنہ - پیسرہ - مقدمہ اور ساقہ بخریہ دار سرداروں کے سپرد کیا اور بند و فچیوں کے دستہ کو فوراً حملہ کر دینے کے لئے آگے بڑھایا۔ حافظ الملک نے یہ خبر سن کر نواب سعد اللہ خاں کو ہاتھی پر سوار کیا اور سید حسن شاہ بن علی شاہ کو جو کہ اہل باطن میں سے تھے اور مردمانہ تھے ان کے خواصی میں بٹھایا۔ بعد ازاں اپنی جمعیت کے ساتھ میدان جنگ کو روانہ ہو گئے۔ سید احمد شاہ

عبدالستار خاں اور فتح خاں کو مقدمہ پر۔ دوندے خاں کو میمنہ پر اور بخشی سردار خاں کو میسرہ پر متعین کیا۔ نواب سعد اللہ خاں کو دوسرے رسالداروں کے ساتھ بخیال حفاظت عقب میں رکھا اور خود ایک فوج کثیر کے ساتھ قلب لشکر میں قیام کیا۔ شہر بدایوں سے ڈاکوؤں کے فاصلے پر موضع دوزری رسول پور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اول قائم خاں کی جانب سے توپ خانہ نے حملہ کیا۔ کثرت گولہ باری کے سبب روپیل کھنڈ کی ہر اول فوج میں سے اکثر کے قدم اکھڑ گئے اور بہت سے فرار ہو کر قلب کی بڑی جمعیت کے ساتھ شامل ہو گئے جس سے قائم خاں کی فوج زیادہ دلیہ ہو گئی اور اس نے دوندے خاں کی فوج پر حملہ کر کے بہت نقصان پہنچایا۔ یہ خبر سن کر حافظ الملک دوندے خاں کی مدد کو پہنچے۔ اور نہایت سخت جنگ کی یہاں تک کہ دوندے خاں کی فوج کو کسی قدر ہلاکت ملی۔ اسی اثناء میں بخشی سردار خاں تین ہزار پیادہ برق اندازوں کی فوج کے ساتھ دوندے خاں کی امداد کے لئے دوڑے لیکن دشمن کی شدت جنگ کے باعث دوندے خاں تک نہ پہنچ سکے۔ اور میدان جنگ سے قریب ایک باجرہ کے کھیت میں دشمن کی گھات میں منتظر بیٹھ گئے۔ قائم خاں نے روہیلوں کا پلہ مڑوہ دیکھ کر بہت سے سواران خوش اسپ اور ڈھائی سو نامور سردارانِ فیل سوار کو بکثرت توپوں کے ساتھ سعد اللہ خاں کی فوج پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور تھوڑی ہی مار پیٹ کے بعد افغانوں کی اس جمعیت کو جو نواب سعد اللہ خاں کے گرد و پیش ان کی حفاظت کے لئے حافظ الملک نے متعین کی تھی تباہ کرنے کی کوشش کی۔ حتی الامکان افغان لوگ انتہائی مدافعت اور جنگ کرتے رہے لیکن غنیم کی کثرت اور اپنے لوگوں کی کمی کی وجہ سے مقتول و مجروح ہو کر بہت سوں کا قدم لغزش کھا گیا۔ یہاں تک کہ سعد اللہ خاں کے پاس صرف تھوڑے سے آدمی رہ گئے۔ اور دشمن ان کے ہاتھی کے قریب پہنچ گئے۔

سید حسن شاہ کی مردانگی اس موقع پر ایک گولی نواب سعد اللہ خاں کی گردن کے قریب سے نکل گئی۔ قائم خاں کا ایک سردار ہاتھ میں گزرتے ہوئے تھا اس نے چاہا کہ گزر کی ضرب سعد اللہ خاں کے سر پر مارے۔ مگر معظم خاں آفریدی چلا اٹھا کہ بھائی ان کو زندہ گرفتار کر لو اور اسی وقت اپنا ہاتھی سعد اللہ خاں کے ہاتھی کے برابر لاکر اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر سعد اللہ خاں کی گردن میں ڈال کر چاہا کہ اپنی طرف کھینچ لے لیکن سید حسن شاہ نے اس پٹکے کو اپنی تلوار سے کاٹ دیا۔ اسی طرح معظم خاں آفریدی نے تین مرتبہ اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر ڈالا۔ مگر سید حسن شاہ نے ہر مرتبہ اس کو کاٹ دیا۔ آخر کار سید حسن شاہ معظم خاں کے ہاتھ سے تلوار کے دو زخم کھا کر مدافعت سے عاجز ہو گئے۔ ایک روہیلہ ہاتھ میں بندوق لئے ان کے ہاتھی کے پاس متحیر کھڑا ہوا اس دارو گیر کو دیکھ رہا تھا۔ سید حسن شاہ نے اس کو غصہ سے ڈانٹ کر کہا۔

’بزن این راز تفنگ‘

سید صاحب کی آواز سن کر اس بندوقچی کے حواس پر الگندہ مجتمع ہو گئے۔ اور اس نے بندوق کا فیر کیا جس کی گولی معظم خاں کے سینہ میں داخل ہو کر پشت سے نکل گئی۔ اور سعد اللہ خاں نے اس بلائے ناگمانی سے نجات پائی۔ اس وقت عام جنگ کی یہ حالت تھی کہ کسی وقت فیل سواران فرخ آباد ہجوم کر کے افغانان روہیل کھنڈ کی جمعیت کو منتشر کر دیتے تھے اور کبھی روہیل کھنڈی حافظ الملک کی پشت پناہی میں دشمنوں کو پسپا کر دیتے تھے۔

نواب قائم خاں کا مارا جانا اسی کشمکش میں حسب اتفاق قائم خاں اور ان کے تمام خاص اور روہیلوں کی فسخ سرداروں کا گزر اس باجرے کے کھیت کی طرف ہوا۔ جس میں

بخشی سردار خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بچھے ہوئے تھے۔ بخشی جی کے ہمراہیوں نے ایک دم گولیاں سہ کر دیں اور تمام گولیاں ہاتھی نشینوں کے سرو سینوں پر پڑیں۔ یہ لوگ مع نواب قائم خاں دو سو سے زیادہ تھے سب کے سب گر گئے۔ نواب قائم خاں کے دوسرے ہمراہی جو ان کی تلاش میں پھر رہے تھے ان کے ہاتھی کا حوضہ خالی دیکھ کر بدحواس ہو گئے

اور تمام فرخ آبادی اہل فوج یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ روہیلے اس نسخہ خدا داد کے ظاہر ہونے سے مغرورین کے مال و اسباب لوٹنے پر متوجہ ہوئے اور ان کا تعاقب کر کے بے شمار گھوڑے اور بکنٹ ہاتھی پکڑ لائے۔ زین خاں اور شاہان خاں روہیلوں نے قائم خاں کے ہاتھی پر چڑھ کر ان کی لاش اُتار لی سرکاٹ کر ایک جگہ دفن کر دیا اور ہاتھوں اور گلے وغیرہ کے تمام جواہرات چھپا لئے۔ چنانچہ جب لاش نے سر میدان سے اٹھا کر حافظ الملک کے حضور میں لائی گئی تو سر حاضر کئے جلنے کی منادی کی گئی۔ بعد تلاش بسیار زین خاں و شاہان خاں نے جواہرات کی معافی کا حکم حاصل کر کے قائم خاں کے سر کو حاضر کیا۔

حافظ الملک کی مفتوحین کے ساتھ رعایت والدہ قائم خاں کے نام در دستِ اند خط مستند ملازمین کے ساتھ فرخ آباد کو روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی ایک خط بھی قائم خاں کی والدہ کے نام لکھا جس کا حسب ذیل مضمون تھا۔

”وآپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہ تھا اور ہم ہرگز جنگ کے لیے تیار نہ تھے۔ علما اور سادات کو بھی قائم خاں کے پاس بھیجا تھا کہ ہند و نصالح کے ذریعہ صلح کی راہ راست پر لے آئیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے اَلْهَدَىٰ حَيْرٌ اور دونوں فریق کی خیر و عنایت بھی اس میں متصور تھی۔ لیکن قائم خاں نے اپنے معاملات نیک و بد کا کلی اختیار فتنہ شرت محمود علی خاں آفریدی کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور صلح و جنگ کا معاملہ اس خانہ برانداز کے سپرد کر دیا تھا۔ اس نے اُن لوازم جنگ پر نظر ڈال کر جو ہم سے زیادہ تھے اور فوج کی تعداد کثیر کو دیکھ کر جو ہمارے یہاں سے دو چند تھی نہایت نادانی سے اس امر کو نظر انداز کر دیا۔ ”وَمَا اَنْتُمْ اِلَّا مِنَ عِندِ اللّٰهِ“ اور اپنے اعتقاد باطل سے اسباب ظاہری پر نظر کر کے ہر چند کہ علما و سادات نے صلح و معاملت کے واسطے منت کی وہ اپنی جنگ جوئی اور بد خوئی سے زیادہ دیر ہو نا گیا۔ یہاں تک کہ قائم خاں اور

ان کے تمام سردارانِ افغان کو ننگ ہلاکت پر لٹا دیا۔
 پوچھو یہ شودر مرد راز و زگار، چہمہ آں کند کشِ نیا بد بکار
 فضلے اتنی سے کوئی چارہ اور منف نہیں ہے۔ آں عفت آب و عصمت نقاب
 ربیعنی بی بی صاحبہ (کو لازم ہے کہ دلچسپی تمام کے ساتھ فرخ آباد میں مقیم رہیں اور
 ہماری طرف سے کوئی وسوسہ اور دغہ نہ کریں اس واسطے کہ ہم کو غورتوں کے
 مال و منال اور سبب و اشتیاء سے مطلق سرکار نہیں ہے بلکہ گنگا کے اُس پار کا تمام
 ملک اُن عقیفہ (بی بی صاحبہ) کے مضارف و اخراجات کے واسطے واگذاشت
 کرتے ہیں۔

بدایوں۔ ہر آباد۔ اُسہت اور پریم نگر کا	اور شہر بدایوں پر گنہ اُسہت و عواد آباد اور پریم نگر
روہیل کھنڈ میں شامل ہونا	کہ دریائے گنگا کے اس طرف ہمارے ملک

کی سرحد پر واقع ہیں اپنے ملک خاصہ میں شامل کرتے ہیں ہم کو نہر امر میں اپنا مد
 و معاون جانکر اپنے حالات تحریر کیجئے۔

مذکورہ بالا خط اور قائم خاں کی نقش کو فرخ آباد روانہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے اپنے
 عامل بدایوں۔ ہر آباد۔ اُسہت۔ پریم نگر وغیرہ علاقہ مفتوحہ میں بھیج دیئے اور فتح کے ساتھیوں کو
 بڑے کروفر کے ساتھ مع نواب سعد اللہ خاں میدان جنگ سے واپس ہو کر آنولہ میں داخل
 ہوئے۔ اس جنگ کی کامیابی سے حافظ الملک اور روہیلوں کی اقبال مندی کی دور دورہ شہرت
 ہو گئی اور سیاسیات ہند میں ان کے وجود کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔

پرگناتِ اس کوہ کی فتح

حافظ الملک آؤلہ میں چند روز قیام کے بعد پہلی بھیت تشریف لے گئے اور وہاں سے شیخ کبیر کو جو کہ صاحبِ باطن ہونے کے علاوہ ایک امیرِ باندہ پر تھے دامنِ کوہ کی تسخیر کے واسطے روانہ کیا۔

پرگنہ سنبھ کی فتح شیخ کبیر نے ضروری فوج اپنے ہمراہ لے کر اول پرگنہ سنبھ پر حملہ کیا وہاں کے زمیندار تھوڑی سی جنگ کے بعد کچھ مقتول ہوئے اور کچھ نے مجروح ہو کر راہِ قرار اختیار کی اور ان کا سردار مقید ہو گیا۔ شیخ کبیر نے پرگنہ سنبھ کی فتح کی خوش خبری حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کی تو انھوں نے حکم بھیجا کہ کھیرا گڑھ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ حسبِ الحکم شیخ کبیر نے کھیرا گڑھ کی جانب کوچ کیا۔ چار روز بعد حافظ الملک بھی پہلی بھیت سے سنبھ تشریف لے گئے اور اس جگہ کے زمینداروں کو اپنی طرف سے ان کی خدمات پر بحال کر کے سرفرازی بخشی اور چند روز وہاں کے انتظام اور کھیرا گڑھ کی فتح کے انتظار میں اس جگہ قیام کیا۔

کھیرا گڑھ کی فتح کھیرا گڑھ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی کا پہنچنا دشواری سے خالی نہ تھا۔ اس کے مغرب میں دریائے ساردا واقع تھا جس کو اوودھ میں گھاگرا کہتے ہیں۔ اس دریا کو پانی کی تیز رفتاری کے سبب سے پایاب عبور کرنا بہت مشکل تھا اور اس کے دونوں جانب خطرناک اور دشوار گزار جنگل واقع تھا۔ سخت مشکلات و تکالیف کے بعد شیخ کبیر نے جنگل کا راستہ طے کیا اور دریائے ساردا کے کنارے پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس گہرے اور تیز رفتار دریا میں ایک جگہ قابلِ عبور دریافت ہو گئی چنانچہ بہادرانِ فوج ہاتھیوں پر سوار ہو کر دریا کو عبور کرنے لگے عبور کرنے وقت دریا کے دوسری طرف کے دھقان مانع ہوئے اور نیز و بندوق سے حملہ کرنے لگے لیکن افغانوں نے ان کے حملہ کا کچھ خیال نہ کیا اور دریا سے گزر کر دھقانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ دھقان

لوگ منتشر ہو گئے اور کھیرا گڑھ پہنچا افغانی فوج کے دریا عبور کرنے کی خبر کو مشہر کر دیا۔ وہاں کے زمیندار دس ہزار سواروں کی جمیعت اکٹھا کر کے جنگ کے واسطے آمادہ ہوئے۔ شیخ کبیر نے اپنی ہمراہی فوج کو دریا عبور کر کے کھیرا گڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر قیام کیا۔ اور علی الصبح بارادہ جنگ سوار ہو کر کھیرا گڑھ کے محاصرے میں مصروف ہو گئے۔ زمینداروں نے تھوڑی بہت مدافعت نہ جنگ کی لیکن زیادہ عرصہ تک ثابت قدم نہ رہ سکے۔ شیخ کبیر کھیرا گڑھ میں داخل ہوئے اور فردین کے مال و اسباب پر قبضہ کر کے عام رعایا کی دہلچوی میں مشغول ہو گئے اس فسخ کی خوش خبری حافظ علی کو ملی تو انھوں نے حکم بھیجا کہ رعایا کو ان کے گھروں میں آباد کرو اور اپنے ایک معتمد شخص کو وہاں کا نظم و نسق سپرد کر کے بھرتا پور کو روانہ ہو جاؤ۔

قلعہ بھرتا پور پر قبضہ یہ مقام کھیرا گڑھ سے دس کوس کے فاصلہ پر جانبِ غرب واقع ہے اس کے مشرق میں دریائے کوٹریالہ اور کرناں بہتے ہیں اور ہر دو جانب نہایت گنجان جنگل واقع ہے شیخ کبیر نے بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ دشوار گزار راستوں کو طے کیا اور دریائے کرناں تک پہنچ گئے دریا عبور کرتے وقت اس طرف کے راجپوتوں سے جنگ واقع ہوئی۔ راجپوت شکست فاش کھانے کے بعد بھاگ کر قلعہ بھرتا پور میں داخل ہو گئے۔ شیخ کبیر نے تعاقب کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آہستہ آہستہ مورچہ کو آگے بڑھاتے رہے جب قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ تو محافظ قلعہ دو سو سپاہیوں کو قلعہ میں چھوڑ کر رات کے وقت خود قلعہ سے باہر نکل گیا۔ شیخ کبیر نے قلعہ پر حملہ کیا۔ افغان سپاہی متواتر حملوں کے بعد ہر طرف سے قلعہ پر چڑھ گئے اور ان محصورین کو جنھوں نے مقابلہ کیا قتل کر دیا۔

بجولیا۔ ورمپور اور بھرتا پور کی فتح کے بعد شیخ کبیر حسبِ احکامِ حافظ الملک۔ بجولیا۔ ورمپور سنگلیا کی طرف متوجہ ہوئے اور بغیر کسی روک ٹوک کے ان مقامات پر قبضہ کر لیا۔

گرد و پیش کے اکثر زمیندار جو افغانوں کے حملوں کے خوف سے بھاگ گئے تھے ان کو شیخ کبیر نے تشغی و دلجوئی کر کے آباد کر دیا اور ان سے بہت سارے پیہ بطور خراج وصول کر کے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس کام سے فراغت حاصل کر کے شیخ کبیر نے سببہ کو مراجعت فرمائی اور حافظ الملک کی جانب سے اپنی کار گزاروں کے صلے میں بے شمار غنایات کے مورد ہوئے چند روز کے بعد کھیرا گڑھ کے بخاریوں کا سردار جو کہ نصف پرگنوں کا مالک تھا اور دوسرے نصف پر راجپوت قابض تھے خود بخود حافظ الملک کی خدمت میں حاضر آیا اور اس نے کھیرا گڑھ کے انتظام اور خلعت وغیرہ سے سرفرازی پائی۔

ملہوارہ۔ اور پلھیالی کی تیخیر اس شیخ کبیر تازہ فوج کے ساتھ ملہوارہ اور پلھیالی پر گناہ دامن کوہ کی تیخیر کے لئے روانہ ہوئے اور ملہوارہ پر جبراً قبضہ کر کے پلھیالی کو بھی لے لیا۔ پلھیالی راجہ ڈوٹی کے قبضہ میں تھا اس نے جب اس واقعہ کی خبر سنی تو اپنے سفیر حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کئے ان لوگوں نے بہت بڑی رقم بطور پیشکش پیش کر کے اور یہ وعدہ کر کے کہ سال بہ سال خراج ادا ہوتا رہے گا حافظ الملک کی جانب سے پلھیالی کو راجہ کے حق میں واکذاشت کر لیا۔ اس طرح تمام مقامات دامن کوہ کو صرف چار مہینے میں فتح کر کے حافظ الملک مع شیخ کبیر معاودت فرمائے پہلی بھیت ہوئے۔

(۱۳)

صفر جنگ کے ہاتھوں خاندانِ سنگیش کی تباہی۔ احمد خاں کا عروج اور حافظ الملک کی مدد

انہیں پیام میں نواب قائم خاں والی فرخ آباد کے مقتول ہونے کی خبر صفر جنگ کو پہنچی تو وہ نہایت خوش ہوئے۔ خوب ہنسے اور کلمات ہزل آمیز زبان پر لائے۔ اور ہر قسم کی مروت کو بالائے طاق رکھ کر یہ ارادہ کر لیا کہ ریاست فرخ آباد کو جو ادھ سے بالکل ملحق تھی اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دہلی سے کوچ کر کے عازم فرخ آباد ہوئے اور قائم خاں کی والدہ کو لکھا کہ مجھ کو اپنے بھائی قائم خاں کے مقتول ہونے کا بہت رنج ہوا۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرا دامن ہاتھ کٹ گیا انتشار اللہ العزیز روہیلوں کا ہندوستان میں بیج نہیں چھوڑوں گا۔ لہذا جس طرح ہو سکے اپنے آپ کو ایک دو روز کے لیے میرے پاس پہنچائیے تاکہ آپ سے کچھ باتیں کر سکوں قائم خاں کی والدہ اس محبت آمیز پیام سے دھوکے میں آ گئیں اور سات قوی ہیکل غلاموں کو اپنے ہمراہ لے کر صفر جنگ کے پاس داوری اور امداد کی امید پر تشریف لے گئیں۔

والدہ قائم خاں کی گرفتاری صفر جنگ نے پہلی ہی ملاقات میں بی بی صاحبہ کو مفید کر کے فرخ آباد پر صفر جنگ کا قبضہ لکھنؤ بھیج دیا اور ان کے ہمراہیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کرا دیا۔ صفر جنگ خود فرخ آباد میں داخل ہوئے اور بی بی صاحبہ کے عزیز واقارب کو قتل کر کے لے تاریخ فرخ آباد مولفہ آرون صاحبہ۔

ان کے تمام نقد و جنس پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے معتد دیوانِ نول رائے کو جو اودھ میں بطور نائب کے حکومت کرتا تھا۔ فرخ آباد کا بھی حاکم مقرر کر دیا۔ اس انتظام کے بعد صفدر جنگ دہلی لوٹ گئے اور نول رائے شدید جبر و ظلم کے ساتھ فرخ آبادیوں سے کثیر روپیہ جمع کر کے اودھ کو واپس گیا۔ جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آرہے تھے قائم خاں کے ایک بھائی احمد خاں نامی دہلی میں مقیم تھے۔ احمد خاں کے قائم خاں سے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ اس لئے دہلی میں صفدر جنگ کے ساتھ رہتے تھے۔ اپنے خاندان کی تباہی اور اپنی والدہ کی گرفتاری کی خبر پا کر بتیاب ہو گئے اور غصہ طور پر دہلی سے نکل کر فرخ آباد میں پہنچ گئے۔ چونکہ ان دنوں میں انھوں کا عوام الناس پر کچھ اثر نہ تھا اس لئے صفدر جنگ نے بھی ان کے چلے جانے کی کوئی پروا نہ کی اور شامت اعمال سے۔

دشمنِ ننواں حقیر و بیچارہ شمر د

کے اصول کو فراموش کر دیا۔ احمد خاں فرخ آباد پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ نول رائے کے عاملوں کے خوف سے فرخ آباد کی محالوں پر سخت دہشت و ہراس طاری ہے ان حالات میں جب مقصد براری کی کوئی امید نہ دیکھی تو روسا رسوا کے پاس جا کر اپنا وقت گزارنے لگے۔ ایک عورت کی طعن و تشنیع نے لیکن جب قدرت کو کسی سے کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے تو اس احمد خاں کو مرد بنا دیا کے ویسے ہی اسباب فراہم ہو جاتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے احمد خاں کے ارادوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ عماد السعادت میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ۔

”میں ایک غریب عورت بازاری میں سوت بیچنے آیا کرتی تھی۔ ایک روز نول رائے کے ایک ہندو ملازم نے اس کا سوت خریدنا قیمت دے کر چلا گیا۔ ایک مہینے کے بعد وہ ہندو دوبارہ بازار میں آیا عورت سے کہنے لگا کہ اپنا سوت لے لے اور قیمت واپس کر دے۔ عورت نے کہا کہ میرے پاس اب قیمت کہاں سے آئی۔ میں تو خود کاشتکار

کو محتاج ہوں اسی سوت کو بچکر بیکل بسر اوقات کرتی ہوں۔ علاوہ اس کے تمام دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص آج ایک چیز خریدے تو ایک مہینہ کے بعد اس کی قیمت واپس نہیں ہوتی ہے۔ ہندو اس جواب سے مار سے خضہ کے آپسے سے ہار ہو گیا اور عورت کو گالیاں دینے لگا۔ عورت نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر اس ہندو نے پیر سے جو نہ نکال کر کئی ہاتھ عورت کے سر پہ مار دئے۔ عورت مذکور اپنے سر و سینہ کو پٹیتی ہوئی احمد خاں کے پاس آئی اور کہا کہ محمد خاں کو اگر خدا تیری بجائے لڑکی دیتا تو خوب ہونٹا اور لعنت ہے اس بگڑی پر جو تو باندھے بیٹھا ہے مجھ فلاں آفریدی کی بیوی کو ایک معمولی ہندو سپاہی نے گالیاں دی ہیں اور سر کو جوتوں سے ٹوڑا ہو؟

احمد خاں نے شرم سے اپنا سر جھک لیا دو روز تک نہ کچھ کھا یا نہ پیا اور ہر روز رات کو روتے روتے صبح کر دیتے تھے تیسرے دن یہ واقعہ رستم خاں آفریدی کو از اول تا آخر سنا یا۔ رستم خاں نے کہا کہ اگر آپ ارادہ کریں تو بندہ دل و جان سے حاضر ہے اور کثیر روپیہ فراہمی فوج کی جن سے احمد خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ احمد خاں رستم خاں کی اس ہمدردی سے بہت خوش ہوئے اور آئندہ بغیر ایک منٹ ضائع کئے ہوئے پوری تندہی کے ساتھ اپنی فوت کو بڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

ایک ہندو ملازم کی وفاداری سے والدہ	ادھر بی بی صاحبہ کے ابام اسیری میں ان کے
احمد خاں کی رہائی	ایک وفادار ہندو ملازم نے جس کا نام تھا رائے

تھا۔ دیوان نول رائے کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس پر اپنا پورا اعتبار قائم کر لیا۔ ایک روز جبکہ دیوان مذکور شراب کے نشہ میں ہوش و حواس کھوئے ہوئے بیٹھا تھا۔ صاحب رائے اس سے بی بی صاحبہ کے فرخ آباد جانیکا اجازت نامہ لکھوا کر محافطوں کے پاس بھجوا دیا اور ساتھ ہی بی بی صاحبہ کو بھی کھلا بھیجا کہ فوراً سوار ہو کر روانہ ہو جائیں۔ بی بی صاحبہ اسی وقت ایک تیز رفتور سوار ہو کر صبح تک منہ بچ گئیں۔ صبح کو جب نول رائے ہوشیار ہوا تو اپنی

غفلت پر نا دم ہوا۔ اور صفدر جنگ کو اس امر کی اطلاع کی صفدر جنگ نے حکم دیا کہ فوراً منو جا کر بی بی صاحبہ۔ احمد خاں بنگش اور ان کے دوسرے لواحقین کو مقید کر کے اودھ لے آوے۔

صفدر جنگ کے نائب نول رائے کی بموجب حکم نول رائے کثیر التعداد سپاہ کے ساتھ منو احمد خاں سے جنگ

کو روانہ ہوا۔ اور وہاں کے رئیسوں کو کہلا بھیجا کہ بی بی صاحبہ اور احمد خاں کو اس کے حوالے کر دیں۔ منو کے رئیسوں نے بی بی صاحبہ کو نول رائے کے حوالے کر دینا غیرتِ افغانی سے بعید جانا اور کم دیا کہ جب تک جان میں جان باقی ہے ان لوگوں کو ہرگز تیرے سپرد نہ کریں گے اور احمد خاں کو اپنا سردار بنا کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت احمد خاں نے رستم خاں کو عمدہ بخشی گری پر سرفراز کیا اور بمشکل دس بارہ ہزار پیادہ و سوار افغانوں کی جمعیت فراہم کر کے منو سے چھ سات کو س آگے بڑھ کر اس راستہ پر جہاں سے نول رائے کی فوج گزرنے والی تھی قیام کیا۔ جس وقت نول رائے کی چالیس ہزار فوج اور ایک بھاری توپ خانہ احمد خاں کے کیمپ کے قریب آ گیا اور دوسرے روز صبح کو جنگ ہونے والی تھی تو احمد خاں نے رستم خاں اور منو کے دوسرے رئیسوں کو جمع کر کے یہ حکم دیا کہ کل صبح اس سے قبل کہ نول رائے اپنی صفوں کو سیدھا کرے ہمیں اپنی پوری جمعیت کے ساتھ رات کے تین بجے غنیمت پر شجون مارنا چاہئے تاکہ نول رائے کو اپنی فوج اور توپ خانے کو ترتیب دینے کا موقع نہ مل سکے۔

نول رائے کا مقتول ہونا اپنے سردار کے اس حکم کی سب سے تعریف کی اور دوسرے روز احمد خاں کا فرنچ آباد پقبضہ طلوع آفتاب سے بہت قبل افغانوں نے نول رائے کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ نول رائے اس وقت اپنے پوجا پاٹ میں مصروف تھا۔ افغانوں کے حملہ کی خبر سننے کے باوصف تذبذب نہ ہوا۔ اور کمال غور یہ خیال کیا کہ افغان بھاگ رہے ہیں۔ اُس کی اس خبر پر وائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغان بغیر کسی روک ٹوک کے اُس کے لشکر میں گھس آئے اور اپنے دشمنوں کو قتل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جب نول رائے کے لشکر میں سخت شور و غوغا بلند ہوا تو اس وقت

نول رائے ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے ڈیرے سے روانہ ہوا۔ تھوڑی راہ طے کرنے پایا تھا کہ افغان اس سے بھڑکے اور مردانہ وار اس پر جھپٹ پڑے۔ اس کی سواری کے ہاتھی کو اپنے درمیان میں لے لیا اور تھوڑی دیر میں ہاتھی کے حوضہ کو اپنے سروں پر اٹھا کر نول رائے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ سردار کے مارے جانے سے لشکر کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ اور تمام پیادہ و سوار نے تماشاً فرار ہو گئے۔ نول رائے کی شکست احمد خاں کی ایسی زبردست کامیابی تھی جس کا کسی کو خیال و گمان بھی نہ تھا۔ اس لڑائی سے احمد خاں کو نول رائے کا تمام مال و سبب سامان جنگ توپ خانہ۔ بے شمار ہاتھی اور گھوڑے ہاتھ لگے جن سے ان کا جملہ سامان امارت ہتیا ہو گیا۔ اور ان کے لشکر کے مفلس لوگ نہایت متول اور آسودہ حال بن گئے۔ اس فتح کے حاصل ہونے کے بعد احمد خاں کا مرانی و مشادمانی کے ساتھ فرخ آباد میں داخل ہوئے اور فوج کو فراہم کرنے نیز اپنے ملک موروثی کو اپنے قبضہ میں لانے کی فکر میں مشغول ہو گئے۔

صفدر جنگ کی فرخ آباد پر صفدر جنگ کو نول رائے کی شکست اور اس کے مقتول ہونے دوبارہ فوج کشی کی خبر ہوئی تو نہایت غضب ناک ہوئے۔ اور احمد خاں سے انتقام لینے کے لئے ۲۳ جولائی سنہ ۱۱۷۷ کو انتہی ہزار فوج کے ہمراہ فرخ آباد کی دوبارہ فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کے ہمراہ نامور امرا و شاہی مثل نجم الدولہ اسحاق خاں۔ ایک بہت بڑا توپ خانہ اور سورج مل جاٹ والے بھرت پور تیس ہزار فوج کے ساتھ تھے۔ احمد خاں نے بھی اس خبر کو سنکر مقابلے کے لئے اپنی فوج بڑھانا شروع کی۔

نواب احمد خاں کا حافظ الملک سے طالب امداد ہونا

اس وقت احمد خاں کی والدہ بی بی صاحبہ کو حافظ الملک کا وہ وعدہ امداد و اعانت یاد آیا جو قائم خاں کے انتقال کے بعد کیا گیا تھا۔ چنانچہ سو کے رئیسوں کے مشورہ سے ایک معتمد کو سیف بنابر حافظ الملک کے پاس روانہ کیا۔ اور مدد کی درخواست کی۔ حافظ الملک نے بی بی صاحبہ کی مطلوبی پر رحم کر کے اور قوم افغان کے ننگ و ناموس کا خیال کر کے پرمول خاں۔ دور خاں اور دوسرے جمہداروں

چیدہ سپاہ کے ساتھ نواب احمد خاں کی کمک کو روانہ کیا۔ اور اپنے جیمے بھی بریلی سے باہر فرخ آباد کی طرف قائم کرنے کا حکم دیا۔ اور صفدر جنگ کے فرخ آباد پہنچنے کی خبر متحقق ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ صفدر جنگ کو جب خبر ملی کہ روہیل کھنڈ سے مدد آ رہی ہے تو بے سرعت تمام شب و روز کوچ کرنے ہوئے فرخ آباد کے قریب پہنچ گئے۔ احمد خاں نے جنگ میں دیر کرنا مناسب نہ سمجھی اور مع فوج شہر سے باہر نکل کر صفدر جنگ کی فوج سے چند کوس کے فاصلے پر قیام کیا دوسرے روز تقریباً بیس ہزار سپاہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ نواب احمد خاں اور آگے بڑھ کر حریف کے مقابل آئزے دوسری صبح کو صفدر جنگ لڑائی کے ارادے سے بمقام چٹوئی متصل سہا و رصف آرا ہوئے۔ لشکر ہراول کو اسحاق خاں کے سپرد کیا۔ اور توپ خانہ کا ایک بہت بڑا حصہ سورج مل کو دیکر آگے بڑھایا۔ احمد خاں نے اپنی فوج کے دو غول بنائے۔ ایک غول کو رستم خاں بخشی کی ماتحتی میں سورج مل جاٹ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور دوسرے غول کو جس میں مہو اور فرخ آباد کے اکثر رئیس تھے اور روہیل کھنڈ کی امدادی فوج تھی جو دور و ز پہلے آگئی تھی قلب سپاہ میں خود اپنے ساتھ لے کر صفدر جنگ کے مقابلہ کے لئے جم گئے۔

روہیلوں کی امداد سے نواب احمد خاں کی فوج کی فوج کے ساتھ سورج مل کے توپ خانہ پر حملہ کیا اور بہت کچھ دلیرانہ کارناموں کے بعد عین موقع جنگ پر مقتول ہو گیا۔ رستم خاں کے مقتول ہونے سے اس کی ماتحت فوج بھی سپاہ ہو گئی۔ جب ہر کاروں نے اس حادثہ کی خبر احمد خاں کو پہنچائی تو انھوں نے نہایت استقلال اور حاضر دماغی سے کام لیا۔ اپنی فوج سے لٹکا کر کہا کہ اے بہادر و رستم خاں نے اپنے حریف سورج مل کو شکست دیدی لیکن تم ابھی تک اپنے حریف کو مقابلہ سے نہیں ہٹا سکے ہو۔ یہ بات تمھاری غیرت افغانی سے بہت بعید ہے۔ یہ کم کرنی الفور اپنی پاکلی کو توپ خانہ کے مقابل کر کے آگے روانہ ہوئے۔ احمد خاں کے الفاظ سن کر تمام فوج میں جوش پیدا ہو گیا اور اس نے ہلہ کر کے

اسحاق خاں کے ہراول فوج کو گرد برد کر دیا۔ اسحاق خاں بھی مقتول ہوا اور اس کے توپ خانہ پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا۔

صفر جنگ کی شکست فاش
اور مجروح ہونا

اسی حملہ میں بندوق کی ایک گولی صفر جنگ کی گردن پر لگی جس کے صدمہ سے وہ بیہوش ہو گئے اور ہاتھی کے حوضہ میں گر گئے۔ صفر جنگ کے ساتھی انھیں حوضہ میں نہ دیکھ کر ان کے مقتول ہونے کا قیاس کر کے نئے تھا بھاگ پڑے۔ اغلب تھا کہ اس موقع پر صفر جنگ کا ہاتھی گرفتار ہو جانا۔ لیکن جنگ نرائن خیل بان نے بڑی پامردی کا ثبوت دیا اور ہاتھی کو اس ہنگامے سے نکال کر دہلی کی راہ لی۔ صفر جنگ کے اس طرح چلے جانے کے بعد سورج مل نے بھی جو رستم خاں پر غالب آ گیا تھا بدحواس ہو کر راہ گریز اختیار کی۔ اس غیر متوقع اور خدا داد فتح کے صورت پذیر ہونے پر احمد خاں نے میدان جنگ میں فتح کے شادیاں بچائے۔ اور بے شمار مال غنیمت لیکر بڑی دھوم دھام کے ساتھ فرخ آباد کو واپس آئے۔ احمد خاں نے حافظ الملک کے بیٹھے ہوئے جمہداروں کو جنھوں نے اس معرکہ میں بہت سعی و کوشش کی تھی۔ فیل واسپ اور نقد و جنس مرحمت فرما کر رخصت کیا اور شکر گزاری کا ایک خط حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اب میرا ارادہ اودھ جانے کا ہے اگر آپ اپنی فوج کو خیر آباد تاک جو آپ کے ملک کی سرحد پر روانہ فرمائیں تو میں مناسب ہو گا۔ یہ خط حافظ الملک کو ملا تو انھوں نے اس کی تعمیل میں شیخ کبیر اور ہراول خاں کی ماتحتی میں کافی فوج شاہ آباد اور خیر آباد کو روانہ کی اور ان مقامات پر اپنا قبضہ کر لیا۔ احمد خاں کچھ دنوں فرخ آباد میں قیام کرنے کے بعد پہلے الہ آباد کے تخریر کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے جہاں ان کے بہت سے عزیز قید تھے۔ اور اپنے لڑکے محمود خاں کو اودھ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جس نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا۔ اور خود احمد خاں قلعہ الہ آباد کا محاصرہ کر کے اسکو فتح کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ خبر سن کر صفر جنگ نے دہلی سے الہ آباد کے قلعہ دار کو لکھا کہ احمد خاں کے تمام رشتہ داروں اور غلاموں کو جو قلعہ میں مقید ہیں قتل کر دے۔ قلعہ دار نے حسب احکم

ان سب نے گناہوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔ اس واقعہ سے احمد خاں کو قلعہ الہ آباد کی تیج کی اور بھی کاوش بڑھ گئی لیکن چونکہ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے فتح نہ ہو سکا۔ اور محاصرے کی مدت نے بہت طویل کھینچا۔ اس عرصہ میں صفدر جنگ کا زخم بھر گیا اور انھوں نے چاہا کہ احمد شاہ بادشاہ دہلی کو ہمراہ لیکر احمد خاں سے انتقام لیں۔ لیکن بادشاہ کے انکار کے باعث یہ امر صورت پذیر نہ ہوا۔ تب صفدر جنگ نے اپنے وکیل جگل کشور کو ملہار راؤ ہلکر اور پابیندھیا سردار ان مرہٹہ کے پاس بھیجا اور زر کثیر دینا قبول کر کے ان کو اپنی مدد کے واسطے طلب کیا۔ ہلکر اور پابیندھیا عند الطلب نے شمار فوج لیکر صفدر جنگ سے اتحاد عمل کرنے کو روانہ ہو گئے اور بس عت تمام شہ ۵۶ میں اٹاواہ میں داخل ہو گئے اس وقت اٹاواہ میں عظیم خاں برادر احمد خاں اور شاہ دل خاں غلزنئی حاکم تھے جو مرہٹوں سے مقابلہ نہ کر سکے اور فرخ آباد روانہ ہو گئے۔ احمد خاں نے اٹاواہ پر مرہٹوں کے غلبہ کی خبر سنی تو قلعہ الہ آباد کے محاصرہ سے دست بردار ہو کر فرخ آباد کو واپس آ گئے۔ اپنے لڑکے محمود خاں کو بھی لکھنؤ سے طلب کر لیا اور دونوں باپ بیٹے مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سالانہ جنگ کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔

(۱۴)

حافظ الملک کی ٹڈبھیڑ مرصٹوں سے اور ملک میں بددہی

صفدر جنگ کو مرصٹوں کے اٹاؤ پر قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو خود بھی بڑے بڑے امرائے
دربار اور شاہی توپ خانہ کے ساتھ فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔

صفدر جنگ اور مرہٹوں کا
فرخ آباد چرسلہ

احمد خاں نے جب سنا کہ صفدر جنگ اور مرہٹے دو لاکھ فوج اور ایک
ہزار توپوں کے ساتھ آرہے ہیں تو فرخ آباد میں اپنا قیام مناسب نہ جانا
اور روہیل کھنڈ کو اپنی جائے پناہ خیال کر کے سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ اس وقت حافظ الملک
بریلی میں اور نواب سعد اللہ خاں آٹولہ میں قیام فرماتھے۔ جب مرہٹہ فوج کی فرخ آباد پر حملہ کی
خبر مشہور ہوئی تو نواب علی محمد خاں کا ایک چیلہ جس کا نام بہادر خاں تھا بغیر مشورہ حافظ الملک
سعد اللہ خاں کو ہمراہ لے کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ آٹولہ سے نکل کر نواب احمد خاں کی مدد کے لئے
فرخ آباد کو روانہ ہو گیا۔ اس واقع سے مطلع ہو کر حافظ الملک آٹولہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں
دو دن سے خاں اور بخشی سردار خاں وغیرہ سرداروں کو جمع کر کے مرہٹوں اور صفدر جنگ سے صلح
یا لڑائی کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ اس عرصہ میں نواب سعد اللہ خاں یلغار کر کے موقع جنگ پر
پہنچ گئے۔ اور مرہٹہ فوج سے جو سترہ راہ تھی جنگ کی۔ لیکن شکست ہوئی اور بہادر خاں چیلے کے
مقتول ہوئے اور فوج ہمراہی کے مجروح ہونے پر معرکہ جنگ سے واپس ہو کر آٹولہ آ پہنچے۔

نواب احمد خاں کا حافظ الملک کے
پاس پناہ لینا

چار روز کے بعد احمد خاں بھی بی بی صاحبہ اور دوسرے متعلقین
کے ساتھ آٹولہ آ گئے۔ صفدر جنگ فرخ آباد میں داخل ہوئے

اور وہاں سے روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کے قصد سے لنگا کے کنارے اپنے خیمے کھڑے کرنے کا حکم دیدیا۔ جب آنولہ میں اس امر کی اطلاع ہوئی تو روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کے جملہ سرداروں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اول اپنے اپنے متعلقین کو داس کوہ کمایوں میں بمقام کاشی پور پہنچا دینا چاہئے اور اس کے بعد دشمن کی مداخلت اور جنگ میں مشغول ہونا چاہئے لہذا اب عجلت تمام افغان اپنے ہال بچوں کو کاشی پور پہنچانے چلے گئے اس انتشار میں یہ معلوم ہوا کہ موسم ہر سات کے باعث صفدر جنگ فرخ آباد میں قیام کریں گے اور لنگا کو عبور نہ کریں گے۔ اس خبر کو سن کر تمام سرداران روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کاشی پور سے آنولہ میں واپس آ گئے۔ ہر سات ختم ہوئی تو صفدر جنگ اور مرہٹوں نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتیاں اکٹھی کیں اور دونین جگہ پُل بنا لئے۔

صفدر جنگ اور مرہٹوں کا روہیل کھنڈ پر حملہ	حافظ الملک انیم کی اس پیش قدمی سے مطلع ہو کر اپنی اور احمد خاں کی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور تقریباً
حافظ الملک سے جنگ	

پچیس ہزار فوج مرہٹہ سے جو دریا پار کر چکی تھی جنگ فراولی شروع کر دی اور پُل کے قریب پہنچ کر باقی مرہٹہ فوج کو دریا عبور کرنے سے روک دیا۔ مرہٹوں نے جب دیکھا کہ ان کی بقیہ فوج کا پُل سے عبور کرنا غیر ممکن ہے تو اپنی کشتیاں چار کوس کے فاصلہ پر لے گئے اور یہ قصد کیا کہ وہاں سے گذر کر بغیر جنگ و جدل روہیلوں کے صدر مقامات آنولہ اور بریلی پر حملہ کر دیں۔ تاکہ روہیلے اپنے عیال و اموال کی حفاظت کی غرض سے آنولہ اور بریلی کی طرف رخ کریں۔ مرہٹوں کے اس اقدام کی خبر جاسوسوں کے ذریعہ روہیلوں کو ہوئی تو وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کو مقدم جان کر پہلے تمام خطرہ کے مقامات کی طرف متوجہ ہوئے اور مزید احتیاط کے طور پر اپنی فوج کو بھی باقاعدہ ترتیب دینے لگے۔ انھوں نے اپنے پیمنہ۔ میسرہ۔ مقدمہ اور ساقہ شکر کو مرتب کیا نیز اردو اور قلب لشکر کو درمیان میں لیکر اپنی جائے قیام سے میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک اور احمد خاں کے کوچ کی خبر صفدر جنگ کو ملی تو فوراً دریا عبور کر کے

چالیس ہزار کی جمعیت سے ان کا تعاقب کیا اور اثنائے راہ میں افغانوں کو روک کر ان پر متواتر حملے کئے۔ لیکن افغان منتشر نہ ہوئے اور ان کی دلیری سے دشمن کی کچھ پیش نہ گئی۔ افغانوں کی اس مضبوطی سے صفدر جنگ اور مرہٹوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ مزید تعاقب سے باز رہے اور اپنی باقی ماندہ فوج کے انتظار میں میدان جنگ میں پیچھے لگا کر مقیم ہو گئے۔ حافظ الملک اور احمد خاں نے اس روز پانچ کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈالے اور دوسرے دن بدستور سابق اپنی فوج کو ترتیب دیکر روانہ ہو گئے اور کوچ پر کوچ کرتے ہوئے آنولہ پہنچ گئے۔ وہاں سے کل اسباب نقد و جنس اور اہل و عیال کو ہمراہ لے کر باطلستان تمام کیتھل اور چلکیا کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر اپنے عیال و اموال کو محفوظ کیا اور استحکم مورچے لگائے۔ چلکیا پانچ کوس اونچا کوہ کمایوں پر ایک موضع تھا جس کے دامن میں ہولناک جنگل تھا۔ اس جنگل میں بکثرت گھنے درختوں کے علاوہ ندی نالوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان سے کسی فوج کا گذر قریب قریب ناممکن تھا۔ صفدر جنگ اور ملہار راؤ ہلکر اپنی فوج کے جمع ہو جانے کے بعد جس کی تعداد اس وقت ایک لاکھ تیس ہزار تھی میدان جنگ میں سات روز قیام کرنے کے بعد افغانی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اثنائے راہ میں آنولہ۔ بریلی اور مراد آباد میں اپنے ٹھکانے قائم کرنے ہوئے چلکیا کے نواح میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر ایک حصار قائم کیا اور افغانوں کے شب خون کے خوف سے اپنے لشکر کے گرد توپ خانہ لگا کر چار مہینے اس قلعہ آتشین کے اندر بحفاظت تمام اپنا وقت صرف کر دیا۔ اس عرصہ میں دونوں طرف کے بہادر لوگ روزانہ حملے کرتے تھے۔ اور ہر جنگ میں افغان پیادے فوج مخالف کے سواروں پر غالب آ جاتے تھے۔ جب محاصرے نے طویل پکڑا تو افغانوں کے لشکر میں غلہ کی قلت محسوس ہونے لگی جب یہ قلت تکلیف کی حد تک پہنچی تو حافظ الملک نے غلہ کی بہم رسانی کی بابت المیڑے کے راہب کو کھاجس نے ہزاروں پہاڑیوں کے سروں پر غلہ رکھو کر افغانی لشکر میں روانہ کر دیا۔ پٹھانوں نے اس غلہ کو من و سلویٰ تصور کیا اور غلہ کی بہم رسانی سے افغان فوج اس قابل ہو گئی

کہ برسوں غنیمت کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لیکن اختلافِ آب و ہوا کی وجہ سے ملہار راؤ کے شکر میں شدت کے ساتھ وبا پھیل گئی۔ اس حادثہ جانگزا کے وقوع سے ملہار راؤ محاصرے سے دل برداشتہ ہو گیا اور اس بات کا خواہاں ہوا کہ کسی جیلہ سے اس جنگل سے باہر نکل جائے۔ صفدر جنگ بھی احمد شاہ درانی کی آمد آمد کی خبر سن کر جو اس وقت لاہور تک آگئے تھے اس محاصرے سے دل تنگ ہو گئے۔ اور چاہا کہ افغانوں سے صلح کر کے دہلی واپس چلے جائیں۔ جب صفدر جنگ اور ملہار راؤ دونوں مصالحت کے خیال پر متفق ہو گئے تو علی قلی خاں کو سفیر بنا کر حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا اور پیام دیا کہ۔

صفدر جنگ کا مقصد اس جنگ سے آپ لوگوں کی بچ کنی نہیں ہے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ اتحاد اور معاونت یک دگر کا ایک معاہدہ کر لیں لہذا آپ لوگ کیوں محصور ہونے کی تکلیف اٹھا رہے ہیں؟

جنگ کے بعد صلح حافظ الملک اور نواب احمد خاں نے سفیر مذکور سے مصالحت آمیز باتیں کیں اور شرائطِ صلح کی تفصیل کی غرض سے حافظ الملک اور محمود خاں ابن نواب احمد خاں صفدر جنگ کے کیمپ کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ملہار راؤ کے خیمہ میں اترے ملہار راؤ نے ان کا اعزاز و استقبال کیا اور سب اکٹھے ہو کر صفدر جنگ کے ڈیرے میں گئے۔ صفدر جنگ نے اپنے معتمد امر کو ان کے استقبال کے واسطے بھیجا اور خود بھی خیمہ کے دروازے تک آ کر حافظ الملک اور محمود خاں سے معافیت کیا اور دونوں کو اپنے قریب مسند پر بٹھا کر محبت آمیز باتیں کرنے لگے۔ ایک پہر تک یہ صحبت جاری رہی۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ صفدر جنگ کو پچاس لاکھ روپیہ بطور خرچہ جنگ روہیلوں کی جانب سے ادا کئے جائیں اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ شاہی خراج ادا کیا جائے۔ اس کے بعد حافظ الملک اور محمود خاں صفدر جنگ اور ملہار راؤ

سے رخصت ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئے اور نواب احمد خاں اور دوسرے سرداروں کو گفتگوئے مصالحت سے مطلع کیا۔ صفدر جنگ کا ٹہری عہد نامہ بھی کھوکھو دیکھایا۔ تمام لوگ صلح پر رضامند ہو گئے۔ اور عہد نامہ پر دستخط کر دئے۔ دوسرے روز حافظ الملک نے صفدر جنگ سے دوبارہ ملاقات کی اور دستخطی عہد نامہ کو واپس کیا جسے صفدر جنگ نے مرہٹوں کے سپرد کر دیا۔ تاکہ فوج کشی کے وقت جس قدر رقم کا انھوں نے مرہٹوں سے وعدہ کیا تھا اس کے کچھ حصہ کی اس طرح ادائیگی ہو جائے۔ بعد ازاں حافظ الملک نے لشکر کے کوچ کرنے کے بارے میں بات چیت کی۔ صفدر جنگ نے کہا کہ میں کل اس جگہ سے اودھ کو روانہ ہو جاؤں گا اور آپ کو بھی شاہجہاں پور تک اپنے ہمراہ لیجانا چاہتا ہوں تاکہ اس عرصہ میں آپ سے مجالست رہے۔

نواب احمد خاں اور دوسرے سرداران روہیل کھنڈ کو میرے لشکر سے دو تین منزل بعد اپنے اپنے وطنوں کو جانا چاہتے۔ حافظ الملک نے ان باتوں کو منظور کر لیا۔ اور اپنے ڈیرے میں واپس آئے۔ دوسرے روز صبح کو چار سو مردانہ کے ساتھ حافظ الملک صفدر جنگ کے لشکر میں پہنچ گئے۔ اور وہاں سے ان کے ہمراہ اودھ کی جانب روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ کے کوچ کرنے کے بعد نواب احمد خاں مع بی بی صاحبہ اور دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی چلکیے نکل کر اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔

حافظ الملک اور صفدر جنگ کے	صفدر جنگ دوران سفر میں ہر روز دونوں وقت حافظ الملک
درمیان تجرید تعلقات	کے واسطے مکلف کھانے بھیجتے تھے اکثر اوقات ساتھ کھانا

تناول کرتے اور نہایت گرم جوشی کا برتاؤ کرتے تھے کئی مرتبہ فرمایا کہ۔

”میں نے ولایت افغان کے لوگوں میں سے کبھی کوئی شخص اس لیاقت اور فہمید کا نہیں دیکھا۔“

جب شاہجہاں پور پہنچے تو حافظ الملک نے صفدر جنگ سے رخصت طلب کی لیکن صفدر جنگ نے یہ اصرار تمام ان کو چند روز اپنے ساتھ بطور ہمان رکھا اور پہلے سے صد چند زیادہ الطاف و عنایات سے پیش آنے لگے۔ جب بات کرتے تو حافظ الملک کو لفظ برا در سے مخاطب کرتے۔ چنانچہ اس کے بعد جو رسل و رسائل ہوئے تو ان میں بھی اسی لقب سے مخاطب کیا۔ صفدر جنگ کا لشکر قصبہ موہان میں پہنچا تو بہت سی گفت و شنید کے بعد حافظ الملک کو رخصت کیا اور بوقت رخصت خلعت گراں بہا۔ مالائے مروارید۔ جینے۔ بیش قیمت سریش۔ شمشیر و سپر۔ اسب مع زین نفہ۔ فیل مع ساز نفہ اور زربفت کی جھول کے عطا کیا۔ ساتھ ہی سند پر گنہ سنبھل وغیرہ احمد شاہ بادشاہ کی طرف سے اور سند جاگیر متعلقہ پر ہم نگر اپنی جانب سے حافظ الملک کو عنایت کی۔ حافظ الملک ان عنایات سے بہت ممنون و مشکور ہوئے اور صفدر جنگ سے از سر نو تجدید تعلقات کر کے ادا اہل ۱۵۲۷ء میں روہیل کھنڈ تشریف لے آئے۔

مرہٹوں کے حملہ کی وجہ سے روہیل کھنڈ میں
عام تباہی
اس وقت نہایت اہم کام جو ان کے پیش نظر تھا وہ اپنا ملکی نظم و نسق تھا۔ کیونکہ مرہٹوں نے تمام روہیل کھنڈ کو تاخت و تاراج کر دیا تھا اور ملک میں عام بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ مولف عماد السعادت لکھتا ہے کہ

”پٹھانوں کی لوٹ میں مرہٹوں کے ہاتھ دو کروڑ روپیہ لگے۔“

(۱۵) سردارانِ روہیلہ پر تقسیم ملک و حافظ الملک کی سیاسی غلطی

مرہٹوں کی تاخت و تاراج سے روہیلوں پر ایسی تباہی آئی تھی۔ کہ مستقبل قریب میں خوش حالی تو کچا حکومت کا آمد و خرچ پورا ہونے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔ اس لئے مجبوراً حافظ الملک نے بڑے بڑے رسالداروں اور سرداروں پر ملک تقسیم کر کے ان کی جائداد فرار دیدیا تاکہ ہر ایک سردار اپنی جائداد کی آمدنی سے اپنی سپاہ متعلقہ کا خرچ چلائے۔

پہلی تقسیم چنانچہ مراد آباد، سنہل اور کاشی پور وغیرہ دودے خاں کو دئے گئے۔ جن کے پاس بارہ ہزار سوار اور پادے تھے۔ کوٹ وغیرہ آٹولہ کے مضافات بخشی سردار خاں کے سپرد کئے اور اسی طرح تھوڑا تھوڑا حصہ ملک فتح خاں خاناماں، شیخ کبیر اور ملا حسن وغیرہ رسالداروں اور جمعداروں کو ان کی سپاہ کے مصارف کے مطابق دیا گیا۔ باقی تمام ملک حافظ الملک نے اپنے ساتھ کی سپاہ کی تنخواہ دینے اور تمام ریاست کا خرچ چلانے کے لئے اپنے تصرف میں رکھا۔ نواب سعد اللہ خاں اور انکے تین چھوٹے بھائیوں محمد یار خاں، الہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں کے ذاتی مصارف کے لئے سناٹا لاکھ روپیہ سالانہ اور ایک معقول جاگیر منقر کی۔ نواب سعد اللہ خاں اور ان کے بھائیوں کے اس ذاتی مشاہرہ پر چونکہ اخراجات ریاست اور مصارف فوج کا کوئی بار نہ تھا۔ اس لئے وہ سب سے زیادہ نفع میں رہے۔ حافظ الملک کے مذکورہ بالا عطیات عطیے سے تمام لوگ مطمئن اور خوش و خرم ہو گئے۔ لیکن حافظ الملک کا یہ انتظام ایک بڑبڑت اور ناقابلِ تلافی سیاسی غلطی تھی جو آگے چلکر زوالِ سلطنت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ کاش حافظ صاحب نواب علی محمد خاں کی اس وصیت کو نظر انداز نہ فرماتے کہ۔

”جو لوگ ام حکومت کو چند لوگوں کے سپرد کر دیا کرتے ہیں اپنی جمعیت کی بنائیں غفل اور

تزلزل ڈال دیتے ہیں۔“

چنانچہ آئندہ پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس وقت تک حافظ الملک کے معتمد بابران قدیم اور ساتھی ان عطا کردہ جاگیروں پر قابض رہے۔ انھوں نے کبھی حافظ الملک کی اطاعت گزاری اور ان سے اتحاد عمل میں پہلو تھی نہیں کی۔ لیکن جب ان پرانے سرداروں کا انتقال ہو گیا تو ان کے خود سر جانشینوں نے اپنے بوڑھے آقا اور ولی نعمت حافظ الملک کی فرماں برداری سے سرتابی کی راہ اختیار کر لی اور آزاد و خود مختار ہونے کی تباہ کن کوشش میں اپنی قوم کو تباہ اور اپنے ملک کو طعمہ اغیار بنا دیا۔

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی ہم کھ چکے ہیں کہ احمد شاہ درانی نے ۱۷۴۷ء میں ہندوستان قید سے رہائی۔ دوسری تقسیم پر حملہ کیا تھا۔ اور ولایت کو واپس ہونے وقت قلعہ ہرہند سے عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران نواب علی محمد خاں کو اپنے ہمراہ قید کر کے قندھار لے گئے تھے۔ جب سے یہ لوگ شاہ درانی کے پاس تھے۔ حافظ الملک ہمیشہ ان کی رہائی کے لئے احمد شاہ درانی کی خدمت میں درخواستیں بھیجتے رہے۔ اس سال یعنی ۱۷۵۸ء میں جب احمد شاہ درانی دوبارہ ہندوستان پر حملہ آور ہو کر لاہور تک آئے۔ تو ان ایام میں حافظ الملک نے اپنی اطاعت گزاری اور عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کے بارے میں ایک تارخہ درخواست شاہ درانی کی خدمت میں ارسال کی۔ چونکہ شاہ موصوف عنقریب پھر ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کو روہیلوں کی امداد کی ضرورت تھی اس لئے ان کو ممنون و مشکور کرنے کے لئے انھوں نے اس مرتبہ حافظ الملک کی درخواست منظور فرمائی اور عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو روہیل کھنڈ واپس جانے کی اجازت دیدی۔

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کی مذکورہ بالا وجہ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں مولف فرح بخش کی بیان کردہ یہ وجہ رہائی دور از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کہ

دوشاہ درانی نے محض نواب علی محمد خاں کے انتقال کی خبر سن کر بعض مصاحبوں کی سفارش سے ان دونوں بھائیوں کو رخصت کر دیا۔

کیونکہ جس وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں غازی ہندوستان ہوئے ہیں تو نواب علی محمد خاں کے انتقال کو تین سال گزر چکے تھے اور اس قدر طویل مدت تک اس واقعہ کی خبر قندھار تک نہ پہنچا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ شاہ درانی نے نواب علی محمد خاں کے لڑکوں کو محض اس وجہ سے رہائی دی۔ کہ ان کے اس فعل سے روہیلوں سے دوستی کا ایک ذریعہ پیدا ہوتا تھا۔ جس کی انھیں بہت عرصہ سے خواہش تھی۔ چنانچہ یہیں بادشاہ کہ اپنے پہلے حملہ کے موقع پر بھی احمد شاہ درانی نے نواب علی محمد خاں سے امداد طلب کی تھی۔ اور اس کے بدلے میں وزارت ہندوستان کا وعدہ کیا تھا۔ الغرض عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں دونوں بھائی شہر میں داخل ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر حافظ الملک اور نواب سعد اللہ خاں ایک معقول لشکر کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ قصبہ امر وہہ کے پاس ملاقات ہوئی اور سب لوگ خوشی خوشی ان کو دار الحکومت آنولہ میں لائے۔

عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں آنولہ پہنچے تو عبداللہ خاں جو سب بھائیوں میں بڑے تھے یہ دیکھ کر آتشِ حسد سے بھر پک اُٹھے کہ ان کے ایک چھوٹے بھائی نواب سعد اللہ خاں باپ کے جانشین بنے ہوئے ہیں۔ حافظ الملک نے ان کے یہ جذبات دیکھ کر ان کی نہایت دلداری کی اور ان کے حق میں بہت کچھ مراعات ملحوظ رکھیں۔ لیکن عبداللہ خاں مطمئن نہ ہوئے اور اپنے ایک مصاحب قطب شاہ کے اغواء سے جو بڑا متنفذ شخص تھا اور جو دورانِ سفر میں پنجاب سے عبداللہ خاں کا رفیق بن گیا تھا۔ ریاست کے لالچ میں ایسی ایسی حرکتیں کرنا شروع کیں جس سے اُن کی تمام دوسرے بھائیوں سے ناچانی ہو گئی۔ آپس کا نزاع روز بروز بڑھنے لگا۔ اور دشمنی اس درجہ بڑھی کہ ہر ایک ایک دوسرے کی بے حرمتی کی فکر کرنے لگا۔ حافظ الملک نے یہ کیفیت دیکھ کر بہت کوشش کی کہ سب بھائی اتحاد و اتفاق سے رہیں۔

لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ایک روز دوندے خاں۔ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خان ماں۔ عبدالستار خاں۔ سید احمد شاہ۔ سید مصوم شاہ۔ قطب شاہ۔ بدو خاں شیخ کبیر ملا محسن خاں۔ پرمول خاں۔ مبارز خاں۔ دیوان مان رائے اور راجہ کنور سین بخشی کو اس صورت حال پر مشورہ کرنے کے لئے طلب کیا اور سب لوگوں نے اولاً تو اس امر پر غور کیا کہ سب بھائیوں میں کسی طرح میل ہو جائے اور جہاں تک ہو سکے ملک تقسیم ہو کر برباد نہ ہو۔ لیکن جب یہ صورت ناقابل عمل ثابت ہوئی تو سب بھائیوں پر ملک تقسیم کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ تقسیم کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ملک کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ عبداللہ خاں۔ فیض اللہ خاں اور سعد اللہ خاں کو دیا گیا۔ چونکہ یہ تینوں بھائی اب جوان تھے اس لئے ان بڑے بھائیوں کی سرپرستی میں ان کے ایک ایک ایسے چھوٹے بھائی کو بھی سپرد کیا گیا جو کم سنی کے باعث علیحدہ علیحدہ ریاستیں حاصل کرنے کے لائق نہ تھے۔ اس طریقہ کار پر تمام بھائیوں اور سرداروں کا اتفاق ہو گیا۔ نواب حافظ الملک نے کمال فراخ دلی اور ایثار۔ آئولہ۔ منونہ۔ بدایوں۔ اوسرت اور کوٹ وغیرہ ۳۱ لاکھ روپیہ کی آمدنی کا علاقہ نواب عبداللہ خاں کو دیا اور تفضی خاں کو تربیت کے لئے ان کے سپرد کیا۔ بریلی اور اہرات وغیرہ کا علاقہ نواب فیض اللہ خاں کو دیا اور محمد یار خاں کو ان کے ساتھ کیا۔ اور مراد آباد وغیرہ کا ۱۳ لاکھ روپیہ کا علاقہ نواب سعد اللہ خاں کو دیا اور صاحبزادہ الہ یار خاں کو ان کا شریک کیا۔ یہ تقسیم اس وقت تمام بھائیوں کی رضا مندی سے ہوئی اور سب نے آئندہ اس سے انحراف نہ کرنے کا ایک اقرار نامہ لکھ دیا جس پر تمام سرداروں نے بھی اپنی مہر میں ثبت کیس اور دستخط کئے۔

اس کے بعد نواب سعد اللہ خاں مراد آباد کو روانہ ہو گئے اور وہاں راجہ کنور سین کی عالی شان حویلی میں اترے اور نواب فیض اللہ خاں اور نواب عبداللہ خاں آئولہ میں نواب

علی محمد خاں کے قلعہ میں رہنے لگے۔ نواب سعد اللہ خاں کے مراد آباد چلے جانے اور عبداللہ خاں کے دارالحکومت آنولہ میں قیام پذیر ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ اس موقع پر نواب سعد اللہ خاں اپنے والد کی جانشینی سے بھی دست بردار ہو گئے اور سند حکومت روہیل کھنڈ نواب عبداللہ خاں کے لئے خالی کر دی۔

مذکورہ بالا تقسیم اور ملکی انتظام پر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے تمام مخالف مورخین مثل سر جان اسٹریٹجی اور مولوی نجم الغنی خاں راہپوری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ۔
”حافظ رحمت خاں کو اپنی حکومت اور اقتدار کا برابر دکر ناجوشی خاطر منظور نہ تھا۔ مگر مجبوراً مصیحت وقت کا لحاظ کرنا ضرور تھا اس واسطے ملک کی تقسیم جان بوجھ کر اس طریق سے کی گئی کہ انجام کار فیض و فساد برابر ہو اور حکومت آخر کار حافظ صاحب ہی کے ہاتھیں رہے۔ یعنی تمام ملک کے تین حصہ کر کے ایک ایک حصہ دو۔ دو بھائیوں کے قبضہ میں سپرد کیا گیا۔“

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حافظ الملک نے از خود کوشش کر کے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو احمد شاہ درانی کی قید سے رہائی دلا کر روہیل کھنڈ میں بلایا تھا۔ جو اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ ان بھائیوں کے دل سے غیر طلب تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ آئیں اور کسی ایک بھائی کی سرداری پر اتفاق کر کے حکومت روہیل کھنڈ میں حصہ لیں۔ ذاتی اقتدار اور ذاتی حکومت کی انھیں نہ اس وقت ہوس تھی جب انھوں نے سرداری کی پگڑی اپنے سر سے اتار کر سعد اللہ خاں کے سر پر رکھ دی تھی اور نہ اب بھئی جبکہ ان کا آفتاب اقبال نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور نام روہیلہ قوم اور چھوٹے بڑے سرداران کے ایک اشارے پر جان دے سکتے تھے۔ تاہم حافظ الملک نے ملک کو نواب علی محمد خاں کی اولاد پر تقسیم کیا۔ اور اپنے مرحوم دوست کی اولاد سے اپنے مرہبیاہ تعلقات اور مخلصانہ محبت کا ثبوت دے دیا۔ رہا یہ امر کہ حافظ الملک نے ملک کے تین ٹکڑے کیوں کئے اور دو دو بھائیوں کو یکجا فی ریاست کیوں دی

جس سے آئندہ فساد برپا ہوا تو اس کو ان کی ایک نادانستہ سیاسی غلطی سے تو تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن حافظ الملک جیسی وفا شعار ہستی کی کسی بدینتی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ نواب علی محمد خاں کی اولاد میں نا اتفاقی اس تقسیم ملک سے قبل ہی پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے اگر بعد کو بھی آپس میں جنگ ہوئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے دو دبھائیوں کو یکجا کرنے کی وجہ بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ محض تین بھائیوں کی صغیر سنی کی وجہ سے ان کو ایک ایک بڑے بھائی کی سرپرستی میں دینا منظور تھا۔ افسوس ہے کہ بعض مورخین نے اپنے اپنے مخصوص نقطہ نظر کو نفوذیت دینے کے لئے حافظ الملک کے بکثرت بے خطا کاموں پر بغیر کسی ثبوت کے بدینتی کے الزامات تراش دئے ہیں تاکہ ان کے کریکٹر کا استخفاف ہوا اور آئندہ نسلوں کی نظر میں ان کی وہ شخصیت نہ قائم ہو سکے جس کے دستِ حق تھے۔ لیکن حق دبانے سے نہیں دبتا ہے۔ حق ناس مورخین جو چاہیں لکھیں۔ عوام الناس کی نظر میں اب بھی حافظ الملک کی وہی حیثیت ہے جو اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے تھی اور سرزمینِ روہیل کھنڈ میں آج بھی گھر گھر ان کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

گر نہ بیند بر وز شپہ چشہ
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

عبد اللہ خاں اور رفیع اللہ خاں میں نا اتفاقی	نواب عبد اللہ خاں سند حکومت پر متمکن ہوئے
حافظ الملک کو قتل کرنے کی کوشش	تو تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سخت گیری اور بد مزاجی سے اپنے متعلقین اور سرداران قوم کے
ملک کی تیسری تقسیم	

دلوں میں ناسور ڈال دئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور ان کے شرابیک ریاست بھائی رفیع خاں کے رفیق اور مصاحبوں میں آئے دن فساد ہونے لگے۔ شہر کے کلی کوچوں میں ہر روز خانہ جنگیاں ہوتی تھیں اور شہر کا بازار اکثر لوٹ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح نواب عبد اللہ خاں کو اپنے بھائی

نواب فیض اللہ خاں سے قلبی عداوت تھی جو کسی نوع سے ان کے شریک جاننا بھی نہ تھے۔ ایک روز رات کے وقت اپنے ملازموں کو ساتھ لے کر فیض اللہ خاں کے قتل کے ارادے سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ فیض اللہ خاں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سرکسیمہ اور پریشان ہو گئے اور دادرسی کے لئے حافظ الملک کی دولت سراہ آئے۔ اس وقت حافظ الملک نماز تہجد میں مشغول تھے کہ فیض اللہ خاں نے مضطربانہ آواز دی۔ حافظ صاحب نے اپنے ملازم خاص جو گا خاں کو تفتیش حال کے لئے باہر بھیجا۔ جب معلوم ہوا کہ فیض اللہ خاں ہیں تو فوراً اپنے پاس بلا لیا اور ہر قسم کی تسلی و تشفی کر کے ان کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

نواب عبداللہ خاں حافظ الملک کے بھی دشمن ہو گئے کیونکہ انھوں نے محسوس کیا کہ جب تک حافظ الملک زندہ ہیں اس وقت تک من مانی کارروائیاں کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ کئی مرتبہ زہر اکودکھا نا حافظ الملک کے واسطے بھیجا۔ جس کو انھوں نے ہر مرتبہ علم ہو جانے کی وجہ سے زمین میں دفن کر دیا۔ جب زہر سے حافظ الملک کو ہلاک کرانے میں کامیابی نہ ہوئی تو ایک روز کچھ لوگوں کو ان کے قتل پر متحرک کر کے اپنے مکان میں پردوں کے پیچھے بٹھادیا۔ اور حافظ الملک کو کسی امر میں مشورہ کے لئے تنہا اپنے پاس بلا لیا۔ چونکہ حافظ الملک عبداللہ خاں کی طرف سے بدگمان تھے اس لئے تنہا نہ گئے بلکہ اپنے ہمراہ چند ملازموں کے علاوہ دو دندے خاں عبدالنار خاں اور فتح خاں خانساہاں کو بھی لے گئے۔ جب عبداللہ خاں کے صحن خانہ میں پہنچے تو دیکھا کہ چند مسلح لوگ دالان کے پردوں کے پیچھے سے نکل کر گھبراہٹ کی حالت میں بلاخانہ پر جہاں عبداللہ خاں بیٹھے تھے گئے۔ حافظ الملک اس امر کو مشاہدہ کرنے کے بعد عبداللہ خاں سے ملاقات کئے بغیر اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔ اور تمام ارکان کٹھیر سے مشورہ کرنے کے بعد عبداللہ خاں کو کھلا بھیجا کہ تمہارا اس ملک میں رہنا چونکہ فتنہ و فساد کا باعث ہے اس لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ عبداللہ خاں اپنی حرکت پر نادم و پشیمان ہوئے اور کچھ سوچ سمجھ کر وہیل کھنڈ سے باہر چلے گئے۔ پانچ مہینے تک پریشان و سرگردان ادھر ادھر پھرتے

رہے۔ آخر کار نواب احمد خاں بنگلش والے فرخ آباد کے پاس چلے گئے اور ان کے سامنے اپنی تفصیلات کا اعتراف کر کے التجا کی کہ وہ حافظ الملک سے ان کی صفائی کرادیں۔ نواب احمد خاں نے مکرر سہ کرر حافظ الملک کو لکھا اور بدقت ان کے تکرر نزاج کو رفع کیا حتیٰ کہ حافظ الملک نے عبداللہ خاں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ نواب عبداللہ خاں فرخ آباد سے آنولہ روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر انھوں نے حافظ الملک سے ملاقات کی اور اپنی پچھلی خطاؤں پر معذرت خواہ ہوئے حافظ الملک نے ان کی بہت دلجوئی کی اور ضلع بدایوں میں سہسوان اور اُجھیانی وغیرہ کی جاگیر عطا کر دی۔ عبداللہ خاں سے یہ معاملہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے فیض اللہ خاں اور عبداللہ خاں کے معاملات میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اور فیض اللہ خاں کو شاہ آباد۔ رام پور اور بریلی میں چھا چھٹ کا علاقہ مرحمت کیا۔ سعد اللہ خاں کو جو انھیں سب بھائیوں سے زیادہ عزیز تھے مراد آباد سے دارالحکومت آنولہ میں واپس بلا لیا اور ان پر بدستور سابق اُن کی پُرانی جاگیر اور آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ بحال کر دئے۔ یہ تیسری تقسیم ملکی ۱۷۵۴ء میں واقع ہوئی۔

تیسری تقسیم کے بعد حافظ الملک کی آنولہ سے ترک سکونت
نذرہ بالا تقسیم ملکی سے قبل حافظ الملک بالخصوص اور دوسرے سرداران روہیلہ بالعموم خاص دارالحکومت آنولہ میں مقیم رہتے تھے۔ کبھی کبھی اپنی جاگیروں میں تحصیل وغیرہ کی وصولی کی غرض سے چلے جاتے تھے۔ لیکن اب قریب قریب ہر ایک نے آنولہ کی سکونت ترک کر دی۔ چنانچہ عبداللہ خاں اُجھیانی میں اور نواب سعد اللہ خاں مقام انر چھینڈری میں کہ آنولہ سے مشرق کی طرف دو تین کوس پر ہے دریائے ارل کے کنارے عمارات بنوا کر رہنے لگے۔ دوندے خاں نے اپنی جائے قیام بسولی مقرر کر کے ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا جو اب تک موجود ہے۔ بسولی ابتدا میں ایک گاؤں تھا ووندے خاں کی سکونت کی وجہ سے ایک بڑا قصبہ ہو گیا۔ دوندے خاں نے قلعہ کے علاوہ پختہ عمارتیں۔ بازار۔ مسجدیں اور بہت سے حمام بھی تیار کرائے۔ فتح خاں غاناماں نے اُسہت میں ایک قلعہ بنوایا۔ کبھی کبھی بدایوں بھی

چلے جاتے تھے۔ بخشی سردار خاں آتولہ میں مقیم رہے۔ نواب فیض اللہ خاں بریلی میں قلعہ کے دروازے کے پاس عمارتیں بنوا کر رہنے لگے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد شاد آباد چلے گئے۔ حافظ الملک نے بھی بریلی کو اپنا دار الحکومت مقرر کر کے اپنی ایک بیوی اور بڑے لڑکے غیاث خاں کو وہاں کے قلعہ میں مقیم کیا۔ دوسری بیویوں اور اپنے متعلقین کو پہلی بھیت روانہ کر دیا اور پہلی بھیت کا نام حافظ آباد رکھ کر اس میں ایک بہت بڑی محل سرگئے۔ دیوان عام اور دیوان خاص بنوایا۔ اور ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

۱۵ بریلی میں فیض اللہ خاں کے مکانات اب نواب خواجہ میاں صاحب مرحوم کے صاحبزادوں کے پاس ہیں۔

(۱۶) سیاسیات دہلی میں حافظ الملک کا حصہ

جس زمانے میں حافظ الملک اپنے ملک کے اندرونی انتظامات میں مشغول تھے۔
 دارالسلطنت دہلی میں عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ اس ہنگامہ کی وجہ یہ ہوئی کہ صفدر جنگ
 روہیل کھنڈ کی ہم سے فارغ ہو کر دہلی پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ جاوید خاں خواجہ سرائے دربار
 شاہی میں بڑا اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ اور اس پر احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ صاحبہ
 زمانہ میں حدیث بان ہیں چنانچہ صفدر جنگ کے دل میں آتش حسد متعل ہو گئی اور انھوں نے
 جاوید خاں کے تمام احسانات کو فراموش کر کے اس کو ایک روز دعوت کے بہانہ سے اپنے
 مکان پر بلایا اور رتہ خانہ میں بجا کر قتل کر دیا۔ احمد شاہ بادشاہ صفدر جنگ کے اس فعل سے
 سخت ناراض و برہم ہوئے اور غازی الدین خاں عماد الملک کو قلعہ ان وزارت عطا کر دیا۔
 صفدر جنگ نے اپنے خلاف بادشاہ کی برہمی مزاج کو روز بروز بڑھتے دیکھ کر شہر میں اپنا رہنما
 مناسب نہ جانا اور شہر سے باہر چلے آئے تاکہ اس کے مصالحت کی کوشش کرنے لگے۔ جب یہ
 کوشش ناکام ہوئی تو جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ غازی الدین خاں عماد الملک نے بھی مقابلہ
 کی تیاری کی اور آخر کار لڑائی شروع ہو گئی۔

صفدر جنگ کی بادشاہ سے بغاوت حافظ الملک کا چالیس ہزار فوج لے کر دہلی کی طرف جانا	لیکن چند ہی روز بعد صفدر جنگ نے محسوس کیا کہ افواج بادشاہی سے مقابلہ کر کے فخریاب ہونا ان کی طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے ایک خط حافظ الملک کی
---	---

۱۔ غازی الدین خاں چن قلعہ خاں آصف جاہ بانی ریاست حیدر آباد دکن کے پوتے تھے ان کا اصلی نام
 شہاب الدین تھا۔ (مولانا اکبر شاہ خاں)

خدمت میں اُس عہد و پیمان کی بنا پر جو حال ہی میں ان کے درمیان ہوا تھا بغرض امداد ارسال کیا۔ حافظ الملک عہد و پیمان کے بہت پابند رہے۔ فوراً بلا پس و پیش چالیس تہاڑیہ و سوار کی جمیعت کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہاپور کے قریب پہنچے اور ان کی آمد آمد کی خبر دہلی میں شہر ہوئی تو بادشاہ نے میر مناقب۔ راہہ دیہی دست اور بسنت خاں خواجہ سر کے ہاتھ ایک فرمان حافظ الملک کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

”تم ہمیشہ سے بادشاہ دہلی کے مطیع و فرمانبردار رہے ہو اس لئے اب کہ صفدر جنگ نے ہمارے حضور میں سہکشی کی ہے اور گستاخیاں ظاہر کی ہیں تم کو چاہئے کہ ہماری خدمت میں حاضر ہو کر اس کی تنبیہ علی میں لاؤ تاکہ اس شخص خدمت کے صلہ میں تمہارا ہی عنایت مبذول ہو۔“

حافظ الملک نے اس فرمان شاہی کے پہنچنے پر سفیرانِ بادشاہی کے ہاتھ یہ جواب بھیجا کہ۔

”ہمارے اور ابوالنصور خاں صفدر جنگ کے درمیان اتفاق باہمی کا یقین مستحکم ہو گیا ہے۔ ہم اس کو نہیں توڑ سکتے۔“

اس جواب کے روانہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے جواب الجواب موصول ہونے تک اپنی پیش قدمی ملتوی کر دی۔ چند روز کے بعد دوسرا فرمان شاہی اس مضمون کا صادر ہوا کہ۔

”اگر تم حضور بادشاہی میں حاضر ہونا نقص ضرر سمجھتے ہو تو مناسب یہ ہے کہ اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ اس سبب سے کہ باغی کی شرکت کرنا دین و آئین اہل اسلام کے خلاف ہے۔“

اس فرمان کے آنے پر حافظ الملک نے بادشاہ کے مقابلہ میں صفدر جنگ کی امداد مناسب

نہ جانی اپنے ارادے کو فسخ کر دیا اور اس کا عذر صفدر جنگ کو لکھ کر روہیل کھنڈ واپس ہو گئے۔
 حافظ الملک سے نجیب خاں کی غرض سے اپنے ہمراہ لائے تھے اس میں نواب دوندے خاں
 بیوفانی اور ان کا عسروج

کی فوج کے ایک جمعدار نجیب خاں ولد اصابت خاں عمر خیل نامی بھی تنوسپا ہیوں کی جمعیت کے ساتھ شامل تھے جن کے ابتدائی حالات زندگی یہ ہیں کہ وہ اپنے چچا بارت خاں کے ہمراہ اپنے وطن موضع نانائی سے جو پیشاور سے پچیس کوس کے فاصلہ پر انک پار واقع ہے روانہ ہو کر دیگر گیارہ آدمیوں کے ساتھ چند سال قبل وارد ہندوستان ہوئے تھے۔ ابتداً لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا اور رفتہ رفتہ تنوسو آدمیوں کی جماعت اپنے ساتھ فراہم کر لی۔ لوٹ ہی کے سلسلہ میں نجیب خاں دوندے خاں کے علاقہ بسولی میں پہنچے۔ دوندے خاں نے ان سے لوٹ مار کا پیشہ چھڑا کر اپنے یہاں نوکر رکھ لیا۔ اور تنوسو آدمیوں کا افسر مقرر کر کے پرگنہ دارانگر جاگیر میں دے دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوندے خاں نے نجیب خاں کے ساتھ اپنی لڑکی کی سدا دی بھی کر دی۔ اور اپنی فوج کے ایک دستہ کا جمعدار بنا دیا۔ نجیب خاں نے دوندے خاں کی ماتحتی میں حافظ الملک کے ساتھ اکثر لڑائیوں میں حصہ لیا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی گو دوندے خاں بعض مجبوریوں کے باعث حافظ الملک کی رفاقت میں نہ آ سکے تھے لیکن ان کی فوج کا کچھ حصہ جس میں نجیب خاں بھی شامل تھے ان کے ہمراہ تھا۔

میر مناقب وغیرہ سفیران احمد شاہ بادشاہ کو جب حافظ الملک کی امداد حاصل نہ ہو سکی اور فیصلہ صرف اس بات پر ٹھہرا کہ حافظ الملک اپنے ملک کو واپس جائیں تو انھوں نے مخفی طور پر یہ کوشش کی کہ حافظ الملک کی کچھ فوج ہی اُن سے مخرب ہو کر بادشاہ کی شریک ہو جائے لہذا اس سازش کو بروئے کار لانے کے لئے میر مناقب وغیرہ نے افغانوں کے شکر کے

رسالداروں اور جباروں کو طح طح کا لالچ دینا شروع کیا۔ لیکن حافظ الملک کے بڑے بڑے تمام رسالدار ثابت قدم رہے اور انہوں نے اپنے سردار کی منشا کے خلاف کوئی کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر نجیب خاں کا پائے استقلال ڈگمگا گیا۔ انہوں نے بادشاہ کے سفیر سے بہت سا روپیہ لے کر لشکر کے مفلس اور لالچی سپاہیوں کو اپنے سے متفق کر لیا۔ اور حافظ الملک لگی بیزار جازت و مشورہ دہلی کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے روہیل کھنڈ پہنچ کر دوندے خاں سے نجیب خاں کی اس بے وفائی کی سخت شکایت کی لیکن دوندے خاں نے بہت سی عذر خواہی کے بعد ان کی طبیعت کو اپنی طرف سے مطمئن کر دیا۔ دہلی پہنچ کر نجیب خاں میرنائب کے توسل سے غازی الدین خاں عابد الملک اور احمد شاہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صفدر جنگ کے مقابلہ میں کئی مورچے ان کے نام مقرر ہوئے جن کو انہوں نے بہت جلد فتح کر لیا۔ چھ مہینے تک جنگ جاری رہی دوران جنگ میں نجیب خاں کے ہاتھ سے ایسے ایسے معرکے سر ہوئے کہ بادشاہ اور امراء دربار ان کی قدر و منزلت روز بروز زیادہ کرنے لگے۔ جب جنگ نے طول پکڑا اور صفدر جنگ زیادہ عرصہ تک تاب مقابلہ نہ لاسکے تو حضور شاہی میں معافی تقصیرات کے نجیب خاں ہی کے توسل سے خواہاں ہوئے۔ نجیب خاں نے بکمال لیاقت و ہوشیاری اس کام کو انجام دیا اور بادشاہ سے صفدر جنگ کی خطایں معاف کرادیں۔ اس حسن خدمت کے صلہ میں بادشاہ نے نجیب خاں کو خطاب نواب نجیب الدولہ اور اضلاع بجنور۔ سہارن پور اور میرٹھ وغیرہ کی جاگیر سے سرفراز فرمایا۔ نجیب خاں جواب نواب نجیب الدولہ ہو گئے کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہنے کے بعد اپنی نئی ریاست میں واپس آئے اور انہوں نے اجمیت سنگھ و کیت کو مار کر ضلع منظر نگر پر بھی قبضہ کر لیا۔ اسی سال نواب نجیب الدولہ نے مالنی ندی کے بائیں کنارے پر ایک عمدہ اور خوش فصلا مقام تلاش کر کے شہر نجیب آباد

ملک یہودی مالنی ندی اور وہی موقع ہے جہاں وسو امتر ہوگی مع اپنی لڑکی شکنتلا کے جنگل میں زندگی بسر کرتا تھا، شکنتلا نام کا ایک نہایت پرانا ناکب جو مشہور ہندی ڈرامہ نویس پنڈت رادھے شہا صاحب بریلوی نے بھی جدید ہندی زبان میں شکنتلا ڈرامہ لکھا ہے جو سینما کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں مقبولیت عام حاصل کر چکا ہے (مؤلف)

اپنے نام پر آباد کیا۔

بادشاہ سے صلح ہو جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۵۷۵ء میں صفدر جنگ نے ایک ٹوبہ کی تکلیف سے دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے ان کا مقبرہ جو ایک شاندار عمارت ہے درگاہ حضرت نظام الدین اولیا سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ صفدر جنگ کی جگہ ان کے بڑے لڑکے شجاع الدولہ مسند آرائے حکومت اودھ ہوئے۔

بادشاہ دہلی کی معزولی ۱۵۷۵ء میں غازی الدین خاں عماد الملک وزیر سلطنت کو جب امور مملکت میں دخل گئی حاصل ہو گیا تو انھوں نے احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ کو نابینا کر کے قید کر دیا اور عزیز الدین بن معز الدین بن بہادر شاہ بن اورنگ زیب کو قید خانہ سے نکال کر عالمگیر ثانی کے نام سے تخت پر بٹھا دیا۔ انھیں ایام میں معین الدین عرف میرمنو گھڑے سے گر کر ابھی ملکب عدم ہوئے اور لاہور کی صوبہ داری جس پر وہ فائز تھے ان کی بیوی کو تفویض ہوئی۔ غازی الدین خاں عماد الملک کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ فوراً شاہزادہ عالی گھر کو ہمراہ لے کر لاہور روانہ ہوئے اور لدھیانہ سے لاہور پہنچ کر میرمنو کی ہیکم کو قید کر کے قلعہ لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عماد الملک تیس لاکھ روپیہ کے عوض لاہور کی صوبہ داری آدینہ بیگ خاں کو تفویض کر کے خود مع شاہزادہ دہلی کو واپس آ گئے۔

احمد شاہ درانی کا قیصر احکمہ آدینہ بیگ خاں کے تسلط کی خبر جس وقت احمد شاہ درانی کو پہنچی تو یہ امر ان کو سخت ناگوار ہوا کیونکہ انھوں نے میرمنو کو اپنی طرف سے لاہور کا صوبہ دار بنایا تھا۔ چنانچہ بلیغاً کر کے ۱۵۷۵ء میں لاہور آ پہنچے۔ اور آدینہ بیگ خاں کو بلا مقابلہ وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لاہور پر قبضہ کے بعد شاہ درانی عماد الملک کو نیرا دینے کے لئے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور متواتر کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دہلی سے بیٹس کوس کے فاصلہ پر

۱۵۷۵ء میں انڈی روہیلہ وار۔

۱۵۷۵ء شاہزادہ عالی گھر آئندہ شاہ عالم ثانی کے نام سے موسوم ہوئے۔

اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ عماد الملک اس حال سے مطلع ہوئے تو بحر اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھا اور مجبوراً شاہ درانی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ممکن تھا کہ شاہ موصوف عماد الملک کو قتل کر دیتے لیکن شاہ ولی خاں اپنے وزیر اعظم اور میر منوم حوم کی بیوی کی سفارش سے جو عماد الملک کی خوش دامن بھی تھیں قصور معاف کر دیا۔ نجیب خاں بھی امرائے شاہی کے وسیلہ سے حضور شاہی میں باریاب ہو کر مورد نوازشات ہوئے۔

حافظ الملک اور شاہ درانی کے
تعلقات کی ابتدا

جب شاہ درانی کے دہلی میں پہنچنے کی خبر حافظ الملک کو ملی تو انھوں نے نواب سعد اللہ خاں اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم کے چچا زاد بھائی یعقوب علی خاں کو جو کچھ عرصہ سے روہیل کھنڈ میں مقیم تھے سفیر بنا کر مع پیشکش لائقہ اور تحفہ جات نادرہ بارگاہ درانی میں روانہ کیا۔ یعقوب علی خاں شاہ ولی خاں کے توسط سے حضور شاہی میں باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے پیشکش کو قبول و کار اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اور حافظ الملک کے نام یہ فرمان صادر فرمایا۔ کہ

”عماد الملک کو تھوڑی سی شاہی فوج کے ساتھ صوبہ اودھ کو روانہ کیا جاتا ہے

تاکہ شجاع الدولہ سے زر پیشکش وصول کریں اگر شجاع الدولہ اس کی ادائیگی میں تاہل کریں

”نواب عماد الملک کی طلبی پر ان کی مدد کے واسطے پہنچ جائیں“

شاہ درانی کے حکم سے عماد الملک
کی شجاع الدولہ پر چڑھائی اور
حافظ الملک کے تدبیر سے صلح

اس اثناء میں عماد الملک براہ فرخ آباد اودھ کی سرحد پر پہنچ گئے۔ شجاع الدولہ بھی عماد الملک کے حملہ کی خبر سن کر جنگ پر آمادہ ہوئے۔ اور لکھنؤ سے اڑھائی میل تک مل مقام سانبڑی پالی میں اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ چونکہ عماد الملک میں شجاع الدولہ سے تنہا لڑنے کی طاقت نہ تھی اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے انھوں نے حسب فرار دوا حافظ الملک کو مدد کے واسطے طلب کیا اور حافظ الملک تھوڑے عرصہ میں اپنی تمام فوج لے کر عماد الملک کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ جس سے جنگ کا نقشہ بالکل تبدیل ہو گیا اور اب شجاع الدولہ کا پلہ کمزور

اور عماد الملک کا پلہ بھاری ہو گیا۔ جس کا احساس کر کے شجاع الدولہ نے یہ تدبیر کی کہ ایک خط حافظ الملک کے نام لکھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ۔

”عماد الملک بہ سبب عداوت قدیم میری بربادی کے درپے ہے اور کسی طرح صلح پر رضی نہیں ہوتا آپ کہ میرے چچا کی جگہ ہیں کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائیے جس سے مصالحت کی شکل پیدا ہو اور شاہِ درانی کا مزاج بھی مجھ سے برہم نہ ہو۔“

صفدر جنگ کے ساتھ جس قسم کے مراسم رہے تھے ان کو ملحوظ کر کے حافظ الملک نے شجاع الدولہ کو تسلی آمیز جواب لکھا اور مصالحت کی فکر کرنے لگے۔ اسی دوران میں شجاع الدولہ کے وکلاء عماد الملک کے پاس گئے اور حسبِ مطالبہ شاہِ درانی پیشکش حاضر کرنے کے خواہاں ہوئے۔ عماد الملک جو اس ہنگامہ سے محض شجاع الدولہ کی بربادی کے خواہاں تھے اس قدر روپیہ کے طالب ہوئے کہ اس کا ادا کرنا شجاع الدولہ کے جیبہ امکان سے باہر تھا۔ اور ساتھ ہی انھوں نے پیشقدمی کر کے جنگِ قراولی شروع کر دی۔ حافظ الملک کو عماد الملک کا یہ طرزِ عمل بہت ناگوار ہوا۔ اور انھوں نے مصالحت کی یہ تدبیر کی کہ نواب سعد اللہ خاں کو جو اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے پوشیدہ طور پر شجاع الدولہ کے ڈیرے میں روانہ کر دیا۔ اور عماد الملک سے فرمایا کہ۔

”آپ نے سنا ہوگا کہ نواب سعد اللہ خاں نے اندراہ نادانی جو ان کی عمر کا اقتضا ہے شجاع الدولہ کے ساتھ صلح کر لی ہے اور شجاع الدولہ بھی اپنے حسبِ مقدور پیش ادا کرنے کے واسطے حاضر ہیں۔ اور ہم کو بھی شاہِ درانی کا یہی حکم ہے کہ اگر شجاع الدولہ ادائے زر پیشکش میں کوئی ہذر کرے اور نوبتِ جنگ کی پہنچے تو تمھاری مدد کریں۔ لہذا اگر تم ہمارے مشورے سے شجاع الدولہ کے ساتھ صلح کر لو تو بہتر ہے۔ ورنہ ہم اپنے ملک کو واپس جا کر حقیقتِ حال

من وعن حضور شاہ دُرّانی میں بذریعہ تحریر پہنچا دیئے،

چونکہ عماد الملک میں تنہا شجاع الدولہ سے مقابلہ کرنے کی قوت نہ تھی۔ اس لئے صلح پر راضی ہو گیا۔ اور حافظ الملک کی معرفت پچاس لاکھ روپیہ زیر پیش کش پر مصالحت قرار پائی۔ صلح کے بعد حافظ الملک روہیل کھنڈ کو واپس آ کر حضور شاہ دُرّانی میں روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ اس عرصہ میں احمد شاہ دُرّانی نے سورج مل جٹ کے بعض قلعوں کو مسخر کر کے ہتھرا کوٹوایا لیکن لشکر میں وبا پھیل جانے کے باعث قندھار واپس جانے کا قصد کر لیا۔ دہلی سے روانگی کے وقت عالمگیر ثانی اور نواب نجیب الدولہ نے شاہ دُرّانی سے تالاب کھنڈ پر ملاقات کر کے عماد الملک کی شکایت کی جس کی بنا پر عماد الملک کو جوہنوز فرخ آباد میں احمد خان ننگش کے ساتھ مقیم تھا عہدہ وزارت ہندوستان سے معزول کر دیا گیا۔ اور اُس کی جگہ نواب نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی پر مقرر فرما کر خود قندھار کو روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت یعقوب علی خاں سیف حافظ الملک کو دوبارہ شرف باریابی بخشا اور حافظ الملک کے واسطے ایک خلعت گراں بہا مع فرمانِ محبت کما۔ یعقوب علی خاں دہلی سے روانہ ہو کر جب بریلی پہنچے تو حافظ الملک نے فرمانِ شاہی کا استقبال کر کے خلعت شاہی زیب تن فرمایا اور حضور شاہ میں حاضری کا ارادہ ترک کر دیا۔

جب احمد شاہ دُرّانی ہندوستان سے چلے گئے تو نجیب الدولہ بطور وزیر اعظم بادشاہ دہلی حمات سلطنت کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔ اس خبر کو شکر غازی الدین خاں نے نجیب الدولہ کی بربادی پر کمر باندھی۔ اور جاٹوں اور احمد خاں ننگش کی فوج لیکر دھلی کی طرف روانہ ہوا۔ ساتھ ہی رگھناتھ راؤ عرف رگھو یا اور ملہار راؤ ملکر سردارانِ مرہٹہ کو بھی ایک کثیر فوج کے ساتھ اپنی مدد کے واسطے طلب کر لیا اور سب نے ملکر دہلی پر چڑھائی کر دی عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ کو دہلی میں محصور ہونا پڑا اور پینتالیس روز تک توپ و تفنگ کے ذریعہ مدافعت جنگ کرتے رہے۔ آخر کار مرہٹوں نے ایک کثیر رقم نجیب الدولہ سے حاصل کر کے

خفیہ طور پر صلح کر لی اور بموجب قرارداد صلح نجیب الدولہ کو یہ موقع دیدیا کہ وہ اپنا مال و متاع لیکر دہلی سے سہارن پور کو روانہ ہو جائیں۔ غازی الدین خاں دہلی میں داخل ہو گیا۔ اور بادشاہ کو اس سے دوبارہ خلعت و وزارت دینا پڑا۔ غازی الدین خاں کے خوف سے شاہزادہ عالی گھر ولیعہد سلطنت نواب نجیب الدولہ کے پاس دہلی سے چلے آئے اور ان کے ہمراہ آٹھ سپینے تاک قیام کر کے براہ مراد آباد و بریلی بنگال کو روانہ ہو گئے۔

شاہزادہ عالی گھر کا ورود بریلی دہلی کے اخبار کے ذریعہ جب حافظ الملک کو یہ اطلاع ہوئی کہ شاہزادہ عالی گھر بریلی سے گزریں گے تو اس وقت وہ خود داسن کوہ میں تھے۔ اس لئے اپنے بڑے لڑکے عنایت خاں کو جو بریلی میں مقیم تھے لکھا کہ شاہزادے کے وہاں پہنچنے کے وقت استقبال کر کے بطور مناسب حال سلاطین کو از مہمانداری بجالائیں۔ چنانچہ جب شاہزادہ عالی گھر بریلی کے قریب پہنچے تو عنایت خاں نے پیشوائی کی اور رسم آداب و کورنش بجا لاکر خاص شہر میں ان کو ملائے اور دیوان مان رائے کی آراستہ و پیراستہ عویلی میں اتارا۔ شاہزادے صاحب اپنے دوران قیام بریلی میں شاہ دانانولی کے مزار پر بھی فاتحہ خوانی کی غرض سے تشریف لے گئے۔ جب بریلی سے رخصت ہونے لگے تو عنایت خاں نے چوبیس گھوڑے۔ ایک ہاتھی۔ چند ہزار روپیہ نقد۔ نیچے۔ ظروف۔ سامان یا بر داری۔ اور دیگر اسباب ضروری حافظ الملک کی طرف سے پیش کش کیا۔ نیز کچھ نقد و جنس اپنی طرف سے بھی نذر کر کے تین کوں تک ہمراہ رکاب جاکر واپس آئے۔

۱۰ دیوان مان رائے کی عویلی مکڑہ ان رائے کے نام سے بریلی میں موجود ہے۔ قدیم عمارت سے صرف ایک خوبصورت پھاٹک لب مرٹک قلعہ باقی ہے۔

۱۱ شاہ دانانولی کا مقبرہ بریلی میں شکر تہیں واقع ہے۔ نہایت صاحب کرامت اور زبردست بزرگ مانے جاتے ہیں۔ مقبرہ اور اس کے متعلق مسجد اچھی حالت میں ہے۔ حجرات کے روز بڑی رونق ہوتی ہے۔ قریب ہی شاہدانہ نام کا ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ شاہ دانانولی کا مقبرہ مکندر رائے نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی راجہ مکندر رائے نے بریلی میں مسلمانوں کی جامع مسجد ۱۶۶۷ء میں بنوائی تھی۔ (مؤلفہ)

مرہٹوں کا نجیب الدولہ پر حملہ
جنگ سکرتال

غازی الدین خاں نے دوبارہ وزارت ملہا راؤ اور گھنٹا قدر او
مرہٹہ سرداروں کی امداد سے حاصل کی تھی اس لئے جب وہ دہلی
میں داخل ہوئے تو مرہٹے بھی ان کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے وہاں اپنا خوب اثر جمایا۔ دہلی سے
فرصت پا کر مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کیا اور ابدالی گورنر کو مع اس کی سکھ فوج کے شکست دیکر
مئی ۱۷۵۷ء میں دریائے اٹک تک تمام پنجاب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہندوستان
میں اٹک سے کٹک تک مرہٹوں ہی کا ڈنکا بجتا تھا۔ اپنے دوست مرہٹوں کی مذکورہ طاقت
کو دیکھ کر غازی الدین خاں نے موقع کو غنیمت جانا اور جس طرح صفدر جنگ نے فرخ آباد
اور روہیل کھنڈ کو تباہ کر لیا تھا اسی طرح انہوں نے نجیب الدولہ کا پورا پورا استیصال کرنے کی
غرض سے مرہٹوں سے امداد طلب کی۔ مرہٹے پہلے ہی سے سارا ہندوستان فتح کرنے کی فکر
کر رہے تھے۔ نجیب الدولہ۔ حافظ الملک اور شجاع الدولہ وغیرہ کی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں
اس لئے انہوں نے غازی الدین خاں کی تحریک امداد کا خیر مقدم کیا۔ اور رگھو بابا کا نائب و نائیب
سوا لاکھ فوج کے ساتھ نجیب الدولہ پر حملہ آور ہو گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ایک سردار
گوبند رائے پنڈت کو حکم دیا کہ وہ گنگا آنر کر رہیلوں کے ملک کو ٹوٹ لے۔ چنانچہ گوبند رائے
نے امر وہہ تک تمام ملک کو ٹوٹ لیا۔ ایک ہزار تین سو گاؤں جلا دئے اور نجیب الدولہ کی
رسد بالکل بند کر دی۔ نجیب الدولہ نے بھی اس حملہ کی خبر سن کر نجیب آباد سے روانہ ہو کر
مقام سکرتال ضلع مظفرنگر میں اپنے مورچے لگائے۔ اور مرہٹوں سے مدافعتانہ جنگ میں
مشغول ہو گئے۔

حافظ الملک سے نواب
نجیب الدولہ کی طلب امداد

لیکن تنہا اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر انہوں نے ایک خط
تواحد شاہ درانی کو لکھا کہ یہ وقت مدد کا ہے ورنہ ہندوستان
سے مسلمانوں کا نام و نشان گم ہونے والا ہے۔ اور ایک خط حافظ الملک کو لکھا جس میں
مرفوم تھا کہ۔

”عماد الملک غازی الدین خاں نے چند لاکھ روپیہ دنا سیندھیا وغیرہ سردارانِ مرہٹہ کو دے کر ان کی فوج کو جو تھکاوٹ میں موروثی سے زیادہ ہے۔ دکن سے طلب کیا ہے۔ اور میری بربادی کے درپے ہے۔ چونکہ میں فوجِ مرہٹہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں لڑائی کی طاقت نہیں رکھتا ہوں لہذا سکر تال میں مورچہ لگا کر آپکی مدد پہنچنے تک دفع الوقتی کر رہا ہوں“

اس خط کے پہنچنے پر حافظ الملک کافی فوج کے ساتھ فوراً سکر تال کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے شجاع الدولہ کو بھی اس جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی اور لکھا کہ اگر مرہٹے نجیب الدولہ اور ہم پر فحشیا ب ہو گئے تو وہ آپکے ملک پر بھی چڑھائی کریں گے اس لئے۔ مع

”علاجِ واقعہ پیش از وقوع باید کرد“

شجاع الدولہ نے کمال دور اندیشی حافظ الملک کی اس دعوت کو قبول کیا۔ عین موسمِ برسات میں لکھنؤ سے چلکر شاہ آباد پہنچ گئے اور دریا کی طغیانی کم ہونے کا انتظار کرتے گئے۔ جب طغیانی کم ہوئی تو اس اثنا میں دنا سیندھیا نے شجاع الدولہ کے شریکِ جنگ ہونے کے ارادے سے اطلاع پائی اور تیس ہزار فوج کے ساتھ گوبند پنڈت کو دریا عبور کر کے شجاع الدولہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چاند پور کے قریب شجاع الدولہ نے اپنی گوشائیوں کی فوج سے گوبند پنڈت کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دیکر دریا کو عبور کر لیا۔ اور حافظ الملک کی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حافظ الملک مع شجاع الدولہ مقامِ حسن پور پہنچے جہاں ہر کاروں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ سکر تال کے قریب مرہٹوں نے ہل بنا لیا ہے اور عبور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس خبر کو سن کر حافظ الملک نے بخشی سردار خاں کو چار ہزار فوج کے ساتھ فوجِ ہراول کے طور پر اور دو اور رسالداروں کو فوجِ ہراول کے چند اول کے طور پر لشکر سے پہلے روانہ کیا اور حکم دیا کہ بڑے لشکر کے پہنچنے تک سکر تال کے مقابل دریا کے کنارے پڑاؤ

ڈال دیں۔ بخشی سردار خاں نے مطابق حکم عمل کیا۔ لیکن چونکہ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی اس لئے بخشی مذکور کو محصور ہو کر جنگ میں مشغول ہونا پڑا بخشی جی کے محصور ہونے کی خبر فوج چنداول کے رسالداروں کو ملی تو فوراً مدد کو دوڑ آئے اور مرہٹوں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس امدادی فوج کے آنے سے مرہٹوں کو بھاگنا پڑا اور گنگا پار اتر گئے۔ حافظ الملک کو ان حالات کی اطلاع ملی تو گنگا کے کنارے پہنچے اور سکرتال کے مقابل خیمہ ڈال کر دریائے پار کرنے کی فکر کرنے لگے۔ جب مرہٹوں نے حافظ الملک اور شجاع الدولہ کی فوجوں کے نجیب الدولہ کے شریک ہو جانے کا امکان دیکھا تو ایک مرتبہ اور اپنی تمام فوج کو اکٹھا کر کے حافظ الملک سے مقابلہ کی غرض سے دریا سے اُتار دیا۔ اس فوج کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ اس سے مقابلہ کر کے فتحیاب ہونے کی تمام امید حافظ الملک اور شجاع الدولہ کو منقطع ہو گئی۔ اس نازک موقع پر نائبہ آسمانی ان کے حال پر نازل ہوئی اور احمد شاہ دُرانی کی اس سرزمین پر آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا مصویرین سکرتال اور حافظ الملک کے شکروں میں خوشی کے شادیاں بچھنے لگے۔ اور وٹاپٹیل وغیرہ سرداران مرہٹہ کے اس خبر کے سننے سے ہوش اُڑ گئے چنانچہ سکرتال کے محاصرہ اور حافظ الملک وغیرہ سے لڑنے کے ارادے سے دست کش ہو گئے۔ اور شاہ دُرانی کو روکنے کے لئے لاہور کی طرف کوچ کر دیا۔

عالمگیر ثانی کا قتل غازی الدین خاں عماد الملک مرہٹوں سے علیحدہ ہو کر دہلی واپس گئے۔ اور اس خیال سے کہ احمد شاہ دُرانی کے آنے پر بادشاہ عالمگیر ثانی میری تمام بدکرداریوں کی ان سے شکایت کریں گے اور نجیب الدولہ کو دوبارہ عروج نصیب ہوگا۔ اس لئے انتظام الدولہ خانخانان اور بادشاہ کو قتل کر دینے کی دل میں ٹھان لی۔ اس زمانہ میں پجارت بیکس بادشاہ عالمگیر ثانی سلطنت کے کاموں سے ہاتھ اٹھا کر خلوت نشینی میں بسر اوقات کر رہا تھا۔ فقرا پر اعتقاد تھا۔ ایک روز غازی الدین خاں کے شریک سازش مہدی علی خاں نے بادشاہ سے آکر عرض کیا کہ ایک قابل زیارت درویش کامل فیروز شاہ کے کولہ میں

وارد ہوئے ہیں ان کی کشف و کرامات کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ بھولا بھالا بادشاہ ہمدی علی خاں کی افترا پر دازی سے بے خبر تھا۔ تنہا فقیر بکر امت کی زیارت کو روانہ ہو گیا جب پہلے دروازہ پر پہنچا تو ہمدی علی خاں نے تلوار ہاتھ سے لے لی پر وہ اٹھا کر اندر لے گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مرزا بابر بادشاہ کا داماد ہمارا تھا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ایک آدمی کو زخمی کیا مگر اس کو چند آدمیوں نے مغلوب کر کے اور بادشاہ کے محافہ میں بٹھا کر سلیم گڑھ کے قلعہ کو روانہ کر دیا۔ بادشاہ اندر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ موت کے فرشتوں سے مقابلہ ہے۔ چار اوزرباک ننگی تلواریں لے کر بادشاہ پر چل پڑے۔ سر کو تن سے جدا کر دیا۔ اور تن بے سر کو جہنا کے ریت پر پھینک دیا۔ بد معاشوں نے لاش پر یہ ظلم کیا کہ اس کے کپڑے اتار کر لے گئے۔ کئی روز بعد بادشاہ کی لاش ہاویوں کے مقبرہ میں دفن ہوئی۔

تاریخ ہندوستان کا یہ درد انگیز واقعہ نومبر ۱۵۵۷ء میں واقع ہوا۔ عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد غازی الدین خاں نے شہنشاہ اورنگ زیب کے ایک پوتے کو تخت پر بٹھا کر شاہجہاں خانی کا خطاب دیا۔ مگر اس بادشاہ کو کسی نے بادشاہ نہ مانا کیونکہ شاہزادہ عالی گرولی عہد سلطنت بقید حیات اطراف بنگال میں موجود تھا۔ غازی الدین خاں نے چند روز مہلتی میں ٹھہر کر احمد شاہ دُرانی کے مقابلہ میں مرہٹوں کے فحیاب ہونے کا انتظار کیا۔ لیکن جب یہ سنا کہ شاہ دُرانی کے ایک سے اترنے ہی مرہٹے پنجاب چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تو خود بھی نہایت خوف و ہراس کے عالم میں سورج مل کے پاس جا کر پناہ گزین ہو گیا۔

احمد شاہ دُرانی کا چوتھا حملہ اس انتشار میں نواب نجیب الدولہ کو شاہ دُرانی کے پنجاب پر قابض ہو جانے کی خبر متحقق ہو گئی تو ان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ حافظ الملک بخشی سردار خاں وغیرہ کو روہیل کھنڈ کی حفاظت کی غرض سے روانہ کر کے تھوڑی سی فوج

کے ساتھ وہیں مقیم رہے اور شجاع الدولہ اودھ کو واپس ہو گئے۔ جب حافظ الملک نے سنا کہ شاہ درانی نے جمناکو عبور کر لیا تو خود بھی گنگاکو عبور کر کے دوآبہ میں حضور شاہی میں باریاب ہوئے۔ اور گوناگوں عنایات خسروانی سے سرفراز ہوئے۔ نجیب الدولہ اور حافظ الملک کے حاضر ہونے کے بعد احمد شاہ درانی دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور وزیر آباد کے قریب دریائے جمناکو عبور کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ خبر سن کر دناپٹیل اور اس کا بھتیجا بھنگوچی ایک فوج کثیر کے ساتھ دریا کے اس پار میدان باولی میں جو دار الخلافہ دہلی سے بہت قریب ہی صاف آرا ہوئے۔ بادشاہ نے دریائے کنارے پہنچ کر حکم دیا کہ توپ خانہ کے اونٹوں کو ساحل دریا پر بٹھا کر گولوں کی بارش سر کریں۔ اس حکم کے پانے پر ابدالیوں نے ایسی شدید گولہ باری کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مرہٹہ فوج گرد و بر د ہو گئی۔ ساتھ ہی ایسا اتفاق ہوا کہ ایک گولہ خاص دناپٹیل کے سر پر گر جس سے اس کا فوراً کام تمام ہو گیا۔ سردار کے مارے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کے رہتے سے جو اس بھی جانے رہے اور ان میں بھاگ کر مچ گئی۔ اس وقت شاہ درانی نے حکم دیا کہ سواران و لائٹی ایک ایک پیادے کو حافظ الملک اور نجیب الدولہ کی فوج سے اپنے گھوڑے پر بٹھال کر دریاکو عبور کریں اور دہلی تک مفروہین کا تعاقب کریں۔ چنانچہ سواران و لائٹی نے اپنے گھوڑوں کو تیرا کر دریاکو عبور کیا اور مرہٹوں کو دہلی تک قتل و غارت کرتے ہوئے چلے گئے۔ دوسرے روز شاہ درانی۔ نجیب الدولہ اور حافظ الملک بافتح و نصرت شہر دہلی میں داخل ہوئے۔ اس فتح کی غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تاریخ لکھی ہے۔

کر و سلطان عصر درانی ۛ قتل دناہ تیج دشمن کاہ

گفت تاریخ این ظفر آزاد ۛ نصیرت بادشاہ عالی جاہ

شاہ درانی نے دہلی میں داخل ہو کر وہاں کے نظم و سن کو درست کیا۔ شاہجہاں ثانی

ہی کو بالفعل تخت سلطنت پر متمکن رہنے دیا اور اپنی طرف سے یعقوب علی خاں بہمن زانی کو قلعہ دار مقرر کیا۔ بعد ازاں شاہ دُرّانی نے سنا کہ بھنگو جی نے روپیل کھنڈ کا رخ کیا ہے لہذا حافظ الملک کو اپنے ولایتی لشکر کی حفاظت و نگرانی پر چھوڑ کر خود ایک فوج جوار کے ہمراہ بطور یلغار مرہٹوں کی تنبیہ کی غرض سے روانہ ہوئے اور مقام نارنول کے قریب پہنچ کر مرہٹوں کو شکست فاش دی اسی وقت بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ملہار راؤ ہلکر سکندرہ تک آ گیا ہے اور سورج مل جھاٹ سے موافقت پیدا کر رہا ہے تاکہ دونوں ملکہ ابدالیوں کو اٹاک کے پار بھگا دیں۔ اس خبر کے ملتے ہی شاہ دُرّانی نے شاہ پسند خاں اور شاہ قلندر خاں اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ ہلکر کے لشکر پر حملہ کر دیں۔ یہ دونوں سردار پندرہ ہزار فوج کے ساتھ شتر پیل کا سفر طے کر کے ہلکر کے سر پر پہنچ گئے۔ اور اس کے لشکر میں ابا ہاٹ مچایا کہ

”وہ مہم تین سو سواروں کو جو گھوڑوں کی نیگی پیٹ پر سوار تھے ساتھ لے کر بھاگ گیا“

باقی اس کا لشکر مارا گیا یا قید ہوا اور تمام اسباب ابدالیوں کے ہاتھ لگا۔ ہلکر بھی شکست ہو گئی تو شاہ دُرّانی نے سورج مل جھاٹ کی تنبیہ کا ارادہ کیا۔ اور کوچ پر کوچ کر کے سورج مل کے مقبوضات کو مل وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چونکہ موسم برسات سر پر آ گیا تھا اس لئے اپنی چھاؤنی کو مل ہی میں ڈال دی۔

حافظ الملک کا شاہ دُرّانی کے حکم سے پندرہ روز کے بعد حافظ الملک بھی ولایتی لشکر اور اس سورج مل سے زریپیش کش وصول کرنا کے خیمہ و غمر گاہ کے ساتھ ہنور شاہی میں پہنچ گئے اور شاہ دُرّانی کے حسب الحکم زریپیش کش سورج مل سے وصول کرنے کے لئے کوئل سے بھرت پور روانہ ہوئے۔ سورج مل کے پاس چونکہ بہت کثیر قواعد و اداں فوج اور بہت سے مضبوط قلعے تھے

اس لئے زیرِ پیش کش کی ادائیگی میں لیت و لعل کیا لیکن حافظ الملک نے کلماتِ نصیحت آمیز اور خوف ورجا کے الفاظ میں اس کو سمجھا بھگا کر ہموار کر لیا۔ بہت سارے وہیہ اس سے وصول کر لیا اور حضور شاہی میں آکر موردِ تحسین و آفرین ہوئے۔

کار ہا راست کند عاقل کامل بسخن چہ کہ بصدرش کبر حیرت آری بیستر نشود

دربارِ شاہِ دُرّانی میں حافظ الملک چنانچہ اسی قسم کی خدماتِ شائستہ سے شاہِ گوہرِ شاماس کی قدر و منزلت

کہ محفلِ شاہی میں انیس و جلیس بن گئے۔ اکثر رات کے وقت بادشاہ کے خزانِ نعمت پر خاصہ تناؤ فرماتے تھے۔ اور دیوانِ خاص میں بادشاہ کے حضور میں بیٹھتے تھے۔ یہ مرتبہ سوائے اشرف الوزار شاہ ولی خاں کے کسی دوسرے ولایتی یا ہندوستان کے امیر و وزیر کو حضور شاہ میں حاصل نہ تھا۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ پچھلی مرتبہ احمد شاہِ دُرّانی کی واپسی ولایت کے بعد احمد خاں بگش نے نوابِ نجیب الدولہ کی تحریب اور عالمگیر ثانی کی مغزولی میں غازی الدین خاں عماد الملک کی امداد کی تھی۔ اسی طرح شجاع الدولہ احمد شاہ ابدالی کے قیامِ ہندوستان کو عارضی سمجھ کر ہٹوں سے زیادہ دشمنی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس لئے جنگِ سگرتال کے بعد مرہٹوں سے انھوں نے دوبارہ ساز باز کر لیا تھا۔ اور ان سے نامہ و پیام کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہ واقعات احمد شاہِ دُرّانی کے علم میں بھی آ گئے تھے اس لئے انھوں نے مرہٹوں اور جاٹوں سے فراغت پانے کے بعد یہ چاہا کہ احمد خاں بگش اور شجاع الدولہ سے آئندہ موافقت یا مخالفت کا مسئلہ صاف کر لیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے فرامینِ شاہی جاری ہوئے۔

حافظ الملک کی وساطت سے نواب احمد خاں بگش احمد خاں بگش کو جب فرمانِ اطاعت پہنچاؤ کی شاہِ دُرّانی سے موافقت وہ حافظ الملک کو شرفِ ملازمت حاصل

کرنے کا ذریعہ بنا کر اکتوبر ۱۷۷۷ء میں لشکر شاہی میں آئے جو اس وقت انوپ شہر میں تھا۔ حافظ الملک کی وساطت سے حضور شاہی میں حاضر ہوئے اور بادشاہ نے ان پر بہت کچھ عنایات مبذول کیں۔ شجاع الدولہ سے معاملہ کرنے کی خدمت نواب نجیب الدولہ کے سپرد کی گئی اور وہ ہمراہ اٹاواہ قنوج پہنچ گئے۔ شجاع الدولہ ان سے ملاقات کرنے کے لئے مہدی پور مضامات ملاوہ تک آئے اور بعد استحکام عہد و پیمان اپنے لڑکے مرزا امانی کو اوڈھ میں اپنا نائب مقرر کر کے دکن ہزار فوج کے ساتھ نجیب الدولہ کے ہمراہ حضور شاہ میں حاضر ہو گئے۔ جب بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو وہ احمد خاں کی طرح شجاع الدولہ سے بھی بہت مہربانی سے پیش آئے اور ان کو مع فوج اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ اس طرح شمالی ہند کے تمام بڑے حکمران اور آخر شاہ عین احمد شاہ درانی سے متفق ہو گئے اور سب نے ملکر یہ تہیہ کیا کہ شاہ موصوف کی قیادت سے فائدہ اٹھا کر جس طرح بھی ہو ہندوستان جنت نشان کو مرہٹوں کے وجود سے پاک کر دیں اور اس سرزمین کے رہنے والے مسلمانوں کو ان کی آئے دن کی ٹوٹ کھسوٹ اور ناخست و تاراج سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دیں۔

(۱۷)

جنگ پانی پت میں حافظ الملک کی شرکت

جس وقت دتاجی کے قتل اور ہلکے کی بربادی کی خبر دکن میں بالاجی پیشوا کو پہنچی تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے قسم کھانی کہ جب تک وہ احمد شاہ درانی سے انتقام نہ لے لے گا اور خاندان بابر یہ کا خاتمہ کر کے تختِ دہلی پر قبضہ نہ کر لے گا چہن سے نہ بیٹھے گا۔ اس زمانہ میں پیشوا کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا اور اس کی سرداری میں مرہٹوں کی عملداری کو جو وسعت حاصل تھی وہ نہ کبھی اس سے پہلے ہوئی اور نہ اس کے بعد حاصل ہوئی اس کی شمالی سرحد اٹک اور بہالیہ کے پہاڑ تھے اور جنوبی حد جزیرہ نمائے دکن کے پھلے سرے تک یعنی سمندر تک تھی۔ جو جو ملک ان حدود کے درمیان خارج از حکومت تھے وہ باج گزار تھے۔ اب وہ صرف لٹیرے ہی نہیں رہے تھے بلکہ ان میں شانِ شاہانہ بھی پائی جاتی تھی۔ بڑی بڑی عمدہ تنخواہ کے سپہ سالار نوکر تھے اور دس ہزار قواعد و اسپاہ فرنگستان ان کے پاس تھے۔

دتا کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بالاجی نے عین موسمِ برسات میں اپنے چچا زاد بھائی سردار شیور او بھاؤ اور اپنے لڑکے بسو اس راؤ کو بڑے کروفر کے ساتھ مع تمام دوسرے مشہور سردارانِ مرہٹہ کے ہمراہ شمالی ہند کو روانہ کیا۔ لشکر کے ساتھ فرنگستانی طرز پر قواعد و اسپاہی کا آئینہ و وہ اور بہت بڑا توپ خانہ بھی تھا جس کا افسر ٹیسی فرانسسیسی کا شاگرد مشید ابراہیم گروی تھا جب

۱۔ تاریخ ہندوستان۔ مولوی ذکار اللہ خاں صاحب جلد پنجم۔

یہ لشکر اس شان و شوکت سے اکبر آباد میں پہنچا تو سورج مل جات ہلکری کی وساطت سے تیس ہزار سوار لے کر شربک ہو گیا۔ اثنائے راہ میں بکثرت راجپوتوں کی فوجیں بھی شامل ہوتی گئیں۔ مٹھرا میں عماد الملک نے بھاؤ کی رفاقت اختیار کی اور یہ سب اکٹھے ہو کر جھنکو اور ملہا ر راؤ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ چونکہ موسمِ برسات میں جہنا پار کرنا اور احمد شاہ درانی سے لڑنا مشکل تھا۔ اس لئے بھاؤ نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے دہلی پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ چنانچہ مرہٹے دہلی میں داخل ہوئے اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ یعقوب علی خاں بہمن زانی قلعہ دار نے مقابلہ کیا۔ اور کچھ مرہٹے حضری دروازہ توڑ کر قلعہ میں داخل ہوئے تو درانیوں نے ان کو مار کر نکال دیا۔ پھر ابراہیم کر دی نے جھروک کی طرف سے توپ کے گولے مار کر دیوان خاص اور رنگ محل کو کئی جگہ سے توڑ پھوڑ دیا۔ آخر کار یعقوب علی خاں زیادہ عرصہ تک تاب مقاومت نہ لاسکا اور قلعہ کو مرہٹوں کے حوالے کر کے خود شاہ درانی کے پاس چلا گیا۔ مرہٹوں نے قلعہ میں داخل ہو کر خوب لوٹ مار مچائی۔ حتیٰ کہ دیوان خاص کی نقری پھت کو بھی اُدھڑا لیا۔ قدم شریف اور حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں جو سونے چاندی کا اسباب تھا وہ بھی لے لیا۔ اسی طرح مرہٹوں نے برسات کا موسم دہلی میں گزارا۔ جب برسات ختم ہوئی تو وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا اس وقت بھاؤ نے چاہا کہ لبو آس راؤ پسر بالاجی راؤ پیشوا کو تخت دہلی پر بٹھا دے۔ مگر لوگوں نے صلاح دی کہ پہلے شاہ درانی کے محضے سے فرصت پالینی چاہئے۔ بھاؤ نے اس صلاح کو پسند کیا۔ اور شاہجہاں ثانی کو معزول کر کے مرزا جواں بخت خلف شاہ عالم عالی گھر کو تخت پر بٹھا دیا اور شجاع الدولہ کو نائبانہ وزیر مقرر کیا تاکہ احمد شاہ درانی ان سے بدگمان ہو جائیں۔ بھاؤ کی ان حرکات سے سورج مل ناراض ہو گیا۔ اور اپنے قلعہ بلب گڑھ میں تماشہ دیکھنے کے لئے جا بیٹھا۔ دہلی کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد مرہٹے اول کنج پورہ کی طرف متوجہ ہوئے

جہاں عبدالصمد خاں ابدالی اور میمن خاں۔ احمد شاہ درانی کی طرف سے تھانہ دار تھے اور شاہی لشکر کو رسد پہنچاتے تھے۔ کنج پورہ کا اصلی زمیندار نجابت خاں تھا اور وہ مرہٹوں سے ساز باز رکھتا تھا۔ اس نے عبدالصمد خاں وغیرہ کو میدان میں لڑنے کی ترغیب دی اور خود کنج پورہ کا حصار کر کے قلعہ داری میں مصروف ہو گیا۔ عبدالصمد خاں کے پاس اگرچہ فوج تھوڑی تھی لیکن وہ نجابت خاں کے اغوا سے بڑی بڑی جگہ سے قلعہ سے باہر نکل کر افواج مرہٹہ پر حملہ آور ہو گیا۔ حرلیٹ کی فوج کثیر التعداد تھی اس لئے اس کو پسپا ہونا پڑا۔ اور وہ جنگ کرتا ہوا قلعہ کے دروازے پر واپس آ گیا۔ نجابت خاں غدار نے قلعہ کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور فصیل قلعہ سے توپوں کی بارش مارنے لگا۔ عبدالصمد خاں بچاؤ مجبوراً قلعہ سے دوہڑھٹ گیا۔ زندگی سے مایوس ہو کر مرہٹوں ہی کی فوج پر حملہ آور ہو گیا۔ اور داؤد شجاعت دے کر مع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کی خبر احمد شاہ درانی کو پہنچی تو ان کا غصہ بڑھ گیا۔ اور سرداران ہندوستان کو حکم دیا کہ بہت جلد اپنی اپنی فوجیں طلب کر لیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام امرا کی فوجیں اکٹری کر شاہی سے جا کر مل گئیں۔ جب فوجوں کی ترتیب ہو گئی اور سامان سفر مہیا ہو گیا تو شاہ درانی نے مرہٹوں کے لشکر کی طرف کوچ کیا۔ اس وقت بادشاہ کے ساتھ ولایتی اور ہندوستانی فوج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً بیس ہزار سوار جبکہ شاہ درانی کے ساتھ تھے جو کابل سے آئے تھے اور اسی قدر سوار و پیادے حافظ الملک اور ان کے رسالداروں کے ہمراہ تھے۔ ہندو ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت نواب نجیب الدولہ کی تھی۔ تقریباً بیس ہزار فوج شجاع الدولہ کے ساتھ آئی تھی اور چھ ہزار پیادہ و سوار احمد خاں بگلش اپنے ہمراہ لائے تھے۔ شاہ درانی اس تمام فوج کے ساتھ روانہ ہوئے اور منوا تر منزل بہنزل دریائے گنگا کے کنارے پہنچے

چونکہ دریا پایاب نہ تھا اس لئے انھوں نے حافظ الملک اور احمد خاں نگیش - شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ اور اپنی فوج کے عبور کے لئے تین پل تیار کرنے کا حکم دیا۔ پل تیار ہو گئے تو کل لشکر بغیر کسی مزاحمت کے دریا پار ہو گیا۔ بہاؤ وغیرہ سرداران مرہٹہ کو شاہ درانی کے دریا اترنے کی اطلاع ملی۔ تو اپنی زبردست فوج کے ساتھ جو تین لاکھ سوار و پیادہ سے زیادہ تھی کچھ پورہ سے روانہ ہو کر پانی پت پہنچ گئے اور شہر کو اپنے پس پشت کر کے جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اسی طرح احمد شاہ درانی کی فوج لشکر مرہٹہ سے چند کوس کے فاصلہ پر میدان پانی پت میں خیمہ انداز ہوئی پہلے ہی دن سے دونوں لشکروں کے ہر دلوں میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع ہو گئیں اور ہر ایک جھڑپ میں شاہی فوج مرہٹوں پر غالب ہو جایا کرتی تھی اس صورت حال کو مشاہدہ کر کے بھاؤ وغیرہ کو سواران ولایتی کی چابک دستی سے اپنی شکست کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اور آپس میں مشورہ کیا کہ کچھ عرصہ تک کسی بڑی لڑائی کو ملتوی کر کے پہلے شاہی لشکر کی رسد روکنا چاہئے۔ یہ ارادہ کر کے مرہٹوں نے اپنے لشکر کے چاروں طرف پچاس فیٹ چوڑی اور بارہ فیٹ گہری ایک خندق کھدوا کر ابراہیم گردی کو اس کے قلعہ شکن توپ خانہ کے ساتھ خندق کی حفاظت پر متعین کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر چار پانچ جانباز سرداران مرہٹہ لشکر شاہی کی رسد روکنے کی دوڑ دھوپ میں مشغول ہوئے مرہٹوں کی دیکھا دیکھی احمد شاہ درانی نے بھی جنگل کے پیڑ کٹوا کر اپنے لشکر کے گرد ایک حصار تیار کر لیا اور ہندوستانی امرا کو لشکر غنیم کے ہر دلوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیکر چند ولایتی سرداروں کو اپنے لشکر کے لئے غلہ کی فراہمی اور مرہٹوں کی رسد روکنے کے لئے روانہ کر دیا اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر میں غلہ کا ایک دانہ تک پہنچاؤ دشوار ہو گیا۔

۱۵ گل رحمت اور نارنج نجیب آباد مولفہ مولانا اکبر شاہ خاں میں مرہٹوں کی فوج کی تعداد چار پانچ لاکھ کے درمیان لکھی ہے۔ نواح پانی پت کے عوام الناس یہ مشہور کرنے ہیں کہ پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے نولاکھ تیرے تھے۔

۱۶ ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔

پشتِ لشکر سے آلا جاٹ زمیندار سرہند کچھ عرصہ تک ضرور غلہ بھیجتا رہا۔ مگر ڈرائی اس پر بھی جاگڑے اور مرہٹوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔

روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کے حملہ کا اندیشہ مرہٹوں کو جب یہ یقین ہو گیا کہ بادشاہی لشکر میں رسد اور اس کی روک تھام روہیل کھنڈ سے آتی ہے تو بھاؤ نے گوبند پنت بند پٹے کو لکھا کہ وہ اس کے روکنے کا انتظام کرے۔ گوبند پنت حسبِ احکام پچیس ہزار فوج کی جمعیت ساتھ لیکر دریائے جمن کے کنارے پہنچ گیا اور غلہ کی جو رسد روہیل کھنڈ سے دو آہ میں سے ہو کر گذرتی تھی اس کا راستہ سدود کر دیا۔ حتیٰ کہ اس رسد کے نہ پہنچنے کے باعث لشکر شاہی میں غلہ کی اس قدر گرانی ہو گئی کہ رفتہ رفتہ ہر جنس روپیہ کی ایک سیر ملنے لگی۔ رسد کے روکنے کی بیرونی کوششوں سے فارغ ہو کر گوبند پنت کو اندرون روہیل کھنڈ پر بھی حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس خبر کو سن کر حافظ الملک حضور احمد شاہ ڈرائی میں تشریف لے گئے اور جملہ حال بیان کیا۔ اُسی وقت کرم داد خاں اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم کا بھتیجہ حاجی عطائی خاں چھ ہزار دلائی افغانوں کے ساتھ افغانستان سے حضور شاہی میں حاضر ہوا۔ شاہ ڈرائی نے دونوں سرداروں کو حکم دیا کہ گوبند پنت کا سر فوراً ہمارے حضور میں حاضر کریں اور چند ہندوستانیوں کو ان کی رہنمائی کے لئے ساتھ کر دیا۔ یہ دونوں سردار جنہوں نے ابھی اپنے گھوڑوں کی پیٹھ سے زین تک نہیں اتاری تھی اسی طرح اپنے چھ ہزار دلائی سواروں کو ساتھ لے کر ڈیڑھ پہر دن رہے غازی نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو لشکر گاہ سے چالیس کوس کے فاصلے پر تھا۔ اس لشکر نے اول شاہدرہ میں لشکر راؤ قلعہ دار دہلی کے نائب کو قتل کیا۔ پھر غازی نگر میں مرہٹوں کی ایک بھاری جمعیت کو شکست دی۔ بعد ازاں علی الصباح جلال آباد میں جہاں گوبند پنت مقیم تھا پہنچ گئے اور مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے۔ لشکر غنیمت پر

ایسے ایسے سخت حملے کئے کہ اس کے دھویں اڑ اڑے اور گوبند پنت کا سر کاٹ کر مع بیشمار مال غنیمت آنا فانا میں منظر و منصور واپس ہو گئے۔ بغیر کسی پل یا کشتی کے دریا کو عبور کیا۔ اور اسی روز پہرہوں باقی رہا تھا کہ لشکر شاہی میں حاضر ہو کر گوبند پنت اور اس کے ہمراہیوں کے سر بادشاہ کے قدموں پر ڈال دئے۔ یہ لوگ عجب سوارانِ چابک دست تھے کہ چوبیس گھنٹے کی قلیل مدت میں اتنی کوس کی مسافت آمد و رفت طے کی۔ دو بار دریا کے جمنہ کو عبور کر کے دو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جیتیں اور ایک بڑا معرکہ سر کر کے بہت کچھ مال غنیمت کے ساتھ صحیح و سلامت واپس آ گئے۔

رسد کے از سر نو کھل جانے کے بعد احمد شاہ دُرّانی نے اپنی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ یہ سمجھا کہ بڑی لڑائی زیادہ سے زیادہ دیر میں شروع ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب محاصرے کو بہت دن گزر گئے تو مرہٹوں کے لشکر میں علاوہ رسد کی تنگی کے غلاطت اور نجاست بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ جس سے تنگ آ کر بھاؤ وغیرہ نے شجاع الدولہ کے ذریعہ کئی مرتبہ شاہ دُرّانی سے مصالحت کی سلسلہ جینائی کی۔ مگر ہر مرتبہ نواب نجیب الدولہ آڑے آ گئے اور صلح پر رضامند نہ ہوئے۔ ان کا یہ قول تھا کہ احمد شاہ دُرّانی کے چلے جانے کے بعد مرہٹے ہمارا نام نشان نہ چھوڑیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو تباہ کر دیں گے۔ پس اس وقت سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ یا تو مرہٹوں کو شکست دیکر ان کو تباہ کر دیں یا خود مرجائیں۔ اس زمانہ میں احمد شاہ دُرّانی نے خندق کے سامنے ایک سرخ نیمہ کھڑا کر لیا تھا۔ جس میں نماز اشراق پڑھنے اور شام کا کھانا کھاتے تھے۔ دن بھر گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کے پہروں کو مختلف مقامات پر دیکھتے بھالنے تھے۔ اور ہر روز پچاس

۱۵ سیر المتاخرین ۱۷ ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔

۱۸ تاریخ نجیب آباد سرفہ مولانا اکبر شاہ خاں

ساتھ میل سے کم نہ چلتے تھے۔ رات کا یہ عمل تھا کہ پانچ ہزار سواروں کا ایک بکٹ دشمن کی جانب جس قدر قریب ممکن ہوتا لگاتے تھے اور خود لشکر کے گرد پھرتے رہتے تھے۔

عنایت خاں کا جنگ میں
شہریاب ہونا

انھیں ایام میں حافظ الملک کے بڑے بیٹے عنایت خاں جن کی عمر عام روایات کے مطابق اس وقت صرف سولہ سال کی تھی اور جن کو حافظ صاحب اپنے نائب کے طور پر بریلی چھوڑ آئے تھے۔ پانی پت کے واقعات سن سن کر بے چین و بیتاب ہو گئے۔ اور شجاعت کے ننگ و ناموس نے ان کو آمادہ کیا کہ جس طرح بھی ہو اپنے آپ کو تاریخ ہندوستان کی اس عظیم الشان جنگ میں شریک کریں اور تفاعل کو بین اور آبروئے دارین حاصل کریں۔ چنانچہ اس ارادے کو اپنے ولیم ستھکم کے بخشی سردار خاں فتح خاں خانساں اور دیوان پہار سنگھ وغیرہ کی سخت مخالفت اور راستوں کے شدید خطرات کے باوصف و وسوسہ مخصوص فدا یوں کے ہمراہ قدم جرات اور گام شجاعت اٹھا کر پانی پت کو روانہ ہو گئے اور بہ قہجیل تمام خطرات راہ اور مشکلات منازل طے کر کے عین میدان جنگ میں اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حافظ الملک نے عنایت خاں کی اس جسارت پر بہت مضائقہ دیا اور اندیشی بظاہر ان کو کلمات عتاب آمیز سے مخاطب کیا۔ گو بہ باطن اپنے فرزند و بلند کے دیدار بھرت آئنا سے بہت خوش ہوئے۔ دوسرے روز حافظ الملک عنایت خاں کو شاہ درانی کی ملاقات سے شرف اندوز کرانے کے لئے دربار شاہی میں لے گئے۔ پہلی بات جو بادشاہ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمائی یہ تھی کہ۔

”اے عنایت خاں تو اپنے پیر والا شان کو دیکھنے کے واسطے آیا ہے یا افغانوں کی

شرم و آبرو بچانے کے لئے؟“

عنایت خاں نے جواب دیا کہ۔

”اگرچہ میرے بزرگوار کے دیدار میں انوار کی تمنا خاطر نشین تھی لیکن اصل آرزو جو اس امر کی محرک ہوئی وہ افغانوں کی شرم و اکبر تھی“

بادشاہ شجاعت پسند نے اس جواب کو سنا تو نہایت محظوظ ہوئے اور بہت تحسین و آفرین کرتے کے بعد ایک خلعت گراں بہا اور شمشیر و اسب مرحمت فرما کر عنایت خاں کو حکم دیا کہ برابر حضور معلیٰ میں حاضر ہوتا رہے۔ اس روز سے عنایت خاں ہمیشہ خباب سلطنت مآب کی خدمت میں پہنچ کر باریاب ہوتے اور فوازش ہائے گوناگوں سے سرفرازی پاتے رہتے تھے۔

مرہٹوں سے افغانانِ روہیل کھنڈ کی جھڑپ

کی جانب سے پیش قدمی کا انتظار اب ترک کر دیا تھا اور عنایت خاں کی دلیری

اور انھوں نے لھار راؤ ہکرا اور بھاؤ وغیرہ سرداروں کی قیادت میں ۲۹ - نومبر اور ۳۳ - دسمبر ۱۸۶۱ء کو شاہ ولی خاں وزیر اعظم پر دوشیدہ حملے کئے۔ ایک حملے میں وزیر کے گرفتار ہو جانے تک کا امکان ہو گیا تھا لیکن خود وزیر اور نجیب الدولہ کی دلیری سے دونوں حملوں میں مرہٹوں کو شکست ہو گئی۔ انہیں حالات میں ایک روز شب کو فتح خاں براہ رابر اہیم خاں کر دی نے حافظ الملک کے مورچہ پر شب خون مارا۔ لیکن افغانانِ روہیل کھنڈ بروقت بیدار ہو گئے اس لئے کچھ زیادہ نقصان نہ ہوا۔ صبح تک تلواریں چلتی رہی اور مرہٹوں کو شکست کھا کر واپس ہونا پڑا۔ افواجِ مرہٹہ کی ان دست درازیوں کے باوجود احمد شاہ درانی نے اپنے طریقہ عمل میں تبدیلی نہیں کی اور اپنی جانب سے مرہٹوں پر کچھ اور مزید عرصہ تک حملہ نہ کرنے کی رائے پر بڑے استقلال سے قائم رہے۔

لیکن نوجوان طبیعتوں میں حزم و احتیاط اور استقلال کا مادہ کہاں۔ ان کی طبائع پر توجش و خروش کا غلبہ ہوتا ہے۔ ہر روز ایک نئے ہنگامہ کی تلاش اور کوئی نیا کام

کرنے کی دُھن ہوتی ہے۔ لہذا عنایت خاں نے اس روزِ روزِ کی سردی محض سے تنگ آکر ایک دن اپنے ساتھ کسے سپاہیوں اور پنجب الدولہ کے لشکر کے کچھ نوجوانوں کو جمع کر کے حافظ الملک یا بادشاہ سے اجازت حاصل کئے بغیر خندق پھانڈ کر لشکرِ مہٹہ پر حملہ کر دیا۔ صد ہا مہٹوں کو جو بالکل بے خبری میں تھے مار کر ان کے بازار میں سیر کرنے لگے جب گھیر گھاڑ ہوئی تو وہاں سے بھاگ کر توپ خانہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر طبل بجانا اور افغانی گانا شروع کر دیا۔ یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ افغانوں کی یورش کی خبر سن کر چالیس پچاس ہزار مرہٹے ان پر ٹوٹ پڑے یہ بھی تعداد میں کئی ہزار تھے خوب لگساں کی لڑائی ہوئی ایک ایک افغانی نے دس دس کو مارا لیکن بالآخر مغلوب ہوئے اور صرف پانچ سوزخوں سے چور ہو کر مرہٹوں کے لشکر سے باہر جان بچا کر نکل سکے۔ جب اپنے لشکر میں آئے تو ان لوگوں کی عجیب ہیئت کذا فی ہقی۔ از ستر ناپا زخموں کے نشان تھے۔ خون میں نہائے ہوئے اور گرد آلود تھے لیکن لطف یہ ہے کہ اس حال میں بھی رقص کنناں تھے۔ اور دُورِ جوش میں قومی ترانے گارہے تھے۔ ان بہادروں کا گذر شجاع الدولہ کے خیمہ کے پاس ہوا تو وہ ان کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئے اور کہا ”آفریں آپ کی جرأت و بہادری پر اور یہ قطعہ پڑھا۔

سعدیار و زائل حسن بہ ترکاں داوند * عقل و دانش ہمہ بامردم یوناں داوند

خوبی و ناز و کرشمہ ہمہ بامردم ہند * جرأت و خود سری وہل بہ افخاں داوند

حافظ الملک کی والدہ کے انتقال کا اثر اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حافظ الملک کی خدمت ان کی شرکتِ جنگ پر

میں یہ خبر پہنچی کہ مرہم مکاری راہِ زما فی یعنی حافظ الملک

کی والدہ ماجدہ نے حافظ آباد (پہلی بھیت) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ احمد شاہ درانی نے اس سانحہ جانکاہ کو سن کر اپنے دربار کے تمام سرداروں کو اسی روز مرا سم تعزیت ادا کرنے

کی غرض سے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم نے اپنے بادشاہ والا جاہ کی طرف سے سخنانِ تسلی آمیز و تسفی انگیز ارشاد فرمائے اسی طرح تمام ہندوستانی اہلِ اہرام بھی حافظ الملک کے پاس آکر شریکِ غم ہوئے۔ تیسرے روز شاہ دُرانی نے حافظ الملک کو اپنے حضور میں طلب فرما کر خلعتِ تعزیت عنایت کیا اور بہت سے سخنانِ نصیحت آئینِ ارشاد فرمائے۔ دربارِ شاہی سے واپس آکر حافظ الملک نے اپنی والدہ مرحومہ حضور کی روح پر ایصالِ ثواب کی غرض سے بہت کچھ صدقہ و خیرات کیا۔ لیکن کثرتِ غموم و ہوم کا ان کے دل پر ایسا غلبہ ہوا کہ جسم پر گرانی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ چند روز تو طبیعت کو سنبھالے رہے اور حسبِ معمول گھوڑے کی سواری اور مورچوں کی خبرداری کرتے رہے۔ لیکن آخر کار تپِ محرقہ میں مبتلا ہو گئے اور دوسرے اس حد کو پہنچا کہ سہم ہو گیا۔ تین روز کے بعد تپ میں تخفیف ظاہر ہوئی لیکن دوسرے میں کمی نہ ہوئی کمزوری بھی حد درجہ کی ہو گئی۔ اسی دورانِ علالت میں ۷۔ جنوری ۱۱۷۱ھ کو پانی پت کا سحرِ عظیم پیش آیا۔ جس میں حافظ الملک شریک نہ ہو سکے ان کی جگہ عنایت خاں۔ دوندے خاں اور فیض اللہ خاں نے کام کیا۔

فیصلہ کن جنگ۔ عنایت خاں اور دیگر سرداروں کی جاں بازی و بہادری

۴۔ جنوری ۱۱۷۱ھ کو تمام سردارانِ مرہٹہ نے باہم مشورہ کیا اور ایک بڑی لڑائی کو آئندہ ٹالنے میں سوائے اپنی پریشانی اور خرابی کے کچھ فائدہ نہ سمجھ کر کھلے میدان میں ٹکڑے جنگ کرنے کا ارادہ کر دیا۔ تمام سرداروں نے پان کا بیڑا کھا کر لڑنے مرنے پر قسم کھائی اور سارے لشکر میں حکم سنایا گیا کہ کل صبح کو لڑائی ہے۔ پٹھانوں کی قلتِ تعداد اور اپنی کثرت کو دیکھ کر مرہٹوں کو بجا طور پر یہ امید ہوئی چاہئے تھی کہ ان کی ہی فتح ہوگی۔ لیکن نہ معلوم کیوں شکر مرہٹہ کے قائمِ اعظم بھاؤ کے دل پر حسرت و پاس کا ہجوم تھا اس لئے اس نے آدھی رات کے

وقت کا شی راؤ کے ذریعہ خاص اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط شجاع الدولہ کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ -

”اے پیالہ لبالب ہے ایک بوند کی اس میں سمائی نہیں۔ اگر بن پڑے تو فوراً
کچھ کیجئے“

خط کے ساتھ ہی شجاع الدولہ کو اپنے ہر کاروں سے یہ خبر ملی کہ مرہٹے حصار سے بھٹک کر میدان کی طرف بڑھ رہے ہیں اس خبر اور خط کو لیکر شجاع الدولہ سیدھے احمد شاہ درانی کے خیمہ میں گئے۔ اس وقت بادشاہ سو رہے تھے اور ان کا گھوڑا کسا کسایا بالکل تیار خیمہ کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ شجاع الدولہ نے ان کو بیدار کر کر مرہٹوں کے میدان جنگ میں روانہ ہونے کی خبر سنائی۔ بادشاہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے ساتھ دشمن کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہوئے اپنے کیمپ سے باہر آئے تو ایک ملازم کے ہاتھ میں خط تھا جس کو وہ پیتے جاتے تھے انھوں نے بچشم خود مرہٹوں کو میدان میں جمع ہوتے دیکھ کر شجاع الدولہ سے فرمایا کہ ”آپ کی اطلاع صحیح ہے“ اور اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت ایک پہر رات باقی تھی جس کو دونوں لشکروں نے اپنی اپنی تیاری میں بسر کیا۔

’کئی رات تدبیر و سامان میں * سحر ہو گئی آن کی آن میں‘

علی الصبح ۷۔ جنوری ۱۷۵۷ء کو سردار شیوراؤ بھاؤ نے فوج کی ترتیب مکمل کر کے بہکمال جاہ و خشم ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی فوج کو لشکر درانی کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ابراہیم خاں گروہی کو بے شمار توپ خانہ اور قریب قریب تمام پیادہ لشکر کے ساتھ آگے رکھا۔ باقی بڑے بڑے سرداروں کو میمنہ۔ میسرہ اور قلب لشکر میں متعین کیا۔ تھوڑی دیر میں سب سے پہلے ابراہیم خاں گروہی نے حافظ الملک کے مورچوں کی جانب ہنگامہ آرائی شروع کی۔ اس

کی وجہ یہ ہوئی کہ امراء ہندوستان کو جس روز سے حضور شاہ سے مورچہ بندی کا حکم صادر ہوا تھا۔ سب سرداروں نے باہمی صلاح و مشورہ سے مورچوں کی تقسیم آپس میں اس طرح کر لی تھی کہ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ ملہاراؤ ملہاراؤ جھنکر کے مقابل۔ اور حافظ الملک اور احمد خاں بنگلش وغیرہ ابراہیم خاں گردی اور چند دیگر سرداران مرہٹہ کے مورچوں کے مقابل متعین ہوئے۔ مورچوں کی اسی تقسیم کی بنا پر جب ابراہیم خاں گردی نے اپنے توپ خانہ کے ساتھ جنبش کی تو وہ اول اول حافظ الملک ہی کے مورچوں کی طرف متوجہ ہوا اور بیک وقت اپنی تمام توپوں کے منہ کھلوا کر آتشیں گولے برسانا شروع کر دیے۔ حافظ الملک کی جانب سے عنایت خاں۔ دوندے خاں اور فیض اللہ خاں وغیرہ ان کے مورچوں کی قیادت کر رہے تھے۔ یہ لوگ بھی مدافعت نہ جنگ میں کوشش کرنے لگے۔ اور ابراہیم خاں گردی کے قریب تر پہنچنے کے انتظار میں توپوں کی زد سے مقتولین و مجروحین کی کچھ پروا نہ کر کے نہایت ثبات و استقلال کے ساتھ میدان میں قدم جمائے رہے۔ ابراہیم خاں گردی فن گولہ اندازی میں گویا سحر سامی کا عامل تھا۔ توپ و گولہ کے قلعہ آتشیں کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ اور افغانوں کو پلک مارنے اور قدم اٹھانے کی فرصت نہ دی۔ چنانچہ ہزاروں افغانان روپہل کھنڈ کشتہ و مجروح ہوئے۔ اور اس پر آشوب وقت میں ہر اسی مہر و پریشان ہو کر پسا ہونے لگے۔ اور احمد خاں بنگلش سے جو گولوں کی زد سے کچھ ہٹے ہوئے متعین تھے جا ملے۔ نواب احمد خاں نے ان لوگوں کو وطن و تشنیع کر کے اپنے ہمراہ لیا اور عنایت خاں کی کمک پر جوہر اول شکر تھے روانہ ہوئے۔ ابھی عنایت خاں کے لشکر میں پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اس عرصہ میں عنایت خاں نے اپنے لشکر کی پریشانی دیکھ کر بہ سرعت تمام بڑی دلیری اور شجاعت کے ساتھ فوج غنیم پر چل کر دیا ان کے ہمراہیوں میں سے جو لوگ توپ و تفنگ کے

صف لشکرِ صدمات سے زندہ بچ سکے انھوں نے شمشیر و خنجر سے ایسی مردانہ کوشش کی کہ ابراہیم خاں گردی کی صفوں کو منتشر ہو کر اور توپ خانہ کو چھوڑ کر شکست کھانا پڑی۔ عنایت خاں اس کے توپ خانہ پر منحصر ہو گئے اور اسی توپ خانہ کو ان کے ہمراہی افغانوں نے دشمن پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بھاؤ وغیرہ جو ابراہیم خاں کی پشت پر کھڑے ہوئے حالات جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے ابراہیم خاں کی مدد کو آ گئے۔ اور اتنی ہزار سواروں کے ساتھ افغانوں کے سر پر جو ابھی دم بھی نہ لینے پائے تھے ٹوٹ پڑے یہ حملہ افغانوں پر ایسا شدید تھا کہ ہر چند انھوں نے مدافعت میں کوشش کی ہزاروں سواران مرہٹہ کو گھوڑوں پر سے اتار آمار کے قتل بھی کیا۔ لیکن پھر بھی ان کی جماعت کو منتشر ہونا پڑا۔ تاہم عنایت خاں کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی اور وہ دوندے خاں۔ فیض اللہ خاں۔ شیخ کبیر اور سید معصوم شاہ وغیرہ جاں باز اور نامور رسالداران روہیل کھنڈ کے ساتھ مدافعت و محاربت میں مشغول رہے۔ اس نازک موقع پر نواب احمد خاں بنگش نے بڑا کام کیا تمام بھاگے ہوئے افغانوں کی دلہی کر کے اور ان کو اپنے ہمراہ لا کر عنایت خاں کی کمک کو پہنچ گئے۔ جس سے عنایت خاں اور ان کے ہمراہیوں کے سروں سے فوری موت ٹل گئی اور وہ تھوڑی دیر اور دل کھول کر شمشیر زنی کر سکے اس وقت ان لوگوں نے ایسے ایسے عظیم الشان کارہائے رستمانہ انجام دیے کہ سارا میدان جنگ اللہ اکبر اور عنایت خاں زندہ یاد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لیکن اس بہادری کے باوجود فوجِ غنیم کی کثرت سے کچھ پیش نہ گئی اور افغانوں کا معاملہ مشکل میں پڑ گیا۔ اس وقت شاہِ دُرّانی ولایتی فوج کے ہمراہ ایک اوپنٹیلہ پر کھڑے ہوئے میدانِ جنگ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب افغانان روہیل کھنڈ کی ضعیفِ الحالی ملاحظہ کی تو میدانِ جنگ سے نظر ہٹا کر اپنے قریب کے ولایتی سرداروں پر ایک نگاہ ڈالی۔ حاجی عطائی خاں سامنے کھڑے تھے۔ حکم دیا۔

”برو کمک عنایت خاں بکن“

حاجی عطائی خاں حکم پاتے ہی فوراً اپنے چھ ہزار سواروں کے ساتھ فوج افغان اور لشکر مرہٹہ کے درمیان داخل ہو گئے۔ پہلے ایک فیربند و فوں کا کیا جس سے فوج غنیمت میں کچھ انتشار پیدا ہوا۔ پھر شمشیر زنی شروع کی اور آنا فائز میں گروہ مخالف میں تھمکے ڈال دیا۔ اسی کشت و خون میں حاجی عطائی خاں مارے گئے۔ حاجی عطائی خاں احمد شاہ درانی کی فوج میں ایک نمبر۔ خوبصورت۔ نہایت جری۔ مستقل مزاج۔ صادق القول اور انتہائی زائد بہادر شخص تھے۔ حاجی عطائی خاں کے بعد شاہ درانی نے شاہ پسند خاں کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا وہ بھی بہت کچھ داد و تحسنت دے کر قتل ہوئے۔ جس وقت یہ واقعات روہیلوں کے مورچہ پر پیش آرہے تھے۔ نواب نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کے مورچہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس پر ہماواجی سیندھیا اور ملہار راؤ ملکہ دونوں نے ملکر حملہ کیا تھا مگر نجیب الدولہ کی فوج نے بڑے استقلال و بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے ملہار راؤ کو تو شروع ہی لڑائی میں بھگا دیا۔ اور ہماواجی سیندھیا بھی بعد جنگ و پیکار بسیار راہ قرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ نواب نجیب الدولہ دست بٹمشیر ہو کر اور خدا پر بھروسہ کر کے مع اپنے جاں نثار وفاداروں کے مرہٹوں کی فوج پر جا پڑے۔ ہماؤ اور بشوا اس رائے نے اس جانب شکست ہوتی دیکھ کر نین ہزار تازہ دم فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا اس وقت نواب نجیب الدولہ اور ان کی فوج نے سینہ سپر ہو کر خوب حق مردانگی ادا کیا تمام میدان اور زمین و آسمان تاریک نظر آنے لگے۔ خاک ہوا میں اس قدر اڑی تھی کہ آفتاب نظروں سے غائب تھا۔ زمین پر خون کے ندی نالے بہ رہے تھے گویا غبارِ خونبار تھا جس میں تلواریں مثل بجلی کے چمک رہی تھیں بڑے کشت و خون کے بعد مرہٹوں کو شکست ہوئی اور نجیب آباد کے پٹھانوں نے دس کوس تک ان کا تعاقب کیا۔

حاجی عطائی خاں اور شاہ پسند خاں کی ولایتی فوج نے بھی جس نے اپنے سرداروں

مارے جانے سے میدان نہیں چھوڑا تھا جو جس انتقام میں لشکرِ مرہٹہ کے جنموں میں آگ لگادی اور ڈیروں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ بھاؤ وغیرہ بڑے بڑے سردارانِ مرہٹہ اپنے ڈیرے جنموں کی تاخت و تاراج کی خبر سن کر سرسیمہ و مضطرب ہو گئے۔ وہ ابھی اسی فکر میں تھے کہ شاہِ دُرّانی نے اپنے غلاموں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ سردارانِ مرہٹہ جو ایک جگہ کھڑے ہوئے مکئی فوجیں بھیجنے کی تجویزیں کر رہے ہیں ان پر ایک قیر بند وقوں کا کریں اس کے بعد تلواریں نکال کر دشمن کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ غلاموں کا دستہ حسبِ احکم حملہ کر کے گھس گیا اور جہاں بھاؤ۔ و سواس راؤ۔ رگھنا تھراؤ۔ شمیر بہادر اور جھنکو وغیرہ بکثرت سردارانِ مرہٹہ کھڑے ہوئے تھے پنجکر بند وقیں چھوڑ دیں۔ بنائید الہی و اقبال شاہی مرہٹوں کے قریب قریب تمام نامور سردار مع بھاؤ ہدفِ تیر تقدیر بن گئے اور ہاتھیوں کے عصوں میں بند وقوں سے گولیاں کھا کھا کر گر گئے۔ اس وقت ایک طرف سے فوجِ دُرّانی شمیر بکف مرہٹوں کے قتل پر پل پر پل اور دوسری طرف افغانانِ روہیل کھنڈ جو ملک کے منظر تھے فوجِ شاہی کے ہمراہ دشمنوں کے قتل میں مصروف ہوئے کشتوں کے پُشتے لگ گئے اور مرہٹہ فوج اپنے سرداروں کے قتل ہونے سے حیران و پریشان ہو کر میدانِ جنگ سے مُنہ موڑ کر مائل فرار ہو گئی۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے احمد شاہِ دُرّانی نے حکم دیا کہ مفردین کا دہلی تک تعاقب کیا جائے اور جس مرہٹہ کو جہاں پاویں قتل کریں۔ اسی اثنا میں حافظ الملک بھی پاکی میں سوار

۱۰۵ تاریخِ افغانستان موسوم بہ نقشِ سلیمانی کے مولف لکھتے ہیں کہ بھاؤ کا قتل عنایت خاں کے ہاتھ سے ہوا چنانچہ ان کی تحریر ہے۔

”عنایت خاں نے اسی داروگیر میں بعد جنگ و جدال بیمار اپنے آپ کو اس گروہ میں کہ جس کا بھاؤ افسر تھا قریب اس کے پہنچا بھاؤ نے اولاً نیزہ عنایت خاں پر مارا۔ عنایت خاں نے ازراہ چالاکۃ چستی اپنے آپ کو نیزے کی آنی سے بجا کر چھاس کا بغوت تمام ہاتھ سے پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ بھاؤ پشت اسپ سے اکھڑ کر فرشِ زمین پر گر ا۔“

دشمیر عنایت خاں درانِ جنگ بہ اہلِ گفتار بھٹاؤ تڑا سٹہ

عنایت خاں نے بکثرت سے سر اسکا ٹکڑا ٹکڑا کر ڈھلے بجا کر معاودت کی۔ ذراں بعد عنایت خاں نے حاضر ہو کر بھٹاؤ احمد شاہِ دُرّانی کی پیش کش کیا۔

ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائے اور عنایت خاں اور فیض اللہ خاں وغیرہ سرداران روہیل کھنڈ کو یزیدیت و سلامت پاکر نہایت مسرور و محفوظ ہوئے۔ عنایت خاں کا یہ حال تھا کہ زخموں سے چور تھے لیکن تلوار ہنوز ہاتھ میں تھی کیونکہ کثرتِ شمشیر زنی سے ہاتھ ورم کر گیا تھا اور اس میں اس قدر خون جم گیا تھا کہ تلوار کا قبضہ چپک کر رہ گیا تھا۔ ولایتی فوج اور امرائے ہندوستانی کی سپاہ مرہٹوں کا تعاقب کرتی ہوئی دہلی تک گئی جو وہاں سے تین دن کی راہ پر تھی۔ میدانِ پانی پت میں اور اس تین روز کے عرصہ میں دو لاکھ سے زائد مرہٹے مارے گئے باقی زخمی ہوئے اور کل لشکر میں سے صرف ایک چوتھیا فی جان بچا کر بھاگ سکے۔ جو دو تین سردار بہہ ہزار خرابی اپنی جان بچا سکے۔ ان میں ملہار راؤ کھکر اور مہاداجی سیندھیا بھی شامل تھے۔ ملہار راؤ سابقہ احسانات کی وجہ سے نجیب الدولہ کی چشم پوشی سے بچ گیا۔ سیندھیا پر یہ واقعہ گزرا کہ ایک ولایتی سوار نے ساٹھ کوس تک اس کا تعاقب کر کے پاؤں میں گولی کی ضرب ماری۔ جب وہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا تو صرف اس کا ساز و سامان لے لیا جان سے نہیں مارا۔ لڑائی کے بعد تمام سردارانِ افغان کو جھنکو کی بہت تلاش تھی کہ مارا گیا یا فرار ہوا۔ جھنکو کا یہ حشر ہوا کہ عام بھاگڑ میں وہ بھی ایک تیز رو گھوڑے پر نہ بھاگا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے زیورات طلائی اور اس کی جواہرات سے جڑی ہوئی تاج نما کلاہ پر ہر اہلبانِ عنایت خاں میں سے ایک افغان کی نظر پڑی۔ کلاہ کے لالچ میں فوراً اپنا گھوڑا جھنکو کے پیچھے ڈال دیا جھنکو نے جو دیکھا کہ سوار بہارادہ قتلِ تعاقب کئے چلا آتا ہو۔ خوفِ جان اپنے گھوڑے کو اور تیز کر دیا۔ لیکن سوار کو طبع کلاہ نے باز نہ رکھا پیچھا ہی کئے چلا گیا تین کوس پر جا کر افغان بلائے ناگماں اور قابض ارواح کی طرح جھنکو کے سر پر نازل ہو گیا۔ پہلے ایک

۱۔ عنایت خاں سو مشہور ہیں ان کے ہاتھ اس قدر لالہ بنے تھے کہ گھٹنوں سے بھی نیچے تھے جس کے باعث تلوار چلانے میں وہ اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈفٹ۔ پانی پت کی یہ لڑائی مہابھارت کے بعد سب سے بڑی لڑائی خیال کی جاتی ہے۔

ہاتھ تلوار کا مارا تو اس سے جھنکو کے گھوڑے کی گردن کے دو ٹکڑے ہو گئے جس کی وجہ سے جھنکو زمین پر گر پڑا دوسرے ہاتھ میں افغان نے جھنکو کا سر کاٹ لیا اور کلاہ وزیور وغیرہ کے ساتھ سر کو لے کر شکر کی طرف واپس آیا۔ قریب کرناں پہنچا تو کلاہ کو گوبر کے ایک ڈھیر میں چھپا کر جھنکو کے سر کو عنایت خاں کے روبرو لاکر پیش کر دیا۔ عنایت خاں نے کہا۔

”خاں۔ جھنکو کا سر تم کاٹ لائے اور اس کی کلاہ کون لے گیا۔“

چونکہ یہ لوگ راست بازی میں مشہور تھے۔ افغان نے کہا۔

”اس کی کلاہ کو ہم نے گوبر میں چھپا دیا ہے وہ بہت اچھی ہے آپ لے لے گا

ہمیں نہیں دے گا۔“

عنایت خاں نے کہا نہیں تم کلاہ لے آؤ ہم تمہیں بہت سی اشرافیاں دیں گے۔ افغان جلد واپس گیا اور کلاہ لاکر پانچواں شریفیوں کے عوض عنایت خاں کو حوالہ کر دی۔ اسی روز عنایت خاں نے جھنکو کا سر شاہ درانی کو نذر کیا جس کو دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوئے اور عنایت خاں کی پیٹھ ٹھونک کر فرمایا کہ

”اے فتح بنام تو نہ آدم مبارکباد۔ آفریں بر تو و رحمت خدا بر پدر تو“

شاہ درانی کے حکم سے مرہٹوں کا لشکر لوٹا گیا تو سوا کھانے کے سامان کے ہر قسم کا اسباب موجود تھا۔ چنے اور بازار ہر طرح کے مال سے بھرے ہوئے تھے۔ سیرالمنان خیرین میں مقوم ہے کہ جواہرات۔ نقود و جنس اور توپ خانہ کے علاوہ اس محلہ میں افغانوں کو دو لاکھ بیل۔ کئی ہزار اونٹ۔ پانچ سو ہاتھی اور پچاس ہزار گھوڑے ہاتھ لگے۔ جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ میدان جنگ کے بھاگے ہوئے مرہٹے ایسے مفلوک الحال تھے کہ ان میں سے ہیں ہزار مدت تک برہنہ بھیک مانگتے پھرے۔ آخر کار سورج مل جاٹ نے ہر ایک کو ایک ایک کبیل اور

دو دو روپے دے کر دکن کو روانہ کیا۔ دوسرے راجپوت سرداروں نے بھی یہی سلوک کیا اور بارہ ہزار مرہٹوں کو شجاع الدولہ نے دو دو روپے دلا دئے جو کالپی کی طرف چلے گئے۔ مرہٹوں کو ایسی بھاری شکست کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس شکست کی ملک کے طول و عرض میں شہرت ہو گئی تمام مرہٹہ قوم میں گھر گھر صفت ماتم بچھ گئی اور ایک عام مایوسی چھا گئی۔ بالاجی پیشوا بھی اس صدمہ سے چند روز کے بعد مر گیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی مرہٹوں کا آفتاب اقبال بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ برعکس اس کے احمد شاہ درانی کو ایک ایسی فتح عظیم حاصل ہوئی کہ جس کو عظیم ترین فتوحات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس فتح کی غلام علی آزانے تاریخ نظم کی ہے۔

شاہ بہادر اپس از تابکشت کرد در آغاز و در انجام فتح
 صور نانی خامہ تاریخش بواخت شاہ درانی منودہ باز فتح
 یہ جنگ عظیم ۷ جنوری ۱۷۶۱ء مطابق ۶ جمادی الآخر ۱۱۸۱ھ کو بدھ کے دن واقع ہوئی تھی ایک ہندی تاریخ کننے والے نے بھی حسب ذیل تاریخ کمی ہے۔

گیارہ سو چوہتر میں دن بدھ پڑا جو چہارہ چھٹی جمادی الثانی کو شہ جیتا بھاؤ ہارا

واقعات بعد از جنگ چونکہ اس جنگ میں ابراہیم خاں گردی کے ہاتھ سے افغانان روہیل کھنڈ پر بہت تباہی آئی تھی اس وجہ سے احمد شاہ درانی نے تاریخ فتح سے اس کی تلاش پیش نظر رکھی۔ چند روز کے بعد خبرداروں نے اطلاع دی کہ وہ افغانان روہیل کھنڈ کے پاس مقید ہے شاہ درانی نے اس کا حال حافظ المکاک سے دریافت کیا انھوں نے بتایا کہ رحم دلی اول اول انکار کیا۔ بادشاہ نے قسم کھانے کے واسطے فرمایا تب حافظ المکاک نے مجبور ہو کر اقرار کر لیا اور ابراہیم خاں کو حضور شاہ میں روانہ کر دیا لیکن اس کے لڑکے کو مخفی طور پر رہا کر دیا۔ چونکہ شاہ درانی اس سے قبل کئی مرتبہ ابراہیم خاں گردی کو پیغام اطاعت دے چکے تھے اور اس نے ہر مرتبہ اپنے آقا مرہٹوں کے خلاف ناک حرامی کرنے سے انکار کر دیا تھا

اس لئے بادشاہ نے افغانوں کے خون کے بدلے میں بیچہ قتل کرادیا۔ غازی الدین خاں عماد الملک جو اس بڑی لڑائی کا بانی مہمانی تھا اس کا دوران جنگ میں کہیں ذکر ہی نہیں آیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ابتدا ہی میں اس نے مرہٹوں کی آنے والی تباہی کو تار لیا اور میدان جنگ سے کھسک گیا۔ کچھ دنوں سو راج مل جاٹ کے ساتھ بھرت پور میں رہا پھر دکن چلا گیا اور بیس سال تک بھیس بدلے مارا مارا پھر کیا اس آوارہ گردی میں کوئی کام ایسا نہ کیا جس سے تاریخ میں اس کا ذکر آتا نہ ہو۔ اے میں انگریزی پولیس نے گرفتار کیا تو اس کا حال معلوم ہوا اور گورنر جنرل کے حکم سے مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ آخر عمر میں اس نے پھر ہندوستان آکر احمد شاہ ابدالی کے جانشین تیمور شاہ سے اخلاص پیدا کیا اور ملتان کے صوبہ دار سے یارِ امان جوڑا۔ یہاں آکر پیامِ موت نہ آجانا تو ضرور کوئی نہ کوئی نیا فساد کھڑا کرتا۔

احمد شاہ درانی کی مراجعت قندھار
حافظ الملک کی سفارش پر شجاع الدولہ
سے بنگالی کا ارتفاع

جنگ کے بعد احمد شاہ درانی نے تقریباً ایک ہفتہ تک میدانِ پانی پت میں ٹھہر کر اپنا سامان سفر درست کیا جب سب انتظامات مکمل ہو گئے تو دہلی کی طرف کوچ کیا اور بڑے جاہ و جہم کے ساتھ مع جملہ امراء ہندو شہر میں داخل ہوئے قبل روانگی قندھار تمام سردارانِ افغان کو آپس میں متحد و متفق رہنے کی نصیحت کی لیکن وہ شجاع الدولہ کے طرزِ عمل سے مطمئن نہیں تھے اس لئے ایک روز تخریب میں حافظ الملک سے ارشاد کیا کہ۔

”میرا ارادہ ہے کہ شجاع الدولہ کو اپنے ہمراہ ولایت کو لے جاؤں اور اپنے امراء و رباب کے

زمرہ میں منسلک کروں تاکہ سلطنتِ ہند میں قومِ افغان کے سرداروں کے سوا دوسرا

کوئی نہ رہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس وقت اس شخص کے ہاتھ سے تم لوگوں پر بلا

نازل ہو۔“

حافظ الملک نے جو شجاع الدولہ کو اپنا مدد و معاون سمجھتے تھے فرمایا کہ۔

”میرے اور صفدر جنگ کے درمیان جو مراسم یک جہتی قائم ہو گئے تھے وہ زبان زد عالم ہیں اور شجاع الدولہ نے بھی اس وقت تک ہماری موافقت سے سر نہ اٹائی تھی کی ہے اگر جہاں پناہ اس کو ولایت لے جائیں گے تو اس اشکر کی تمام ملک میں بدنامی ہو جائے گی کہ ایک شخص غیر جو ہمارے درمیان باقی رہ گیا تھا اس کو بھی ملک ہندوستان سے خارج کر دیا۔“

بادشاہ نے طوعاً و کرہاً حافظ الملک کی اس سفارش کو قبول کر لیا اور شجاع الدولہ کو تاکید اکید فرمائی کہ شاہ عالم بادشاہ کی جو اپنے باپ عالمگیر ثانی کے شہید ہونے سے قبل بنگال کی طرف چلے گئے تھے فرماں برداری کریں۔ بعد ازاں شاہ درانی نے شاہ عالم بادشاہ کی وزارت کا عہدہ شجاع الدولہ کو سپرد کیا اور شاہ عالم کے لڑکے مرزا جواں بخت کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ نواب نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی پر فائز کیا۔ اور حکم دیا کہ شاہزادے کے ساتھ دہلی میں مقیم رہیں۔ نواب احمد خاں بنگش کو منصب بخشی گری پر ممتاز کیا۔ اور حافظ الملک کو اپنی جانب سے بادشاہ ہندوستان کے پاس وکیل مطلق یا مختار کل مقرر فرمایا۔ اسی طرح تمام دوسرے امراء کو مناصب و خلعت ہائے سرفرازی عطا کئے۔ چونکہ جنگ پانی پت میں عنایت خاں اور دوندے خاں سے جدوجہد بے قیاس اور عظیم المثل بناوری ٹھوڑی آئی تھی اس لئے سرکارِ اٹا وہ عنایت خاں کو اور شکوہ آباد و دوندے خاں کو بطور انعام عطا فرمایا گیا۔ جاگیر کے علاوہ عنایت خاں کو منصب ہفت ہزاری خلعت و اسپ خطاب نوابی۔ اور نوبت و علم بھی مرحمت کئے گئے۔ اس غیر معمولی سرفرازی کے وقت عنایت خاں نے اپنی عمر کے سترھویں سال میں قدم رکھا تھا۔ قطعاً

۱۱ یہ واقعہ گل رحمت، گلستانِ رحمت اور تاریخ افغانستان موسوم بہ نقشِ سلطانی میں مذکور ہے۔

ہر طاؤس و راوِ ارق مصاحف دیدم کہ گفتم ایں منزلت از قدر تو می بینم بیش
گفت خاموش کہ ہر کس کہ جہا لے دارد کہ ہر کجا پائے نمد سر بگذاردش پیش
مذکورہ بالا عطیات سے ہر شخص کو مطمئن اور شاد کام کرنے کے بعد ۱۶ شعبان ۱۰۷۷ھ کو
اپنی فتح سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھائے بغیر شاہِ دُرانی معاودت فرمائے قندھار ہو گئے۔
کاش اس موقع پر احمد شاہِ دُرانی بابر کی طرح تختِ دہلی پر خود قبضہ کر لیتے تو ہندوستان میں
دو تین صدی کے لئے اور ایک طاقت ور اسلامی خاندان کی حکومت قائم ہو جاتی لیکن
جس قوم پر ادب اور زوال آنے والا ہوتا ہے اس کی تقدیریں اسی طرح بن بن کر بگڑ جاتی ہیں یہ
تھی داستانِ قیمتِ راجہ سود از رہبرِ کمال
کہ خضر از آبِ جیواں نشنہ می آرد سکندر را

جنگِ پانی پت کے بعد
حافظ الملک کی پرہیزی کو
دایسی

احمد شاہِ دُرانی کے قندھار روانہ ہونے کے بعد شجاع الدولہ اور
نواب احمد خاں بنگش اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے اور نجیب الدولہ
شاہزادہ جو ان بخت کے حضور میں دہلی ہی میں منیم ہو گئے۔
حافظ الملک بھی دوسرے اہلِ رومیل کھنڈ کے ساتھ نہایت شان و شوکت کے ساتھ
عازمِ بریلی ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچے تو بخشی سردار خاں - فتح خاں خانساں وغیرہ رسالداروں
کے علاوہ قضاات - سادات - علما و فضلا اور ہزار ہا بالیاں شہر نے حاضر خدمت ہو کر
مراسمِ تہنیت و مبارک باد فتح ادا کئے اور وہ بڑے نزک و احتشام کے ساتھ شہر میں داخل

۱۷۷۷ء میں وقتِ شجاع الدولہ کاٹ کر جنگِ پانی پت میں شریک ہونے کے لئے جا رہا تھا تو جوار سکندرہ کے میدان میں اسکو
اکثر لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جن میں ایک جوان سی سالہ کی لاش مکلف لباس سے آراستہ مویں تاب کھائے۔ دایسی
کشادہ پڑی تھی مطلق پوشیدہ نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح جب کافی عرصہ کے بعد اس لشکر کا پانی پت سے واپسی کے وقت
اس مقام سے گزر ہوا تو لاشیں مذکورہ بچہ صبیح و سالم ملی دوسری لاشوں کا پتہ و نشان بھی نہ رہا تھا۔
اہلِ لشکر نے کہا کہ یہ شہید ہے اور ملا عباس نے لاش کو اسی لباس میں جس سے وہ بلیوسہ تھی دفن
کرادیا۔ (سیر المتاخرین)

ہوئے۔

حافظ الملک کا پہلی بھیت

میں ورود

چند روز بریلی میں قیام کے بعد اواخر ۱۹۷۱ء میں حافظ الملک پہلی بھیت تشریف لے گئے اول اپنی والدہ کی قبر پر گئے۔ ان کی روح پر فتوح پر فاتحہ پڑھ کر نقد و جنس بے شمار بطریق خیرات اہل استحقاق کو عطا کیا اور حکم دیا کہ ہر روز اسی قدر روپیہ کھانا تیار ہو کر فقرا و صلحا اور علما کو بھیجا جاتا رہے۔ چند حفاظ کے بھی قرآن خوانی کے لئے وظیفے مقرر ہوئے۔ چنانچہ حافظ الملک کی حینِ حیات تک یہ طریقہ جاری رہا۔ فاتحہ اور دعا طلب رحمت و آمرزش اور مراسم خیرات وغیرہ ادا کرنے کے بعد دولت سرا میں داخل ہوئے۔ آمینہ کے لئے حافظ الملک نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب کسی سفر یا مہم سے بخیریت واپس آتے تو سب سے پہلے قبر مذکور پر حاضر ہوتے اور اسے نذر و سلام سے سعادت اندوز داریں ہوتے۔ جب کبھی اس امر کا موقع نہ ملتا اور والدہ کی جائے سکونت خالی نظر پڑتی تو بہت رقت طاری ہوتی اور مضطربانہ سب کام چھوڑ کر ان کی قبر پر پہنچنے کی کوشش کرتے جس سے سکونِ قلب نصیب ہو جاتا تھا۔

پہلی بھیت میں آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور والدہ کی وفات کا غم فراموش نہ ہوا تھا کہ مجھے صاحبزادہ ہمت خاں کے انتقال کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ حافظ الملک ان حادثات کے پیش آتے پر بھی اپنے ملک کے ہیود و ترقی کے کاموں سے غافل نہ رہے اور چند مہینے آرام کرنے کے بعد ان کی کوششیں تسخیرِ آماوہ اور شکوہ آباد کی طرف رجوع ہو گئیں۔

۱۹۷۱ء حافظ الملک کی والدہ کا انتقال ۱۹۷۱ء میں بمقام پہلی بھیت ہوا تھا اور وہیں دفن ہوئیں۔ ہمت خاں کا مدفن بھی پہلی بھیت میں ہے لیکن قبر اول کا صحیح نشان نہیں معلوم ہوا۔

(۱۸)

تسخیرِ اٹاؤہ و مشکوہ آباد

اٹاؤہ اور مشکوہ آباد کے یہ وہی علاقے تھے جن کو شاہ درانی نے قندھار جاتے وقت عنایت خاں اور دوندے خاں کو عطا کیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے اس باب کے عنوان کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جائے کہ جب یہ علاقے بطور عطیات مل چکے تھے تو اب اُن کی تسخیر کی ضرورت کیوں پڑی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بادشاہ کی جانب سے کسی حقّہ ملک کو عطا کرنے کے یہ معنی سمجھے جاتے تھے کہ گویا فتح کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ وہ خود دینے والے کے قبضہ میں نہ ہوتا تھا۔ اور اس کا حاصل کرنا خالی از وقت نہ تھا چنانچہ ۱۰۶۲ھ میں حافظ الملک کے حکم سے ملا محسن خاں دس ہزار فوج کے ساتھ اٹاؤہ وغیرہ کی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ ملا محسن جب اٹاؤہ کے قریب پہنچے تو بالا پنڈت اور کشنا جو گوبند پنت کے قتل کے بعد سے اٹاؤہ پر متصرف تھے اپنی تمام فوج کے ساتھ شہر سے برآمد ہو کر حملہ آور افغانوں کے سردار ہو گئے۔ ملا محسن خاں نے انکا مقابلہ کیا۔ ایک سخت لڑائی واقع ہوئی جس میں بہت کچھ کشت و خون کے بعد پنڈت مذکور کو میدان چھوڑ کر امر گڑھ کی طرف بھاگنا پڑا۔

بالا پنڈت کے فرار کے بعد ملا محسن خاں نے قلعہ اٹاؤہ کا محاصرہ کیا۔ جو تھوڑی سی جبر و جہد کے بعد فتح ہو گیا۔ بعد ازاں ملا محسن خاں اطراف و جوار کے سرکش زمینداروں کی سرداری میں مصروف ہوئے۔ اور انھوں نے چار پانچ خام قلعوں کو منہدم کر کے ہر جگہ اپنے قلعے قائم کئے۔ لیکن چند زمینداروں نے پھر بھی اپنے ہمراہیوں کی کثرت اور جنگلوں میں جاسے پناہ ہونے کے باعث

اطاعت قبول نہیں کی۔ اس لئے ان لوگوں کی تہنید کے واسطے ملا مذکور نے مزید ملک کی درخواست کی اور حافظ الملک نے شیخ کبیر کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخ کبیر اور ملا محسن خاں نے ملکر قدم قدم پر فتوحات حاصل کرنا شروع کر دیں اور بہت جلد اٹا وہ اور شکوہ آباد فتح کر کے ان مقامات پر اپنا قبضہ کر لیا۔

(۱۹)

ایک طوائف کا قضیہ شجاع الدولہ شاہ عالم بادشاہ اور نجیب الدولہ کی فرخ آباد پرفوج کشی۔ حافظ الملک کی مداخلت سے صلح

جولائی ۱۷۷۱ء میں امراؤ گرگوشائیں کھنڈ کی ایک طوائف بقیہ نامی کو جس سے شجاع الدولہ کا تعلق تھا اور جس پر وہ دل و جان سے فریفتہ تھے لے بھاگا اور بارہ ہزار ناگوں کو ساتھ لے کر فرخ آباد میں چلا آیا۔ شجاع الدولہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ایک غضب آئینہر خط نواب احمد خاں بنگلش کو لکھا کہ۔

”ہمارے چور کو اپنے یہاں سے نکال دو اگر ایسا نہ کرو گے تو حق دوستی کے خلاف ہو گا اور اس سے فتنہ بھڑک اٹھے گا۔“

نواب احمد خاں بنگلش بھی پٹھان تھے اور ایک اصلی پٹھان کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ صادق القول ہونے کے علاوہ اپنے ہمان کی خواہ وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ بقول مولف حیاتِ افغانی پٹھانوں میں یہ مشعل مشہور تھی کہ۔

”غلینظ اور ناپاک سُور بھی گھر میں آجائے تو اس کو پناہ دو۔“

لہذا نواب احمد خاں نے شجاع الدولہ کو جواب دیا کہ۔

۱۷ تاریخ فرخ آباد مولفہ آرون صاحب۔

۲۷ تاریخ اودھ مولفہ مولوی نجم الغنی خاں

”میں سوأ خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا ہوں جو کچھ آپ کے دل میں ہو کچھئے۔ میں امر اوگر کو بلانے نہیں گیا تھا وہ از خود میرے ملک میں پناہ گزین ہوا ہے اور پناہ لینے والے کو میں کبھی دور نہیں کر سکتا“

ساتھ ہی احمد خاں نے امر اوگر سے کہا کہ۔

”اگر شجاع الدولہ پیدا ہوں تو تم کو میرے ملک سے نہیں نکال سکتے ویسے تم خود جانا چاہو تو کسی نے تمہارے پیر میں زنجیر نہیں ڈالی ہے“

شجاع الدولہ نواب احمد خاں کی طرف سے مذکورہ بالا جواب پا کر بہت رنجیدہ ہوئے اور ایک ماہ بعد ایک کثیر لشکر کے ساتھ فرخ آباد پر چڑھائی کر دی۔ ان کے ہمراہ شاہ عالم بادشاہ بھی تھے جو نوابان بنگال اور انگریزوں کے ہاتھ سے کئی بار شکست کھانے کے بعد آج کل اودھ میں مقیم تھے۔ شجاع الدولہ نے نجیب الدولہ کو بھی جو جنگ پانی پت کے بعد ان کے پگڑی بدل بھائی ہو گئے تھے اس جنگ میں دعوت شرکت دی اور وہ دہلی سے روانہ ہو کر فرخ آباد سے دہلی کو اس کے فاصلہ پر خدا گنج تک آ گئے۔ نواب احمد خاں جب ان واقعات سے مطلع ہوئے تو انھوں نے ایک خط حافظ الملک کے پاس اس مضمون کا بھیجا کہ۔

”شجاع الدولہ شاہ عالم بادشاہ کو ہمراہ لے کر فرخ آباد کو تاخت و تاراج کرنے کے

قصد سے اس طرف کا عازم ہے اور نجیب الدولہ بھی اس امر میں اس سے موافقت

کر کے پے درپے کوچ کرتا ہوا چلا آ رہا ہے اگر آپ اس جگہ آکر میرے شریک

ہو جائیں گے تو یقین ہے کہ انجام بخیر ہوگا۔

ان ایام میں حافظ الملک پر گنہ مہر آباد میں مقیم تھے کہ ناگاہ انھوں نے شجاع الدولہ اور

نجیب الدولہ کے فرخ آباد پر حملہ کرنے کی خبر سنی۔ ساتھ ہی انھیں نواب احمد خاں کا مندرجہ بالا خط ملا۔ حافظ الملک جو ہمیشہ احمد خاں کی طرف داری کو مقدم رکھتے تھے۔ فوراً مہر آباد سے جلال آباد اور وہاں سے فتح گڑھ کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے شیخ بکیر کو بھی حکم بھیجا کہ اٹا وہ سے اپنی کل فوج لے کر فی الفور کالی ندی کی طرف روانہ ہوں اور خدا گنج کے پنجے مقام کریں۔ فتح گڑھ سے فرخ آباد کا تین کوس کا فاصلہ تھا۔ یہاں پہنچ کر حافظ الملک نے بہ مشورہ نواب احمد خاں ایک ایک خط نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو لکھا کہ۔

”احمد خاں کی تباہی و بربادی کا قصد آپ کے شایان شان نہیں ہے مناسب یہی ہے کہ آپ لوگ اس خیال سے درگزر کریں ورنہ جھکوبھی اُس کا شریک تصور کریں۔“

حافظ الملک کے فرخ آباد پہنچنے اور احمد خاں کے شریک ہونے کی خبر نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ نے سنی تو اول الذکر خدا گنج میں اور آخر الذکر سرائے خواجہ بہلول میں ٹھہر گئے اور دونوں امراء نے حافظ الملک کو لکھا کہ۔

”احمد خاں کے ملک میں سے ایک ٹلٹ ہم سے لینا قبول کیجئے اور اس کی شرکت سے دست بردار ہو کر اپنے ملک کو واپس چلے جائیے۔“

حافظ الملک نے صاف جواب لکھ دیا کہ۔
”مجھ سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔“

نجیب الدولہ نے جب دیکھا کہ حافظ الملک کسی طرح احمد خاں کی مشارکت ترک نہیں کرتے تو جنگ شروع ہونے سے پہلے انھوں نے حافظ الملک سے ملاقات کرنی چاہی اور

فتح گڑھ روانہ ہونے کا قصد کیا۔ چنانچہ پہلے ایک پیغام شیخ کبیر کو جو ایک میل کے فاصلہ پر
خیمہ زن ہو کر سہارا تھے بھیجا کہ۔

”میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں“

شیخ کبیر نے جواب دیا کہ۔

”میری تمہاری ملاقات تھم شیر بدست ملاقات ہوگی شجاع الدولہ کی مدد کو آئے ہو

اور ہم سے ملاقات کی تمنا رکھتے ہو“

چار پانچ روز کے بعد نجیب الدولہ اپنی سپاہ کو لے کر فرخ آباد کی طرف بڑھے یہ سن کر شیخ کبیر
نے انہیں پیغام بھیجا کہ۔

”خبردار آگے نہ بڑھنا میں تمہاری کچھ مدارات کرنے والا ہوں“

ناب نجیب الدولہ نے جواب دیا کہ۔

”میں اس لئے نہیں آیا ہوں صرف حافظ رحمت خاں سے ملاقات کرنے آیا

ہوں“

شیخ کبیر نے جواب دیا کہ۔

”اس صورت میں تم کو اجازت ہے مگر بے فوج جاؤ“

نجیب الدولہ اپنی فوج چھوڑ کر آگے بڑھے اور تنہا فتح گڑھ پہنچ کر حافظ المملک سے ملاقات کی
دوران ملاقات میں نجیب الدولہ کو ان کے خسر وندے خاں نے سخت ملامت کی اور
کہا کہ۔

”تم نے کیوں قوم افغان کے خلاف شجاع الدولہ کی رفاقت اختیار کی“

”جب مرہٹوں نے سگرتال میں مجھ پر حملہ کیا تھا اس وقت شجاع الدولہ نے بڑے نازک حال میں میری مدد کی تھی۔“

غرض اسی قسم کی باتوں میں تمام رات مشورہ میں گزری اور صبح کے وقت نجیب الدولہ بہت کچھ عذر خواہی کر کے صلح پر راضی ہو گئے۔ انھوں نے حافظ الملک کو یہ بھی مشورہ دیا کہ چونکہ شاہ عالم بادشاہ شجاع الدولہ کے ہمراہ ہیں اس لئے آپ کو صلح کی درخواست انکی خدمت میں خود حاضر ہو کر پیش کرنی چاہئے یہ کام کئے بغیر آپ اپنے ملک کو واپس نہ جائیں۔

حافظ الملک نے اس رائے کو پسند کیا اور نواب نجیب الدولہ کو پہلے سے روانہ کر کے خود بھی ان کے پیچھے اپنی تمام ہمراہی فوج کے ساتھ سرائے خواجہ بہلول کی طرف روانہ ہوئے اور بادشاہ کی شرف ملازمت سے سرفراز ہوئے۔ صلح کی گفتگو ہوئی اور حافظ الملک کے پاس خاطر سے شجاع الدولہ نے فرخ آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ فرخ کر دیا چند روز کے بعد شجاع الدولہ اور شاہ عالم اودھ کو اور نجیب الدولہ دہلی کو واپس ہو گئے۔ واپسی کے وقت بادشاہ نے حافظ الملک سے مصالح امور ملکی و مالی میں بہت کچھ مشورہ کیا اور خلعت و شمشیر وغیرہ سے ان کو سرفراز فرمایا۔ حافظ الملک نے غنایت خاں کو بھی شجاع الدولہ کے ہمراہ رخصت کیا تاکہ نواب احمد خاں کے علاقہ میں سے جن جن مقامات سے ان کا قبضہ جاتا رہا تھا ان پر نواب موصوف کے تھانے قائم کر دیں۔ اس ہم سے فائدہ ہونے کے بعد حافظ الملک اپنے دوست نواب احمد خاں سے رخصت ہو کر اٹاؤہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں جہان کے اس پار کائنات کے زندہ داروں نے بہت فساد برپا کر رکھا تھا۔ اس لئے حافظ الملک نے اٹاؤہ پہنچ کر ان کی سرکوبی کے لئے کچھ فوج روانہ کی اور غنایت خاں کو

بھی جو شجاع الدولہ کے ہمراہ لکھنؤ پہنچ گئے تھے لکھا کہ وہاں سے لوٹ کر کامیت کو روانہ ہوں۔ عنایت خاں حسبِ احکام کامیت پہنچ گئے۔ اور اپنے لشکر کے پیادہ سپاہیوں کو قلعہ کامیت پر جو نہایت مضبوط اور محکم تھا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ افغانوں نے یکبارگی حملہ کیا۔ قلعہ کے اوپر چڑھ گئے اور عنایت خاں کے حکم سے جو بہت سخت مزاحمتیں مصہورین کا بڑی بے دروسی سے قتل عام کیا ایک تنفس کو زندہ نہ چھوڑا اور قلعہ کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اس لڑائی میں لاکھواد مصہورین کے علاوہ ایک سو چونتیس افغان مارے گئے۔ دوسرے روز عنایت خاں یہاں سے آٹاؤہ کو حافظ الملک کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔

(۲۰)

۱۶۳ء کے چند متفرق واقعات - نواب سعد اللہ خاں کی وفات

حافظ الملک ابھی اٹاواہ ہی کے انتظام میں مصروف تھے کہ نواب سعد اللہ خاں نے مدقوق و مسلول ہو کر آٹولہ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ نواب علی محمد خاں کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ مرحوم نہایت حسین و جمیل - شجاع - سخی اور اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے دوپہر میں چالیس پچاس کوس کی مسافت طے کر لیتے تھے اور بھکان بالکل معلوم نہ ہوتی تھی۔ عمارتیں بنوانے کا شوق تھا۔ اتر چھینڈی کا قلعہ ان کی یادگار ہے جو کہ انھوں نے ناتمام چھوڑا۔ گانے کے بہت دلدادہ تھے۔ فیروز خاں ہمدی سین اور کریم سین وغیرہ اس زمانہ کے مشہور گویئے ملازم تھے خود بھی بہت خوش گلو تھے اور نہایت خوب گانے تھے۔ حافظ الملک کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے اور حافظ الملک کو بھی ان سے قلبی محبت تھی چنانچہ جب ان کی جوان مرگی کی اطلاع پہنچی تو بڑا صدمہ کیا اور فی الفور بغرض تعزیت اٹاواہ سے آٹولہ ٹرین لائے۔

بریلی میں آتش زدگی اور زلزلہ
نواب سعد اللہ خاں کی سال وفات یعنی ۱۶۳۷ء میں ۷۔ رمضان
ہجرات کے روز سرزمین بریلی پر قہر آئی نازل ہوا ایک ایسی آگ
لگی کہ آدھا شہر خاک ہو گیا اور چودہ سو آدمی جھکمر گئے۔ ہزاروں خانماں بربادوں کا ذکر ہی
کیا ہے۔ اس حادثہ کے دو سال بعد ایک ہولناک کالی آندھی اور زلزلہ آیا جس کے صدمہ
سے بہت سی عالی شان عمارتیں گر کر تباہ ہو گئیں۔ زلزلہ کے باعث جابجا زمین شق ہو گئی
تھی۔ حوض اور تالابوں کا پانی اڑاڑ کر سب کچی زمینوں پر جا گرا تھا اور تالاب بالکل خشک ہو گئے

تھے۔ اس زلزلہ کا صدمہ اودھ تک محسوس ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا شدید اور سخت زلزلہ دو تین سو برس پہلے تک سُننے میں نہ آیا تھا۔ حافظ الملک نے اپنی رعایا کی اس تباہی و بربادی میں لاکھوں روپیہ سے امداد کی اور کوشش کر کے چند ہی سال میں جلے ہوئے مکانات و عمارت کو از سر نو تعمیر کرا دیا۔

عنایت خاں کی ایک نامناسب حرکت
اور ریاست رامپور کی بنیاد

تھی۔ عنایت خاں کا بھی جو ایک بہادر و جوشیلے مگر کسی قدر کوتاہ نظر شخص تھے یہیں پرہلی میں قیام تھا۔ ان کو جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ درانی نے خطاب نوابی اور نوبت و علم دیا تو ایک ہی شہر میں دو نوبتوں کا بیجا انہیں سخت ناگوار ہونے لگا اور یہ خیال کر کے کہ وہ درویش درگینے پسند و دلو بادشاہ درانی سے نہ گنجد ایک روز اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ فیض اللہ خاں کی نوبت بند کر دیں اور نقاروں کو بھاڑ ڈالیں۔ عنایت خاں کے ملازموں نے حکم کی تعمیل کی لیکن ان کی اس حرکت سے فیض اللہ خاں نے سخت توہین محسوس کی اور ان کے رنج و قلق کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ فریاد و شکایت لے کر پہلی بھیت حافظ الملک کے پاس گئے۔ حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”وہاں وہ جو نامرگ ایسا ہی خود سر ہو گیا ہے“

اور فیض اللہ خاں کی بہت کچھ دلدہی کر کے انہیں آئندہ رامپور میں رہنے اور نوبت وغیرہ جو ان کی اجازت دے دی چنانچہ فیض اللہ خاں رخصت ہو کر رامپور آ گئے لیکن ان کے دل کی کدورت دور نہ ہوئی اور اس وقت سے اپنی ایک علیحدہ اور آزاد ریاست کی بنیاد ڈالنے کی دھن میں مناسب موقع اور وقت کی تلاش میں رہنے لگے۔

(۲۱) حافظ الملک کا دورِ حکومت نواب سعد اللہ خاں کے عہد

بعد وفات نواب سعد اللہ خاں سردارانِ روہیل کھنڈ نے نواب علی محمد خاں کے کسی دوسرے لڑکے کو اپنا والی تسلیم نہیں کیا اور حسب وصیت نواب صاحب مرحوم جس کو ہم بالتفصیل لکھ چکے ہیں آئندہ کے لئے صرف حافظ الملک کی سرداری میں رہنا قبول کیا۔ حافظ الملک نے بھی سردارانِ قوم کی اس متفقہ خواہش کو بہ تقاضائے مصالحِ ملکی اس وقت منظور کرنے میں کوئی عذر نہ کیا اور ایسا کرنے میں وہ ہمہ اعتباری بجانب بھی تھے۔ کیونکہ ان کا وہ وعدہ اب ختم ہوتا تھا جو انھوں نے اپنے مرحوم دوست نواب علی محمد خاں سے کیا تھا اور جس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

”جب اس امر بزرگ کو آپ نے میرے حوالے کیا تو میں اس لڑکے (سعد اللہ خاں) کو سرداری کے واسطے اختیار کرتا ہوں اور اس کو نواب بنانا ہوں۔“

سعد اللہ خاں کے علاوہ نواب علی محمد خاں کی کسی دوسری اولاد کو اپنا سردار بنانے کا حافظ الملک نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اس لئے اب ان کا اپنی قوم کی متفقہ خواہش پر پسند حکومت پر بلا شرکتِ غیرے ممکن ہونا ہر طرح جائز تھا۔ اس زمانہ میں روہیلے چونکہ حنفی المذہب انتہائی دیندار اور پکے مسلمان تھے اس لئے ان میں سردار کا انتخاب بھی بجز خاص حالات کے بالکل اسی قاعدہ کے ماتحت عمل میں آتا تھا جو ابتداءً عروج اسلام سے خلافت کے انتخاب سے متعلق

راج چلا آتا تھا اور جس طرح بعد کو حضرت امیر معاویہ نے قیصر و کسریٰ کی تقلید میں خلافت کو وراثتی طرز حکومت میں تبدیل کر لیا۔ اسی طرح وقت کے گزرنے پر وہیلوں میں سردار کے تقرر کا پُرانا طریقہ متروک ہو گیا اور سرداری ایک خاص خاندان کا پیدا کُنشی حق سمجھی جانے لگی۔ دراصل یہی وہ آخر الذکر غلط نظریہ ہے جس کی بنا پر حافظ الملک کے مخالف مورخین نے ان کو غاصب ہونے کا الزام دیا درحالیکہ اس نظریہ کو اگر نواب علی محمد خاں کے مسئلہ سند نشینی میں بھی پیش نظر رکھا جائے تو وہ بھی غاصب ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ جس وقت نواب علی محمد خاں کا انتخاب عمل میں آیا تو اس وقت داؤد خاں کا ایک پسر صلیبی مچھڑیاں نامی موجود تھا اور جس کو بہ سبب صغیر سنی و ناجز بہ کاری سرداران قوم نے نظر انداز کر دیا تھا مگر حق یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی غاصب نہ تھا اور دونوں کو صرف اہلیت و قابلیت کی بنا پر عروج حاصل ہوا تھا تاہم روہیل کھنڈ کی ان عظیم المرتبت شخصیتوں نے محض اپنے اپنے قوت بازو سے شہر پر شہر فتح کئے اور حکمرانی و سرداری کی داد دی۔ ان کی سرداری کی بنیاد ہرگز ہرگز نہ تو غاصبانہ اور نہ کسی کی حق تلفی پر مبنی بتائی جاسکتی ہے ۵

ملک بہ میراث نہ گیرد کسے نہ تانہ زند تیغ دو دستی بسے

حافظ الملک کی حکومت کا یہ دور تاریخ روہیل کھنڈ کا اہم ترین زمانہ سمجھا جاتا ہے جس میں روہیلہ قوم عروج و ترقی کی اس معراج پر پہنچ گئی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ عروج کا زمانہ ۱۶۶۹ء تک کا ہے کیونکہ جنگ پانی پت کے بعد اندرون ملک میں ہر طرح امن و امان کے ماسوا سرزمین روہیل کھنڈ مسلسل ساٹھ سال تک بیرونی حملوں سے محفوظ و مامون رہی۔ مہٹوں کی طاقت کچل گئی تھی اور وہ اس وقت دکن میں آپس ہی میں لڑ بھڑک رہی تھیں۔ یہی سہی طاقت کو فنا کر رہے تھے۔ روہیل کھنڈ کی سرحدوں پر چودہ دوسرے حکمران مشمل

شجاع الدولہ - نواب احمد خاں بنگش اور نواب نجیب الدولہ کے موجود تھے چونکہ وہ سب کے سب حافظ الملک کی حسن تدبیر اور خوشنیر سے مرعوب تھے لہذا ان کے ساتھ ضوابط و مراسم اتحاد ہی قائم رکھنے میں اپنی بہتری اور خیریت سمجھتے تھے۔ اس وقت روہیلوں کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں بریلی - پبلی بھیت - سنہل - مراد آباد - امروہہ - شاہجہاں پور - رامپور - شاہ آباد - بدایوں - آئولہ - ناناک مست - سہوان - اُجھیاں - سرولی - بسولی - ٹھاکر وارہ - چوملہ رٹھیر - اٹاواہ - شکوہ آباد - مین پوری - اور دوسرے بکثرت متفرق دیہات و پرگنات وغیرہ تادامن کوہ شرقی خیر آباد تک شامل تھے جن کی آمدنی اس زمانہ میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ تھی۔

(۲۲) قاسم علی خاں نواب شہ آباد کی مصیبت میں شجاع الدولہ کی تحریکِ حافظ الملک کی حمایت

جس زمانہ میں روہیل کھنڈ میں حافظ الملک کی حکومت ایک طرف شکوہ آباد تک اور دوسری جانب خیر آباد تک وسعت پذیر ہو چکی تھی صوبہ بنگال میں ایک ایسا انقلاب برپا تھا جس کے تباہ کن عالمگیر اثرات غفیر سارے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ سیاسیات ہند میں پورے پورے طور پر انگریزوں کی دخل اندازی شروع ہو گئی تھی اور انہوں نے تجارت کے پردہ سے نکل کر اب علی الاعلان ملک گیری کے کھڑے ہیں کووے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں نواب الہ وردی خاں صوبہ دار بنگال کے انتقال سے اس وقت تک چھ سات سال کی قلیل مدت میں ہندوستانی غداروں کی مدد سے انگریز تین نوابوں کو مسند حکومت سے ہٹا چکے تھے۔ اور نوابوں کے اس عزل و نصب کے ذریعہ نہ صرف بنگال کی تمام وکمال تجارت اور کروڑوں روپیہ نقد بطور نذرانہ ان کے قبضہ میں جا چکا تھا بلکہ بڑی بڑی جاگیریں بھی ان کے زیر تصرف آ گئی تھیں۔ انگریزوں کے ہاتھ سے مغرور مشرہ نوابوں میں ایک میر قاسم علی خاں عالی جاہ تھے جنہوں نے نہایت بہادری اور پامردی سے اپنے ملک کو اغیار کی دستبرد سے چائیکے لئے ایک آخری جان توڑ کوشش کی لیکن ملکی غداروں نے انکو بھی نہ بچنے دیا اور تمام تدبیروں کو خاکیں ملا کر انکو ملک بدر ہونے پر مجبور کر دیا۔

۱۸۵۷ء واقعات کی تفصیل کے لیے دیکھ ہندوستان کی صحیح تاریخ درائر آف دی کریچین پاور انڈیا مائوٹ پیجری ڈی باسو جلد اول۔

مظلوم و مغلوب قاسم علی خاں ۴۴ - دسمبر ۱۷۳۳ء کو اپنے ملک کی مغربی سرحد دریائے کرم ناسا کو عبور کر کے اودھ میں داخل ہوئے اور شجاع الدولہ کی خدمت میں آکر انگریزوں کے خلاف اپنی اور اپنے ملک کی تباہی و بربادی کی فریاد کی۔ ابتداً تو شجاع الدولہ نے فریاد پر ہی میں لیت و لعل سے کام لیا۔ لیکن جب قاسم علی خاں کا اصرار حد سے سوا ہوا تو شاہ عالم بادشاہ کو ساتھ لے کر جوہنوزاودھ میں منقسم تھے انگریزوں کو سزا دینے اور قاسم علی خاں کو دوبارہ سمنڈ نشین کرانے کے ارادے سے بنگال پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنے اس ارادے میں شریک کرنے کے لئے شجاع الدولہ نے ایک خط حافظ الملک کو بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ -

”صاحبان انگریز نے ان دنوں قاسم علی خاں صوبہ دار بنگال کو شکست دے دی ہے اور تمام ملک پر متصرف ہو گئے ہیں۔ قاسم علی خاں مرد کی امید پر میرے پاس چلے آئے ہیں۔ چونکہ ہمارا آپ کا معاملہ واحد ہے لہذا امید ہے کہ آپ مناسب فوج ہماری مدد کو روانہ کریں گے“

جنگِ پٹنہ میں عنایت خاں حافظ الملک ان دنوں موسمِ برسات پہلی بھیت میں گزر رہے تھے۔ یہ خط موصول ہونے پر انھوں نے عنایت خاں کو چھ ہزار آدمیوں کا سوار و پیادہ فوج کے ساتھ روانہ کیا اس فوج کے سرداروں میں محمد خاں و میرزا خاں (جو حافظ صاحب کے ہمیشہ زادے تھے) محمد تقیم خاں پیر شیخ کبیر میرزا سیف الدین خاں پسرانِ پرہیزگار اور محبت خاں وغیرہ رسالدار تھے۔ جب عنایت خاں الہ آباد کے قریب پہنچے تو شجاع الدولہ نے راجہ بینی بہادر کو استقبال کے واسطے روانہ کیا دو کوس آگے بڑھ کر عنایت خاں سے خود بھی ملاقات کی اور اپنے جہمہ میں لاکر بڑی گرم جوشی سے مراسمِ ہمانداری

ادا کئے۔ بعد ازاں شجاع الدولہ - شاہ عالم بادشاہ - قاسم علی خاں اور عنایت خاں نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ بنارس کی طرف کوچ کیا۔

ناگوں اور روہیلوں کا فساد اثنائے راہ میں اتفاقاً عنایت خاں کے لشکر کے افغانوں میں سے ایک شخص نے گائے ذبح کر دی اور چاہتا تھا کہ گائے کی ران گھوڑے پر رکھ کر اپنے لشکر میں لے جائے کہ شجاع الدولہ کی فوج کے ناگوں نے اس پٹھان پر حملہ کر دیا اور اس کا گھوڑا زخمی کر دیا قریب تھا کہ مارا جائے یہ خبر سن کر دوسرے پٹھان مدد کو پہنچ گئے اور اپنے ساتھی کو بچا لیا۔ عنایت خاں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اپنے پٹھانوں کو حکم دیدیا کہ ناگے جہاں ملیں ان کو قتل کیا جائے۔ دوسرے روز صبح کو افغانوں نے چار سو ناگوں کو ایک گاؤں کی لوٹ کھسوٹ میں مشغول دیکھا۔ ان کا محاصرہ کر لیا اور انکو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ناگوں نے بھی حتی الوسع مقابلہ کیا لیکن آخر کار مغلوب ہو کر بھاگ گئے۔ اس لڑائی میں افغانوں کے ہاتھ سے ڈھائی سو ناگے قتل ہوئے۔ افغان بھی بارہ زخمی ہوئے اور بیس مارے گئے۔ اس واقعہ کی خبر شجاع الدولہ کے مدارالمہام راجہ بینی بہادر کو پہنچی تو فوراً عنایت خاں کے ڈیرے پر آیا اور بہت سی محذرت کی۔ دوسرے روز خود شجاع الدولہ ناگوں اور ان کے سرداروں کو ہمراہ لے کر عنایت خاں کے پاس آئے اور انتہا درجہ کی دلجوئی کر کے یہ طے کیا کہ ناگوں کا پڑاؤ افغانوں کے لشکر سے ایک منزل پیچھے رہا کرے گا۔

عنایت خاں کے توسل سے شجاع الدولہ کا لشکر جب بنارس میں داخل ہوا تو اس مقام کے راجہ بلونت سنگھ کی کمک راجہ بلونت سنگھ نامی نے اپنے سفیر نور الحسن بلگرامی کو عنایت خاں کے پاس بھیجا اور یہ خواہش کی کہ۔

”میں نے گوشت درجہ اول اور شجاع الدولہ کو زبردستی ہمیشہ دیا ہے لیکن کبھی ملاقات

نہیں کی ہے اس لئے آپ کہ ہندوستان میں احمد شاہ دُترانی کے وکیل مطلق کے نائب ہیں میری شجاع الدولہ سے ملاقات کر دیجئے،

عنایت خاں نے اس پیام کا شجاع الدولہ سے ذکر کیا اور بخوبی اطمینان کر کے اُن سے راجہ کی ملاقات کراوی بعد ملاقات راجہ بھی دو تین ہزار فوج کے ساتھ شجاع الدولہ کے ساتھ شریک ہو گیا۔

جنگِ پٹنہ کی ابتدا شجاع الدولہ کی فوج اتنی ہزار تھی جب اس شکر نے دریائے کرم ناسا کو عبور کیا تو پھر کارنگ نے اپنی فوج کی کمی کے باعث دریائے ہٹ کر پٹنہ میں پناہ لی اور شہر میں سے مورچے درست کر کے مستعد جنگ ہوا۔ شجاع الدولہ بھی پٹنہ سے چار کوس کے فاصلہ پر مقام پھل دریا میں خیمہ افگن ہوئے۔ انگریزی فوج کے افسر پھر کارنگ کی قاسم علی خاں سے سخت دشمنی مشہور تھی اس لئے اُس نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مُسلم سرداروں میں پھوٹا دلوانے کی کوشش کی تاکہ اس کی قلیل فوج مسلمانوں کی کثیر فوج پر ان کے آپس کے نفاق کے باعث غالب آجائے۔ سیرالمتاخرین کا مولف مسبد غلام حسین جو اس معرکہ میں شجاع الدولہ کے ساتھ تھا انگریزوں کے اس مقصد کی تکمیل میں آ لہ کار تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ۔

”میں نے اپنے آپ کو انگریزوں سے وابستہ کرنے کا تہیہ کیا جن سے اس عرصہ میں مجھے اُنسیت ہو گئی تھی۔ میرا ان سے کچھ تعلق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بالخصوص ڈاکٹر فلرٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی جس کے ذریعہ سے اس نے

۱۵ ملاقات نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ جب سے پرتھوی پت زمیندار پر تاج گڑھ صفدر جنگ کے حکم سے مارا گیا راجہ بلونت یہ کہا کرتا تھا کہ غلاب عالی خدا کے برابر ہیں جو کوئی خدا کے پاس جاتا ہو واپس نہیں آتا ہی۔ بلکہ رام نگر کی بنیاد اسی راجہ بلونت سنگھ نے رکھی تھی اور قلعہ بجے نگر میں جو نہایت دشوار گزار پہاڑ پر تھا اپنا خزانہ رکھتا تھا جس کو لوگ کرڈوں روپیہ سے بجا ورتاتے تھے۔

مجھے اطلاع دی تھی کہ بادشاہ (شاہ عالم) دل سے انگریز پارٹی کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس نے مجھے صلاح دی تھی کہ بھکواپنے اور بادشاہ کے بہت جلد انگریزی کمپ میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملے میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور وہ انگریز قوم کے شکر یہ کا سرور ہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا۔...

مندرجہ بالا تحریر میں جس طرح انگریزوں سے بادشاہ کی ساز باز کا پتہ چلتا ہے اسی طرح بلاشبہ دوسرے سرداروں نے بھی سازش کی ہوگی۔ لہذا ان حالات میں جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شجاع الدولہ میر قاسم علی خاں اور عنایت خاں وغیرہ کا لشکر خاص پٹنہ کے قریب پہنچا تو انگریزوں نے گولہ اندازی شروع کی۔ شجاع الدولہ کی طرف سے بھی توپیں اور گراہیں سر ہوئیں لیکن شجاع الدولہ کی فوج جو میدان میں تھی پلے درپلے گولہ باری کے سبب سے قائم نہ رہ سکی۔ بعضوں نے درختوں پر چڑھ کر پناہ لی اور بعضے پرانے کھنڈرات میں چھپ گئے۔ عنایت خاں اپنی جمعیت کے ہمراہ انگریزوں کے مورچہ کے قریب جو گولوں کی زد پر تھے ایک نشیبی جگہ میں گھوڑے سے اتر کر جنگ کرنے لگے اور سوارانِ مغلیہ کے حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ زوال کے وقت اپنی بہادر نے بہت جدوجہد کے ساتھ انگریزی مورچوں پر حملہ کیا اور خندق کے قریب پہنچ گیا مگر اس کی فوج مقتول و مجروح ہو کر بھاگ گئی۔ اس کے بعد ناگوں نے حملہ کر کے اپنے آپ کو خندق تک پہنچایا۔ لیکن وہ بھی طمانچہ آتشیں منہ پر کھا کر پیٹھ پھیر گئے۔ مغلیہ فوج نے جو تعدادیں بہت زیادہ تھی اور عنایت خاں سے قریب تر تھی مطلق بہمت و شجاعت نہ دکھائی۔ عنایت خاں

برابر کھلا کر بیٹھتے رہے کہ ایک طرف سے سوارانِ مغلیہ حملہ کریں اور ایک طرف سے یورش کروں اور اتفاقِ بہادر کے ساتھ انگریزی فوج پر گر کر ان کو تلوار پر رکھ لیں۔ شجاع الدولہ نے بھی اس امر میں کوششِ تبلیغ کی لیکن فوجِ مغلیہ کے سرداروں سے سہمہ پیش نہ گئی اور جنگ سے دست کش ہو کر جوں کے توں میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے۔ شجاع الدولہ نے یہ حال دیکھ کر عنایتِ خاں کے پاس آ کر کہا کہ اب پھل وریا کو واپس ہی چلنا مناسب ہے۔ جمہوراً عنایتِ خاں حسبِ ثواب دید شجاع الدولہ پہرہ دن باقی رہے اپنی جگہ سے چلکر اور چند توپوں کو جنھیں مغل لوگ بسببِ گرائی میدان میں پھوڑ گئے تھے اپنے ہمراہ لے کر پھل وریا واپس آئے۔ اس وقت میر محمد خاں بابر توپ کا گولہ کھا کر مار گیا اور مستقیم خاں زخمی ہوا۔ لیکن عنایتِ خاں دوسرے رسالداروں کے ساتھ بخیریت تمام قریب ایک پہرہ رات گئے پھل وریا میں داخل ہوئے۔ دوسرے روز شجاع الدولہ نے دوبارہ لڑائی کی تیاری کرنی چاہی لیکن کامیابی کی امید نہ دیکھ کر واپسی کا حکم دے دیا۔ اور بکسر میں لشکر کی چھاؤنی قرار دی۔ پٹنہ کی لڑائی میں میر قاسم شجاع الدولہ اور بادشاہ کی فوج کی شکست ایک حد تک ہمارا جہ کلیان چند پسر راجہ شتاب رائے کی غداری کے باعث ہوئی۔ یہ شخص گو شجاع الدولہ کی ملازمت میں تھا لیکن برابر اپنے آقا کے لشکر کی تعداد فوج اور ان کی نقل و حرکت وغیرہ کے متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کو خبریں دیا کرتا تھا۔

اسی طرح شجاع الدولہ کے لشکر کے ایک اور غدار افسر بن العابدین نے ایک خطِ بھر منرو مقیم کلکتہ کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ -

”وہ اسد خاں بہادر کے ذریعہ آپ کا محبت آمیز خط موصول ہو کر باعثِ سرفرازی ہوا جس میں آپ نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں جس قدر تعداد میں ممکن ہو اتنے

عمدہ اور شہسوار مغلوں اور تورانیوں کے ساتھ آپ کا شریک ہو جاؤں“
اس قسم کی سازشوں اور خفیہ ریشہ ووائیوں سے تنگ آکر کبیر سے غایت خاں رخصت ہو کر روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت میر قاسم علی خاں نے پانچ زنجیریل۔ چند عدد جو اہمیتی اور پارچہ ہائے یثیمی وزر دوزی اور دیگر نفائس بنگالہ تحفہ کے طور پر حافظ الملک کے واسطے غایت خاں کے حوالے کئے۔

بھکر کی جنگ میں نواب قاسم علی خاں غایت خاں کے روہیل کھنڈ واپس ہونے کے بعد شکست کھا کر حافظ الملک کی پناہ میں ۲۳۔ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو شجاع الدولہ اور ان کے ساتھیوں کی انگریزوں سے بمقام کبیر جنگ ہوئی جس میں اسی قسم کے حالات کی بنا پر جو جنگ پٹنہ میں پیش آئے تھے شجاع الدولہ کو دوبارہ شکست فاش ہوئی۔ جس کا انجام یہ ہوا۔ کہ شاہ عالم بادشاہ نے تواضع اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور شجاع الدولہ کے انگریزوں سے اس شرط پر مجبوراً صلح کے نامہ و پیام ہونے لگے کہ میر قاسم علی خاں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ عنقریب تھا کہ قاسم علی خاں گرفتار کر لئے جائیں کہ وہ بروقت مطلع ہو کر ایک تیز رفتار ہاتھی پر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ پہلے اپنے اہل و عیال کے پاس الہ آباد آئے جہیں شجاع الدولہ کے آدمیوں نے ٹوٹ کر قید کر لیا تھا۔ اور انہیں اپنے ساتھ لے کر بعد ازاں روہیل کھنڈ کا رخ کیا۔ جب بریلی پہنچے تو حافظ الملک نے ان کی بہت کچھ دلہی و خاطر مدارات کی اور اپنی پناہ میں لے کر آٹولہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقام اتر چھینڈی میں نواب سعد اللہ خاں مرحوم کی حویلی میں مقیم کیا۔ جہاں وہ پانچ سال تک بڑے آرام و اطمینان سے رہے۔

۲۵۔ گل رحمت سیہ المتاخرین۔

۲۵۔ قاسم علی خاں کا انتقال ہوا مولوی بدر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۷۶۴ء میں نواب میر قاسم علی خاں نے اپنی امداد کے لئے احمد شاہ درانی کو ہندوستان بلا یا۔ شاہ درانی فروری ۱۷۶۴ء میں دریائے گنگا کو عبور کر کے لاہور سے ایک سو بیس میل کے فاصلے پر آ گئے۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ اس مرتبہ ہندوستان کے تمام مسلمان حکمران ان کا ساتھ نہیں دیگے اور شجاع الدولہ انگریزوں کی

(۲۳)

نواب نجیب الدولہ پرجاٹوں کا حملہ اور حافظ الملک کی امداد

۱۷۶۳ء ہی کی ہنگامہ خیز سال میں جاٹوں کے راجہ سورج مل نے جوڈو مرتبہ شاہ درانی کی دستبرد سے بچ جانے کی وجہ سے بہت طاقت ور ہو گیا تھا۔ خاندان تیموریہ اور نواب نجیب الدولہ کے استیصال کا ارادہ کیا۔ نواب نجیب الدولہ نے دہلی سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ لڑائی میں راجہ قتل ہوا اور اس کی فوج فرار ہو گئی۔ چھ مہینے کے بعد راجہ سورج مل کا لڑکا جواہر مل اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کی غرض سے ایک بڑے لشکر اور توپ خانہ کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جواہر مل نے ملہار راؤ ہلکر کو بھی اپنی امداد کے لئے طلب کیا۔ ہلکر پچیس ہزار فوج لے کر پہنچ گیا اور دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب نجیب الدولہ نے سپاہ کی کمی کے سبب سے شہر کی کوچہ بندی کرا دی اور شہر سے باہر نکل کر غنیم سے مدافعت جنگ شروع کی۔ لیکن چونکہ مرہٹوں نے گرد و پیش کے تمام دیہات کو تاخت و تاراج کر کے اور غلہ کی آمدورفت بالکل بند کر کے نجیب الدولہ کو بے حد تنگ کر دیا۔ اس لئے انھوں نے مجبور ہو کر اپنے حال کی ایک عرضداشت احمد شاہ درانی کے حضور میں ارسال کی اور ایک خط کے ذریعہ حافظ الملک سے مدد کی درخواست کی۔ حافظ الملک جس طرح احمد خاں بنگش کے سچے ہمدرد تھے۔ اسی طرح نواب نجیب الدولہ کی ترقی خواہی میں بھی

ص ص کی شرکت نہیں چھوڑیں گے مجبوراً ولایت کو واپس گئے رفٹ نوٹ رائز آف دی کرسچین

پاور ان انڈیا جلد اول

ہمیشہ مصروف رہتے تھے۔ اس لئے ان کی پریشان حالی سے مطلع ہوتے ہی اوائل ۱۷۶۵ء میں عنایت خاں کو اپنے نائب کے طور پر بریلی چھوڑ کر اور نواب دوندے خاں - بخشی سردار خاں - فتح خاں خانساہاں وغیرہ سرداران کی ماتحتی میں فوج کو لے کر براہ بسولی دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام دارانگر میں پہنچ کر حافظ الملک نے دریائے گنگا کا پل تیار کرایا اور پانچ چھ ہزار سواروں کو دریابجور کر کر حکم دیا کہ مرہٹوں کو جو نجیب الدولہ کی ریاست میں فساد برپا کر رہے ہیں اور غلہ کی رسد بند کئے ہوئے ہیں تہنیمہ کر کے وہاں سے باہر نکال دیں۔ سواروں نے اپنے کار منصبی کو مستعدی سے انجام دیا۔ اور دو تین مرتبہ مرہٹوں کو شکست دیکر اس سرزمین سے نکال دیا۔ جواہر مل اور ملہار راؤ حافظ الملک کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر ابھی مترود ہی تھے کہ ناگاہ انھیں احمد شاہ درانی کی کابل سے ہندوستان کو روانگی کی اطلاع ملی۔ چونکہ افغانی فوجوں کی ہیبت مرہٹوں کے دلوں پر غالب ہو چکی تھی اس لئے ملہار راؤ نے خوف زدہ ہو کر جواہر مل کو نجیب الدولہ کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور کر دیا اور جواہر مل اپنے دارالحکومت بھرت پور کو واپس ہو گیا۔ حافظ الملک دہلی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ نجیب الدولہ کے پاس سے قرار داد صلح کی اطلاع آگئی اور وہ بجائے دہلی جانے کے کچھ عرصہ کے لئے مقام حسن پور میں قیام پذیر ہو گئے۔

(۲۴)

بریلی میں نواب شجاع الدولہ کا ورود اور

حافظ الملک کا مشورہ

حافظ الملک کا ہنوز حسن پور میں قیام تھا کہ شجاع الدولہ انگریزوں کے ہاتھ سے چند اور شکستیں اٹھانے کے بعد اپنے متعلقین کے ساتھ بصد ناکامی و نامرادی وارد بریلی ہوئے۔ یہ واقعہ جارج نامہ میں اس طرح درج ہے۔

سوئے فیض آباد و لکھنؤ تخت فرستاد مردانِ ادیب در سب
دریں بہر و جاداشت و ابستگاں فراوان ہش گنج بودہ نہاں
کز انجبا بہ شہر بریلی بر بند برہ اندروں ہسیچکوں نغنونند
بہ سالار آں شہر از دیر گاہ چو درد وستی داشت یکشودہ راہ
شمرده مراور انگہاں خویش فرستاد گنج و شبستان خویش

جب شجاع الدولہ بریلی کے قریب پہنچے تو عنایت خاں استقبال کے واسطے آئے اور بہت کچھ لوازم مہاں داری بجالائے۔ چونکہ اس وقت شجاع الدولہ اپنی مصیبت میں حافظ الملک سے طالبِ امداد تھے اس لئے عنایت خاں شجاع الدولہ کو بریلی میں ٹھہرا کر حسن پور گئے اور وہاں پہنچ کر حافظ الملک کی خدمت میں مفصل حال عرض کیا۔ عنایت خاں کے روانہ ہونے کے بعد شجاع الدولہ بھی اپنے متعلقین کو بریلی چھوڑ کر از خود حسن پور روانہ ہو گئے۔ جب قریب پہنچے اور حافظ الملک نے ان کے آنے کی خبر سنی تو اپنے ڈیرے سے دو کوس جا کر بڑے اعزاز و اکرام سے اپنے لشکر میں لائے۔ دو تین روز کے بعد حافظ الملک شجاع الدولہ کو ساتھ لے کر فرخ آباد و نثریٹ لے گئے وہاں بعد مشورہ نواب احمد خاں بنگش یہ امر فرمایا کہ

اول اپنے وکلاء کی معرفت انگریزوں کو پیامِ مصالحت بھیجا جائے اگر انہوں نے منظور کر لیا قبول المراء ورنہ جیسا مقضائے وقت ہو عمل کیا جائے۔ شجاع الدولہ کو یہ مشورہ قطعی ناپسند ہوا اور انہوں نے ملہارا راؤ ہلکرا اور چند دوسرے سردار ان مرہٹہ کو اپنی مدد کے واسطے بلایا اور سب نے ملکر ۳۱ مئی ۱۷۹۵ء کو کوٹرا جہان آباد کے قریب انگریزوں پر حملہ کیا۔ مرہٹے انگریزی توپوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور ملہارا راؤ تاب مقابلہ نہ لاکر مفرور ہو گیا۔ شجاع الدولہ بعض مرہٹوں کے بھروسے پر انگریزوں سے لڑے تھے شکست کھا کر مجبوراً فرخ آباد کو واپس آئے اور اپنے کٹھن دکار کے لئے دوبارہ حافظ الملک سے طالبِ امداد ہوئے۔

حافظ الملک کی ایک سیاسی غلطی اس مرتبہ شجاع الدولہ نے اس مشورہ کو مان لیا اور انگریزوں کے لشکر کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے منشی ٹیک چند کو بھی پانچ سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ شجاع الدولہ کے ہمراہ رکاب اپنے سفیر کے طور پر انگریزوں کے پاس روانہ کیا۔

شجاع الدولہ اور منشی ٹیک چند میجر کارنک انگریزی سپہ سالار کے لشکر میں پہنچے تو اس نے ان کا استقبال کیا۔ اور شجاع الدولہ نے بھی بالکی سے اتر کر اس سے معافہ کیا اور اس کے ہمراہ خیمہ میں گئے۔ ۲۰ اگست ۱۷۹۵ء کو جیسٹر کلاؤ گورنر بنگال انگریزی کیمپ میں پہنچ گئے تو گفتگو نے مصالحت شروع ہوئی۔ اور بموجب شرائط صلح پچاس لاکھ روپیہ "نادان جنگ ادا کرنے کے بعد تمام صوبہ اودھ باستثناء کوٹرا جہان آباد اور الہ آباد شجاع الدولہ کو واپس دیدیا گیا۔ یہ عہدِ پیمان بھی ہوا کہ انگریز اور شجاع الدولہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست کے دوست اور دشمن کے دشمن رہیں گے۔ اگر کسی ایک پر دشمن کا حملہ ہوگا تو دوسرا اس کی امانت کریگا اور جو فریق اعانتا کے واسطے فوج طلب کرے وہ صاحبِ فوج کو مضار

کے واسطے روپیہ دے گا۔ امورِ اعلیٰ میں صلاح و مشورہ کرنے کی غرض سے ایک انگریز سفیر کا بھی اودھ میں رہنا قرار پایا۔

مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ آئندہ کے لئے شجاع الدولہ حافظ الملک اور دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی دسترس سے بالکل باہر ہو گئے۔ خود شجاع الدولہ کی آزادی اور خود مختاری کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملہ میں انگریزوں کی مرضی کے پابند ہو گئے۔

حافظ الملک کا اس موقع پر شجاع الدولہ کو انگریزوں سے صلح کا مشورہ دینا ایک سیاسی غلطی تھی کیونکہ شجاع الدولہ کا انگریزوں کے زیر اثر آجانا ہی دراصل زوالِ حکومت روپیل کھنڈ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اودھ پر انگریزی فتنہ کے بارگراں کا اس وقت سے جو سلسلہ شروع ہوا تو وہ کبھی ختم نہ ہو سکا اور آگے چلکر اسی فتنہ نے اگر ایک طرف شجاع الدولہ کو سرزمین روپیل کھنڈ پر مصائب و آلام کا طوفانِ عظیم برپا کرنے پر مجبور کیا تو دوسری طرف اُن کے جانشین کو بکلیات اودھ یعنی اپنی ماں اور وادی پر وحشیانہ مظالم توڑنے کی اجازت دینے پر تیار کیا۔

شجاع الدولہ نے انگریزوں سے صلح کے بعد ایک خط فتنی ٹیک چند کے ذریعہ سے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا جس میں کوالف صلح کے علاوہ یہ استدعا بھی کی تھی کہ ان کے متعلقین کو کھنڈ روانہ کر دیا جائے۔ یہ خط موصول ہونے پر حافظ الملک نے بریلی میں اپنے کارپردازوں کو حکم جاری کر دیا کہ ضروریات سفر ہیا کر کے شجاع الدولہ کے متعلقین کو بحفاظت تمام اودھ کو روانہ کر دیں۔

۱۳۷۱ء میں شہری آف انڈیا جلد سوم۔

۱۳۷۱ء تاریخِ انجمنِ موسومہ بنفش سلیمانی میں ایک نقل ہے کہ شجاع الدولہ روپیل کھنڈ آکر حافظ الملک سے طالب امداد ہوئے تو انھوں نے پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ غایتِ خاں کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب بعدِ شکست انگریزوں

ملہار راؤ کے حملہ کی مداخلت کے لئے حافظ الملک کی پھوپھو ند کو روانگی یہ خبر ملی کہ ملہار راؤ نے اٹا وہ پر حملہ کر دیا اور ملا حسن خاں ابن ملا حسن خاں پھوپھو ند میں محصور ہو گئے۔ یہ خبر بھی پہنچی کہ شیخ کبیر مھویرین کی مدد کے واسطے اٹا وہ سے پھوپھو ند کو چلے گئے۔ ان خبروں کو سن کر حافظ الملک بھی اپنی ہمراہ رکاب سواروں کی فوج کو

۴۴ سے صلح ہو گئی تو حکم گورنر صاحب بہادر شجاع الدولہ نے اپنا خیمہ و لشکر مقام فرود گاہ سے پانچ کوس پیچھے ہٹایا اور نواب گورنر بہادر نے اپنا خیمہ و لشکر اس مقام پر کیا جہاں پر لشکر نواب شجاع الدولہ کا تھا۔ الا تو اب غنایت خاں بہادر نے اپنا خیمہ و لشکر اسی مقام پر رکھا کہ جہاں تھا۔ نواب گورنر بہادر نے لشکر نواب غنایت خاں کو دیکھ کر یہ کہلا بھیجا کہ: آپ نواب وزیر کی کمک کو آئے تھے جبکہ نواب وزیر نے اپنا لشکر و خیمہ پیچھے ہٹایا آپ نے ان کے ساتھ کوچ کیوں نہیں کیا آیا ہمارے ساتھ آپ کو جنگ منظور ہے؟

نواب غنایت خاں بہادر نے بجواب اس کے نواب گورنر بہادر سے کہلا بھیجا کہ: نواب وزیر سے اور آپ سے صلح ہو گئی اور میں بے شک انہیں کی کمک کو آیا تھا۔ آپ اس امر میں مجھ سے مزاحمت نہ کریں۔ مجھے سرکار انگریزی سے بیکار و نا منظور نہیں آپ تشریف لے جائیں جب میرا جی چاہے گا میں بھی کوچ کر جاؤں گا ورنہ میدان جنگ سے بفضل خدا میرا قدم کبھی پیچھے نہیں ہرکارت ہے۔ آپ جائیں اور نواب شجاع الدولہ جائیں۔ یہ جواب سن کر نواب گورنر نے فرمایا کہ اچھا آپ کو اختیار ہے۔ ہمکو عرض نواب شجاع الدولہ بہادر سے تھی وہ اپنا لشکر پیچھے ہٹا لے گئے۔ آپ جب ناک چاہیں یہیں خیمہ رہنے دیں۔ چنانچہ اس کے تین روز بعد نواب غنایت خاں بہادر نے بھی اپنے لشکر کو لے کر اس مقام سے کوچ کیا تین دن تک میدان جنگ نہ چھوڑا۔

اسی سال ایک طائف برقی نام نہایت مہینہ اور جیلہ ضلع عظیم آباد یا مرشد آباد سے بخیاں ملازمت نواب وزیر پرو دھو وار دھوئی۔ ہنوز نواب صاحب ناک نہ پہنچی تھی کہ نظر غنایت خاں بہادر کی اس پر پڑی۔ طائف کے کچھ کس کو طلب کیا تو اس طائف نے حاضر ہونے سے انکار کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ میں نواب وزیر اور دھو کی ملازمت کے لئے آئی ہوں وہ پٹھان مجھے کیا نوکر رکھے گا لاکھ روپیہ سے کم پر ملازمت نہ کروں گی۔ یہ جواب سن کر فوراً نواب غنایت خاں نے مبلغ ایک لاکھ روپیہ اس کو بھیجا کہ اپنے ملازموں سے کہا کہ ابھی اسکو اپنے ساتھ لے آؤ چنانچہ کارہ و ازان غنایت خاں نے ایسا ہی کیا کہ اسے فوراً لے آئے وہ عورت نواب غنایت خاں کی یہ سیر جی ڈی و نوازش دیکھ کر نہایت راہنی اور خوش ہوئی۔

جبکہ نواب غنایت خاں بھی وجیہ و تشکیل جوان تھے اس نے پھر ان کی ۴۵

ساتھ لے کر بہ سرعت تمام پھونڈ کی طرف روانہ ہوئے اور دو پہر میں چونتیس کوس کی مسافت طے کر کے پھونڈ پہنچ گئے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملہار راؤ ان کی آمد کی اطلاع پا کر پھونڈ کے محاصرہ سے دست بردار ہو گیا اور دریائے جمنہ کو پار کر کے دکن کی طرف چلا گیا۔ حافظ الملک نے ملہار راؤ کا تعاقب کرنا خلاف مصلحت سمجھا اور پھونڈ ہی میں ٹھہر کر چند روز کے بعد ٹاؤن شریف لے گئے کچھ عرصہ وہاں کی ہمت میں مشغول رہے اور اس نواح کے سرکشوں کی خاطر خواہ سرکوبی کر کے اور دوسرے انتظامات ملکی انجام دیکر وطن کو واپس آ گئے۔

۴۴ مہاراجہ گوارا کی - عقد کر کے گھر میں بیٹھ گئی - نواب عنایت خاں اور حافظ الملک کی وفات کے بعد نواب محبت خاں بہادر نے بخیال دور اندیشی اپنا عقد اس نیک بخت سے کر لیا۔ نواب صاحب موصوف کے کوئی اولاد اس کے بطن سے نہیں ہوئی۔

مذکورہ بالا کچھ واقعات کی کسی دوسری تاریخ سے تائید نہیں ہوتی گو حافظ الملک کے اہل خاندان میں ان واقعات کا اب تک تذکرہ ہوتا ہے۔

(۲۵)

حافظ الملک کی ملاقات شاہ عالم سے اور ان کے صاحبزادوں کی اعزاز

روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حافظ الملک فتح گڑھ کو تشریف لے گئے جو ان کے مقبوضات میں شامل تھا۔ فتح گڑھ میں جو فرخ آباد سے بہت قریب تر واقع ہے حافظ الملک کے ورود کی خبر سن کر ان کے دوست نواب احمد خاں بنگلش نہایت خوش ہوئے اور ایک روز انواع و اقسام کے کھانوں کے نہایت پر تکلف خوان بطور دعوت حافظ الملک کی خدمت میں ارسال کر کے اس کے دوسرے روز خود بھی ملاقات کرنے کے لئے فتح گڑھ آئے۔ حافظ الملک ان سے ملاقات کر کے بہت مسرور ہوئے اور ان کی ہمائی کا سراں انجام کیا۔ احمد خاں نے تمام دن حافظ الملک کے خیمہ میں گزارا اور شام کے وقت فرخ آباد کو واپس ہوئے روانگی کے وقت یہ بھی استدعا کی کہ آپ فرخ آباد ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ دوسرے روز علی الصبح حافظ الملک نے فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔ نواب احمد خاں نے سامان دعوت شامل نہ مرتب کیا اور قسم قسم کی کھانے پینے کی چیزیں مہیا کیں۔ حافظ الملک اسی روز پورا دن عیش و عشرت میں گزار کر بعد نماز عصر فتح گڑھ کو واپس ہوئے۔ احمد خاں بیرون شہر تک رخصت کرنے کی غرض سے ہمراہ رکاب آئے اسی طرح اکثر دعوتیں اور ہماں داریاں طرفین سے ہوتی رہیں۔ کبھی نواب احمد خاں حافظ الملک کے پاس فتح گڑھ آکر ان کے لطف و محبت سے کیف اندوز ہوتے اور کبھی حافظ الملک فرخ آباد تشریف لے جا کر ان کو مسرور و مشکور فرماتے۔

حافظ الملک ہنوز فتح گڑھ میں مقیم تھے کہ شاہ عالم بادشاہ کا جو اس وقت اپنی فوج



کو لئے ہوئے کوڑا جہان آباد میں مقیم تھے ایک فرمان پہنچا کہ حاضر بارگاہ اقدس ہوں۔ اس فرمان کے پہنچنے پر حافظ الملک کوڑے کی جانب روانہ ہو گئے قریب پہنچے تو حکم بادشاہ منیر الدولہ مدار السلطنت۔ ذوالفقار الدولہ بخت خاں اور کرنل بارکرٹ کر شاہی سے تین کوس کے فاصلہ پر استقبال کے واسطے آئے اور حافظ الملک کے خیمہ میں ایک پہر تک بات چیت میں مشغول ہو کر رخصت ہوئے اور یہ قرار پایا کہ دوسرے روز حافظ الملک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ بموجب قرار داد دوسرے روز حافظ الملک سوار ہو کر کر شاہی میں پہنچے اور ملازمت بادشاہی سے مسرور و مفتخر ہوئے۔ بادشاہ نے حافظ الملک پر بے انتہا نوازش و مہربانی مبذول فرمائی اور ان کے منصب قدیم و کالت مطلق کا خلعت فاخرہ عنایت کیا۔ حافظ الملک کے صاحبزادگان ارادت خاں، حافظ محمد یار خاں اور غلام مصطفیٰ خاں کو بھی جو اس سفر میں ہمراہ تھے بادشاہ نے اپنی ملازمت کا شرف بخشا اور ہر ایک کو گراں بہا خلعت پیش گاہ شاہی سے مرحمت ہوا۔ اسی طرح فتح خاں، خاں خاں، مستقیم خاں، پسر شیخ کبیر اور عبدالستار خاں رسالداران کو جو حافظ صاحب کی معیت میں تھے خلعت مرحمت ہوئے۔ چونکہ اسی زمانہ میں حافظ محمد یار خاں نے حفظ کلام اللہ سے فراغت حاصل کی تھی اس لئے اس خبر کو سن کر بادشاہ نے انکو تسبیح غلے میں طلب فرمایا اور پنج آیت شریفہ سننے کے بعد ان کی خوش گلوئی اور صحت لفظی سے مسرور ہو کر ایک پاٹھافیل عنایت کیا۔ نیز اضافہ منصب اور عطائے خطاب کا امیدوار بنایا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد جب حافظ محمد یار خاں نے اپنے وکیل کی معرفت نذرانہ پیش کش کیا اور مذکور بالا عطیات کی خواستگاری کا اظہار کیا۔ تو حکم شاہی کے بموجب اہلکاران دربار نے یادداشت بابت منصب پنج ہزاری اور دوسہ سو سوار مع عطیہ پالکی بھالدار اور خطاب منظم الدولہ حشرت جنگ تھری کر کے حوالہ کیا۔ حافظ الملک جب تک کوڑے میں مقیم رہے روزانہ حضور شاہ میں حاضر ہوتے اور محاللات ملکی میں شریک مشورہ ہوتے تھے۔

چند روز کے بعد شاہ عالم الہ آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت بادشاہ

نے دوبارہ حافظ الملک کو خلعت و شمشیر اور اسپ و فیل عطا فرمایا۔ بادشاہ کی حصولِ ملازمت سے شرف اندوز ہو کر حافظ الملک جوں ہی بریلی پہنچے انہیں یہ افسوسناک خبر ملی کہ ملائیس خاں بعارضہ سل انتقال کر گئے۔ ملائیس خاں امان زائی پٹھان تھے۔ آغاز جوانی میں ولایت سے آ کر بمقام شاہجہان پور عرصہ تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ بعد الفراغ نواب علی محمد خاں کی فوج میں ملازم ہوئے۔ حافظ الملک کے عہدِ حکومت میں ابتداءً عہدہ جمعداری پر فائز ہوئے اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے معرکوں میں اپنے جوہر شجاعت دکھانے کی بدولت ایک نامور سردار ہو گئے۔ حافظ الملک کو ان پر بہت اعتماد تھا اور ان سے قلبی محبت کرتے تھے چنانچہ ملا صاحب کے انتقال کے بعد حافظ الملک نے ان کا رسالہ ان کے بڑے لڑکے محمد حسن خاں کے سپرد کر دیا۔

(۲۶)

مرہٹوں کی شمالی ہند پر از سر نو پوشش اور حافظ الملک کی مشکلات

پانی پت کی مشہور لڑائی کو ختم ہوئے ابھی پورے دس سال نہ گزرے تھے کہ چند در چند خانہ جنگیوں کے بعد مرہٹوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو از سر نو حاصل کریں اور گئے ہوئے اثر و اقتدار کو از سر نو قائم کریں اس خیال کو عملی صورت میں لانے کے لئے مرہٹہ سردار ایک لاکھ فوج ہزار کے ساتھ شہر میں دریا کے نزدیک اکو عبور کر کے شمالی ہند کی دوبارہ تسخیر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس موقع پر مرہٹوں کو روہیلوں اور دوسرے اُن مسلمان حکمرانوں کو جنہوں نے ۱۷۶۱ء میں ان کے استیصال میں شاہ درانی کا ساتھ دیا تھا خاص طور پر زیرِ کمر نامہ نظر تھا۔ لیکن ان مسلم حکمرانوں کے علاوہ انہیں کسی دوسرے غیر مسلم راجہ یا سردار سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی اور انہوں نے اس مہم میں ان راجپوت سرداروں کو بھی خوب لوٹا کھسٹا جن کی ریاستیں ان کے راستہ میں پڑتی تھیں راجپوتوں کے بعد جاٹوں کی باری تھی جن کے مقبوضات اس وقت مرہٹوں کی موجودہ جائے قیام اُجین اور روہیلوں کے درمیان حائل تھے۔ اُجین تک مرہٹوں کے بڑھ آنے کی حافظ الملک کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے اور جاٹوں کے ملک پر جو ان کے دوست تھے آئندہ پیش آنے والے جملہ خطرات کو محسوس کر کے ازراہ دور اندیشی و بالغ نظری مرہٹوں کے مقابلہ میں جاٹوں سے اتحاد عمل کرنا چاہا تاکہ وہ اور جاٹ ملکر مرہٹوں کو آگے بڑھنے سے روکیں اور اس طرح ۶۰ علاج واقعہ پیش از وقوع پایہ کرد۔ کے صحیح طور پر مصداق بنیں۔

راجہ نول رائے سے انتحار عمل کی
تحریک۔ حافظ الملک کا ایک
اہم خط اور اُس کا جواب

اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر حافظ الملک نے ایک عاقلانہ
اور روزمندانہ خط راجہ نول رائے والی بھرت پور کو لکھا۔
”راجہ صاحب بسیار مہربان مخلصان سلامت۔

بعدترقیم مدارج اشتیاق ملاقات بھجوت آیات جو اندازہ بیان سے زیادہ ہیں
مکتوف ضمیمہ میں کیا جاتا ہے کہ جب سے آپ کا خط خیریت نہیں موصول ہوا ہے
جناب کی خیریت دریافت کرنے کی بے حد تمنا اور اشتیاق ہے۔ عالم محبت معنوی
میں اگرچہ کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہے لیکن خط و کتابت کا سلسلہ بند ہونے سے
طبیعت میں فکر اور تردد پیدا ہو جاتا ہے۔ فوج و کئی کے خروج کا حال اور ہندوستان
کو زبردست کرنے کے واسطے تین سرداروں کی روانگی اور اُن کی دست درازی
کے معاملات آپ نے خارجاً جاسن۔ لیئے ہوں گے ہر چند کہ جھجکوا ایسا گمان نہیں ہو
کہ کوئی بھی رئیس اور دوائی ملک اس کام کی تدبیر سے غافل ہو گا یا اپنی تدابیر خلاف عقل
کرنا ہو گا یا خدا نے تعالیٰ جل شانہ کے فضل پر بھروسہ کر کے چارہ کار میں مشغول نہ ہو گا۔
لیکن سخت افسوس یہی ہے کہ اس ملک کے سرداروں نے دور اندیشی سے غافل
ہو کر نفاق کو آپس میں رائج کر دیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر ایک
کے گھر کو آگ لگ جاتی ہے تو دوسرے کے منہ سے آہ نہیں نکلتی بلکہ خوشی کے چراغ
روشن کرتا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں جب بھاؤ نے اس طرف لشکر کشی کی تو اُس
کی مدافعت کے واسطے ہر ایک مسلح اور مستعد ہو گیا۔ بادشاہِ درانی بھی اس ہم
دشوار گزار میں معاون ہو گئے اور ہندوستان کے تمام سرداروں کو اپنے حلقہ اطاعت
میں لے کر اس کی مدافعت میں مصروف ہو گئے۔ آج جو ہم نظر عین سے دیکھتے ہیں تو
ہر خاندان ایک آشوب حوادث میں مبتلا ہے اور کسی کو کسی کے حال کی خبر نہیں ہے۔
چونکہ آپ ایک عمدہ رئیس ہیں اور آپ کے خاندان گرامی کی شوکت و مشکوہ تمام

ہندوستان میں مشہور ہے۔ لہذا اگر آپ رخنہ فساد کے السداد کی طرف شروع سے متوجہ ہو جائیں اور اس نواح (یعنی روپیل کھنڈ) کے سرداروں کو اپنا رفیق سمجھیں تو یہ ہر وقت کا کھٹکا دل سے دور ہو جائے اور اطمینان خاطر حاصل ہو جائے۔ لیکن مداخل کی کمی اور مخارج کی زیادتی کے سبب سے آپ کو ہماری مالی امداد ضرور کرنا ہوگی تاکہ ہم لوگ فوج اور سپاہ کی دلجمعی کا بندوبست اور سفر کا اسباب متیار کر کے حق دوستی ادا کریں جو فی زمانہ انبیاءِ مالی امداد کے ناممکن ہے اور تائیدِ غیبی سے اگر کامیابی ہوگئی تو آئندہ ہمیں آپ کی مالی امداد کی ضرورت نہ پڑے گی۔ چونکہ آپ کا ملک مقبوضہ اس سیلاب فساد کے راستہ میں واقع ہے اور اس کے نتیجہ میں جو انقلابات پیدا ہو سکتے ہیں وہ سرِ بلحِ الظہور ہیں لہذا خدمتِ عالی میں عرض کیا گیا تاکہ کل کو مخلصوں کے مواہم میں جائے شکایت نہ رہے باقی امور شئی بہتر ہو جی زبانی عرض کر دے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

حافظ الملک کا یہ خط جب بھرت پور پہنچا تو جاٹوں میں سخت خانہ جنگی ہو رہی تھی ۱۷۶۸ء میں راجہ جواہر مل کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا لڑکا رتن سنگھ بھی ۱۷۶۹ء میں قتل ہو چکا تھا اور اس وقت رتن سنگھ کا نابالغ لڑکا کھیری سنگھ تخت نشین تھا جس کے دوستیلے چچا نول سنگھ (جس کو حافظ الملک نے خط لکھا تھا) اور رنجیت سنگھ عہدہ مدار المہامی کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ نے اپنی مدد کے لئے سکھوں کو بلایا تھا اور نول سنگھ مرہٹوں سے طالب امداد تھا۔ اس لئے اندریں حالات نول سنگھ نے براہ کوتاہ اندیشی جو جواب حافظ الملک کو لکھا اُس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

”نواب صاحب ہر بان مخلصان سلامت۔“

۱۔ ہٹری آف دی جاسٹس۔ پروفیسر قانون گو۔

صحیفہ گرامی موصول ہو کر نہایت خوشی کا موجب ہوا۔ اہل دکن کی آمد آمد کی خبریں معلوم ہوئیں اور یہ معلوم کر کے کہ آپ بمقتضائے صفاء و اختصاص و محبت و اخلاص شرائط دوستی بجالانے کے واسطے مستعد و مصروف ہیں اطمینان کلی حاصل ہوا نیز دیگر اہل تلب دور اندیشی جو آپ کے خط میں تحریر تھے مفصل دریافت ہوئے۔ بہر حال من مخطم اہل تلب وفاق کا مقتضایا ہی ہے کہ سختی کے وقت دوستی کے کھرے کھوٹے کو آزمائش کی کسوٹی پر جانچ لیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرے وکلاء جو پیشوا صاحب بہادر کے دربار میں رہتے ہیں ان کی تحریروں کے ذریعہ آپ کے لکھنے سے قبل یہ سب حال معلوم ہو گیا تھا کہ شہر بہمنٹ بہادر نے صوبہ دار ٹکرجی ہلکار اور پٹیل صاحب بہادر کو ہندوستان سے اپنا زروا واجب وصول کرنے کی غرض سے جو سالہا سال سے ان کو نہیں پہنچا ہے نیز چونکہ انقلاب سابق کی وجہ سے ابھی ان کے دل کا آبلہ نہیں چھوٹا ہے روانہ کیا ہے اور رام چندر گنیش کو مع رائے ٹیکا کے ان کے ہمراہ کر دیا ہے۔ چنانچہ سردار ان موصوف افواج بے شمار اور سامان شاہانہ کے ہمراہ نواح امین میں تشریف لے آئے ہیں اور جھکو کھا ہے کہ اُس سال انکو ہندوستان سے داروین منظور خاطر ہے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کا انتظام ہمارے آپ کے باہمی صلاح و مشورہ کے ساتھ ہوگا۔ لہذا اپنے وکیل کو روانہ کیجئے اور جس راستے سے آپ لکھیں اُسی راستہ کوٹ کر گاگزگاہ قرار دیا جائے۔ بالفعل خیر و زل شکر اطراف جے پور میں مقیم رہے گا۔ چنانچہ میں نے ایک مقدمہ کو روانہ کر دیا ہے اور یہ امر منظور کر لیا ہے کہ ان سرداران عالی شان کے تشریف لانے پر میں خود ان سے ملاقات کر دوں گا۔ چونکہ اس دفعہ ان سرداران ذی شان کے ارادے بہت دور و دراز کے ہیں کسی ایک ہی شخص یا ملک کا فتح کرنا منظور نہیں ہے لہذا بمقتضائے وثوق محبت آپ کو تحریر ہوتا ہے کہ آپ کو اور دیگر صاحبان لشکر کو سرداران فتح دہنی

سے اتفاق یا اختلاف جیسا کچھ منظور ہوئے مختلف تحریر کر دیں تاکہ بوقت مناسب دوستی کو مد نظر رکھتے ہوئے انتظام و التیام امور دوستان کو عمل میں لایا جائے۔ اگر صاحبانِ دکن اور سردارانِ ہند کے دلوں میں کدورت کا کوئی عبا رہوگا تو اس کی صفائی کی تدبیر کی جاوے گی اور جنگ و پیکار کا طوفان برپا نہ ہونے دیا جائے گا اس سبب سے کہ خود میرا قدم میدان میں جما ہوا ہے۔ میں دوستوں کے امور کی رونق و سرسبزی کا دل سے خواہاں ہوں اگر آپ کو اپنے اقتدار ما فی الضمیر اور اظہارِ مظنونیت خاطر میں کسی قسم کی رکاوٹ ہو تو مجبوری ہے اس سبب سے کہ اس صورت میں شروع کا رکے وقت تدبیر صرف تیرہوائی کے طور پر ہوگی ممکن ہے کہ ہدف مدعا پر نہ نہ لگے۔ باقی مراتبِ منصبیت و موالات نشی چتر بھوج داس کی زبانی آپ کو معلوم ہونگے۔ اپنی خیریت مزاج سے ہمیشہ مطلع اور مسرور کرتے رہتے زیادہ ایامِ مسرت بکام باد۔

حافظ الملک نے راجہ نول سنگھ کے مشورہ پر کہاں تک عمل کیا اس کا کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا زیادہ گمان یہی ہے کہ مرہٹوں کی قدیم دشمنی اور فطری نے وفائی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو راجہ نول سنگھ کے اس جواب سے بہت مایوسی ہوئی ہوگی اور انھوں نے راجہ مذکور کے ذریعہ مرہٹوں سے صلح و آشتی کا کوئی نامہ و پیام نہ کیا ہوگا۔ خود راجہ نول سنگھ کو بھی مرہٹوں سے حسن ظن اور امید ادا رکھنے کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا چنانچہ ہسٹری آف دی جاٹس کے لائق مؤلف پروفیسر کالیکا رجنن قانون کو اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ۔

”مرہٹوں نے آپس میں لڑنے والے مختلف ہندوستانی حکمرانوں کے درمیان

۱۵ حافظ الملک اور راجہ نول سنگھ کے خطوط ہم نے تاریخ اودھ حصہ دوم سے فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کر کے نقل کئے ہیں مؤلف تاریخ اودھ کو ”یہ خطوط بھرت پور سے ملے ہیں“

ایک طاقتور صلح کار کا ساطر عمل اختیار کرنے کے بجائے شرارت پسندوں اور بغاوت
وفا نہ جنگی کو ترغیب دینے والوں کا پارٹ ادا کیا۔ جس وقت سورج مل کے لڑنے کے
اپنے اپنے حق مدار المہامی کا تلوار سے فیصلہ کر رہے تھے مرہٹے اس جنگ کا بہ نظر
استحسان تماشہ دیکھتے رہے۔ جب نول سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ
کو شکست دیکر اور سکھوں کو روپیہ کے ذریعہ مطمئن کر کے خانہ جنگی کا قریب قریب
خاتمہ کر دیا تو مرہٹے جاٹوں کے ملک میں داخل ہوئے اور بھرت پور کے گرد و نواح
کی لوٹ مار شروع کر دی۔ ساتھ ہی انھوں نے رنجیت سنگھ کو بھی اپنے بھائی
سے جنگ کرنے کے لئے از سر نو بھڑکایا۔

نول سنگھ سے مرہٹوں کی لڑائی اپنی تمام پہلی قرار دادوں اور تمام معاہدہ کو فراموش کر کے
حافظ الملک کے مشورہ پر عمل نہ کرنے کا خمیازہ
مرہٹوں نے بہ کمال ویدہ دلیری محض روپیہ انٹھنے کی غرض
سے امداد دینے کے بجائے اٹل نول سنگھ ہی سے لڑنا شروع
کر دیا۔ راجہ نول سنگھ نے چارہ اس صورت حال سے بالکل نئے خبر تھا اس لئے جب ڈیگ
کے قریب جنگ ہوئی تو اس کی فوج کو شکست فاش اٹھا پاڑی۔ پانچ ہزار سوار اور دو ہزار
پیادہ مقتول و مجروح ہوئے۔ مزید برآں لڑائی کے بعد سینسٹم لاکھ روپیہ پر تصفیہ ہوا تو کہیں
برقت نول سنگھ کی جان چھوٹی۔ اگر راجہ نول سنگھ حافظ الملک کی تحریک امداد کا غیر مقدم کرتا تو
مرہٹوں کی چال میں نہ آجاتا تو نہ صرف اسے یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا بلکہ مرہٹوں کا سیلاب
فساد آگے بڑھنے سے بھی رک جاتا۔

مرہٹوں کا سرخ فرخ آباد کی طرف
اور حافظ الملک نواب بنگش کی تحفا
ہیں۔ نواب نجیب الدولہ کی خود غرضی
کی طرف رجوع ہونا چاہا۔ اس صورت حال سے روہیلہ سرداروں کو بڑی تشویش پیدا ہوئی
جاٹوں کے استیصال سے فارغ ہو کر مرہٹوں نے اب جنگ
پانی پت والے اپنے اصلی دشمنوں نواب نجیب الدولہ
نواب احمد خاں بنگش والی فرخ آباد اور حافظ الملک وغیرہ

اور ان میں سے ہر ایک اپنی حفاظت کی تدبیر کرنے لگا۔ اس عام قومی خطرے کے وقت نواب نجیب الدولہ نے نہایت خود غرضی سے کام لیا یعنی دوسرے پٹھان سرداروں سے مشورہ کئے بغیر صرف ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر دیسا جی کشن اور اپنے قدیم دوست ٹکوجی ہکمر کی وساطت سے اپنی فوج لیکر دوآبہ میں گئے اور بالالہی بالامر ہٹوں سے صلح کر لی۔ اور ان کی توجہ اپنے مقبوضات کی طرف سے ہٹانے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ نواب احمد خاں بگلش والی فرخ آباد کا ملک فتح کرنا چاہئے۔ مرہٹے تو خدا سے یہی چاہتے تھے فوراً نجیب الدولہ کے مشورہ کو قبول کر لیا اور ۲۷ اپریل ۱۷۷۱ء کو دونوں فوجیں فرخ آباد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں۔ نواب احمد خاں بگلش کو جو اب ضعیف العمر اور نابینا ہو گئے تھے فرخ آباد پر اس چڑھائی کی خبر ملی تو انہوں نے ایک خط حافظ الملک کو لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ۔

”نجیب الدولہ نے پرائی عداوت کی بنا پر ہما واجی سیندھیا اور ٹکوجی ہکمر راہنچدر گنیش اور دیسا جی کشن وغیرہ سرداران مرہٹہ کو ساتھ لے کر مجھ پرورش کر دی ہے آپ مدد کو آئیے“

حافظ الملک ابتدا سے مرہٹوں سے اپنی جنگ کو ناگزیر سمجھے ہوئے تھے صرف اس بات کے منتظر تھے کہ چند طاقتور حکمران آپس میں مل جائیں تو مرہٹوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیں اسی بنا پر انہوں نے جاٹوں کے راجہ نول سنگھ کو امداد دینا چاہی تھی۔ جاٹوں سے بالوہی کے بعد حافظ الملک کو اپنے ہم قوم حکمرانوں سے بہت کچھ توقعات تھیں لیکن نجیب الدولہ کے طرز عمل سے ان کی کم ٹوٹ گئی کیونکہ ایک بڑے معرکے کے لئے اب وہ مدد لیں تو کس سے لیں اور اتحاد عمل کریں تو کس سے کریں۔ حافظ الملک شجاع الدولہ کو بھی اپنا دوست بازو

۱۷ ہٹری آف وی مرہٹاز گرانٹ ڈف۔ ۱۷ تاریخ فرخ آباد مؤلفہ آرون صاحب۔

۱۷ گل رحمت۔

سمجھنے تھے لیکن ۲۶ اگست ۱۹۴۷ء کے انگریزوں سے صلح نامہ کے بعد شجاع الدولہ کی آزادی رائے اور آزادی عمل کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اب تمام وکمال انگریزوں کی مرضی کے پابند ہو گئے تھے۔ وارن ہیٹنگر ہندوستان میں آج کل انگریزی مقبوضات کا گورنر تھا۔ وہ اس وقت مرہٹوں سے اپنا دامن الجھانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ غالباً وارن ہیٹنگر کے مشورہ کے مطابق اس زمانہ میں شجاع الدولہ برابر مرہٹوں سے دوستانہ خط و کتابت کر رہے تھے۔ غرض ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی کا سامنا تھا۔

تاہم ان تمام ناموافق حالات کے باوصف حافظ الملک نے اپنے دوست احمد خاں کا خط موصول ہونے پر محض خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے اپنی افواج کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب فوج جمع ہو گئی اور یہ بھی خبر مل گئی کہ نجیب الدولہ اور مرہٹے دریائے جمنا کو عبور کر گئے تو فرخ آباد کی جانب کوچ کر دیا۔ اور آٹولہ۔ بدایوں اور اوسہت کے راستے سے قادری گنج میں داخل ہوئے وہاں پہنچ کر خبر ملی کہ نجیب الدولہ سخت بیمار ہو جانے کے باعث مرہٹوں کی ہمراہی سے علیحدہ ہو کر نجیب آباد کو واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں بمقام ہاپور انتقال کر گئے اور ان کا بڑا بیٹا ضابطہ خاں اپنی تمام فوج کے ساتھ سردارانِ مرہٹہ کے ساتھ ہے۔ اس وحشت ناک خبر کو سن کر حافظ الملک حیرت زدہ ہو گئے۔ اور نواب نجیب الدولہ کے انتقال پر کمال درجہ اظہار

۱۵ ہسٹری آف دی مرہٹا زگر انٹ ڈف۔

۱۶ نواب نجیب الدولہ نے ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انتقال کیا (تاریخ نجیب آباد مؤلف مولانا اکبر شاہ خاں) ایک معمولی جھگڑا سے دہلی کی امیرالامرائی ٹانک ترقی کی۔ دو چار کمزوریوں کو چھوڑ کر نواب نجیب الدولہ تاریخ ہندوستان میں ایک غفیل الشان اور بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ بہادر دی دور اندیشی اور اولوالعمری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ "ناظم ملک پٹا" ان کی تاریخ وفات ہی دوسری تاریخ یہ ہے۔ دباغی زمین راشیوہ شیون پاشد + فلک راگریہ دنداں نماشد بدال قدوسیای دادنداں رمز + نجیب الدولہ واصل با خدا شد

افسوس کیا۔ ساتھ ہی ان جدید واقعات کا انتظار کرنے کے لئے جو نواب نجیب الدولہ کے حادثہ وفات کی وجہ سے آئندہ رونما ہونے والے تھے قادر چوک ہی میں ٹھہر گئے۔ صرف چند معتبر سالہ ارشل عبدالستار خاں اور سید احمد شاہ وغیرہ کو پیشدرہ بیس ہزار سوار و سپاہیوں کے ساتھ فرخ آباد کی طرف روانہ کر دیا۔

نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد	حافظ الملک جن مصلح کی بنا پر قادر چوک میں مقیم ہو گئے تھے
حافظ الملک کے نام ضابطہ خاں کا	ان کا فوراً ظہور ہوا یعنی بالکل خلاف توقع ان کے پاس
ایک خط	ضابطہ خاں کا ایک خفیہ خط پہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ۔

”اپنے والد نجیب الدولہ کی تجویز کردہ حرکت سے میں نہایت شرمندہ ہوں اور اس وقت مجبوراً سردار ان مرہٹہ کے ساتھ ہوں ہر چند چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کی سوگواروں کے بہانہ سے اپنے ملک کو چلا جاؤں لیکن یہ لوگ نہیں چھوڑتے اگر آپ بہت جلد فرخ آباد میں داخل ہو جائیں گے تو احمد خاں کے ساتھ اپنی عدم محاربت کی گفتگو کا سلسلہ چھیڑ کر سردار ان مرہٹہ کے ساتھ معاملہ اور مصالح شروع کر آؤں گا اور اس تقریب سے یقین ہے کہ مجھے مرہٹوں کے ہاتھ سے مخلصی نصیب ہو جائے گی“

حافظ الملک جو عفو و کرم اور صفائے قلب میں اپنی نظیر آپ تھے ضابطہ خاں کی مجبوری و پریشانی سے فوراً متاثر ہو گئے اور نجیب الدولہ مرحوم کی بے دفاعی کا کچھ لحاظ کئے بغیر ان کے لڑکے کی ہر ممکن امداد کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے اور اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

مرہٹوں اور افغانوں کی	اس عرصہ میں مرہٹوں کا لشکر بھی فرخ آباد سے چوڑھ کو س کے
زور آزمائی	

فاصلہ پر آگیا تھا لہذا حافظ الملک نے یہ سفر بہت تیزی کے ساتھ کیا اور پہلا پڑاؤ دریائے گنگا کے کنارے فتح گڑھ میں کر کے دریا پر پل باندھنے کا حکم دیا۔ حافظ الملک کے فتح گڑھ تک آجائے کی خبر سن کر نواب احمد خاں بنگلہ نے جو بہ سبب فقدانِ بصر خود ملاقات کو نہ آ سکے اپنے معتدین کو لوازمِ ہمانداری لاکھ کے ہمراہ استقبال کو بھیجا۔ دوسرے روز حافظ الملک تنہا کشتی پر دریائے گنگا کو عبور کر کے نواب احمد خاں سے ملاقات کرنے لئے فرخ آباد وٹسریٹ لے گئے اور مراسمِ عیادت و دلدادگی کو پیش از پیش ادا کر کے پھر اپنے مقام کو واپس آ گئے۔ پل تیار ہو گیا تو حافظ الملک نے اپنے لشکر میں سے بیس ہزار سوار اور پیادوں کو دریا کو عبور کرنے اور فوج مرہٹہ کے ساتھ جنگ فراوانی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوج مذکور نے مشہر فرخ آباد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کر کے اپنے مورچے قائم کر لئے۔

اسی روز سے روہیلوں اور مرہٹوں کی ہر اول فوج کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع ہو گئیں اس حال میں چند دن گزرنے کے بعد حافظ الملک نے بمشورہ نواب احمد خاں اور حسب الطلب ضابطہ خاں اپنے بھانجے خان محمد خاں کو بطور سفیر لشکر مرہٹہ میں ٹکوجی ہلکر کے ڈیرے پر روانہ کیا تاکہ وہ ہلکر کی وساطت سے جو نواب نجیب الدولہ مرحوم کا دوست تھا مرہٹہ سرداروں سے ضابطہ خاں کی رہائی اور نواب احمد خاں سے صلح کی بابت گفتگو کرے۔ حسب الحکم خان محمد خاں لشکر مرہٹہ میں گیا۔ پہلے ضابطہ خاں سے ملاقات کی اور اس کو حافظ الملک کی جانب سے بہت کچھ تسلی و تشفی دی بعد ازاں ٹکوجی ہلکر کے توسل سے سردارانِ مرہٹہ سے گفتگوئے مصالحت شروع کی۔ مرہٹہ سرداروں نے بالالفاظ یہ کہا کہ اگر حافظ الملک اپنے مقبوضات اٹھا وہ وٹسکوہ آباد سے دست بردار ہو جائیں تو ہم ان کی خاطر سے نواب احمد خاں سے صلح کرنے اور ضابطہ خاں کو رہائی دینے کو تیار ہیں یہ شرط منظور نہیں ہوگی تو صلح نہیں ہو سکتی۔

خان محمد خاں مرہٹوں کی شرط مصالحت معلوم کر کے ضابطہ خاں کے معتمد چیت رام کے ہمراہ اپنے لشکر کو واپس آیا اور سردار ان مرہٹہ کی کل گفتگو مفصل طور پر حافظ الملک سے بیان کی چیت رام نے بھی ضابطہ خاں کا یہ پیام گزارش کیا کہ اگر سردار ان مرہٹہ کو اٹاؤہ وغیرہ دینے کی امیدواری میں لیت و لعل میں رکھ کر آپ مجھ کو روانگی کی اجازت دلا دیں تو نہایت احسان ہو گا۔

حافظ الملک ابتداء مرہٹوں کا پیام سن کر بہت غضبناک ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ ان کے اور مرہٹوں کے درمیان تلوار ہی سے فیصلہ ہو لیکن بعدہ ضابطہ خاں کو مرہٹوں کے ہاتھ سے نقصان پہنچ جانے کے امکانات کا خیال کر کے اپنے مقبوضات اٹاؤہ اور شکوہ آباد کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور خان محمد خاں کو دوبارہ مرہٹوں کے پاس روانہ کر کے کھلا بھیجا کہ آپ لوگ ضابطہ خاں کو رخصت کر دیں ہم اپنے رسالدار نواب دوندے خاں اور اپنے بڑے لڑکے نواب عنایت خاں سے جو سفر میں ہمارے ہمراہ نہیں ہیں مشورہ کر کے اٹاؤہ اور شکوہ آباد سے دست بردار ہو جائیں گے۔ کیونکہ آپ کو علم ہے کہ یہ مقامات جنگ پانی پت کے بعد شاہ درانی نے ان ہی لوگوں کو بطور جاگیر عطا کئے تھے اس لئے اس بارے میں ان کی رضامندی حاصل کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔ گو ہم کو یہ ضرور یقین ہے کہ وہ ہماری منشا کے خلاف نہیں جاسکتے۔

خان محمد خاں نے حافظ الملک کا پیام سردار ان مرہٹہ سے بیان کیا تو بہت کچھ گفت و شنید کے بعد وہ لوگ محض حافظ الملک کے ذاتی اعتبار و اعتماد پر ضابطہ خاں کو رخصت کرنے پر کسی قدر آمادہ ہو گئے۔ ابھی انہوں نے اجازت صریح نہیں دی تھی کہ اس عرصہ میں نواب نجیب الدولہ کی تمام فوج نجیب آباد اور غوث گڑھ وغیرہ سے ضابطہ خاں کے

حسب الطلب اس نواح میں آپہنچی اور مرہٹوں کے لشکر سے دلس کو س کے فاصلہ پر خیمہ انداز ہوئی۔ ضابطہ خاں اپنی سپاہ کی آمد کا حال سنکر مرہٹہ سرداروں کو اطلاع کئے بغیر کچھ رات رہے خفیہ طور پر خیمہ سے نکل کر اور خان محمد خاں کو جو ایک مفسد اور نادان شخص تھا اپنے ہمراہ لے کر اپنے لشکر کو روانہ ہو گیا۔ راستے سے خان محمد خاں کو تو رخصت کر دیا اور حافظ الملک کو مرہٹوں کے غیظ و غضب کا شکا رہ بنا کر یہ خود غرض اور محسن کش خود اپنی سپاہ کے ہمراہ کوچ متوا کر تا ہوا خجیب آباد کو چلا گیا۔ صبح کے وقت جب خان محمد خاں کے ذریعہ حافظ الملک کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ سناٹے میں رہ گئے اور ضابطہ خاں کی خود غرضی، بُزدلی اور شقی القلبی سے ان کے حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہ رہی۔

یاد فاخود نہ بود در عالم * یا مگر کس دریں زمانہ نکرد

کس نیاموخت علم نیر از من * کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اس عالم کرب و اضطراب کے بعد حافظ الملک تن بہ تقدیر بہر مصیبت کے اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اور پردہ غیب سے جو کچھ ظہور میں آنے والا تھا صابروٹ کر ہو کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر مرہٹے ضابطہ خاں کی فراری سے مطلع ہوئے تو انھیں یقین ہو گیا کہ اس سازش میں حافظ الملک کا ہاتھ ضرور تھا۔ سانپ کی طرح بل کھانے لگے اور انھوں نے رسالداران روہیل کھنڈ سے جو مرہٹوں کے مقابلہ میں مور بہہ ڈالے ہوئے تھے فوراً جنگ شروع کر دی۔ چونکہ اس جہم میں سو اتفاق سے کار آزمودہ اور جنگ دیدہ سرداران قدیم مثل دوندے خاں، بخشی سردار خاں، فتح خاں خاںساں، شیخ کبیر اور عنایت خاں وغیرہ لشکر کے ہمراہ نہ تھے۔ اور نئے رسالدار جو حافظ الملک کے ہمراہ رکاب تھے ان میں سے بعض بعض عیاشی کے سبب سے اور بعض ناخبر بہ کاڑی کے باعث جنگ میں تندرہ ہی اور سر فروشی عمل میں نہ لاسکتے تھے۔ اس

لئے ہر حملہ میں مرہٹے فتح مند اور روہیلے سپاہی ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عیش و عشرت اور دولت کی فراوانی انسان کو بے ہمت۔ نئے حوصلہ۔ کام چور و منفعت خور اور آرام طلب بنانے میں کیا ہی تاثیر رکھتی ہے چنانچہ جن روہیلوں نے اب سے دس سال قبل جنگ پانی پت میں مرہٹوں کے چھٹکے چھڑا دئے تھے آج انھیں روہیلوں کا یہ حال تھا کہ کم ہمتی ان پر تسلط ہو گئی تھی اور وہ مرہٹوں سے قدم جما کر مقابلہ کرنے میں نئے تو بھی اور جی چڑانے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لیکن چونکہ حافظ الملک اور ان کی فوج کے پچھلے کارندے ابھی مرہٹوں کے دل سے فراموش نہیں ہوئے تھے اس لئے اپنی فتح کے باوجود وہ شکست خوردہ روہیلوں کا تعاقب کرنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ حافظ الملک نے اس جنگ میں بہت کچھ داؤد شجاعت دی لیکن جب انھیں اپنی فوج کی کمزوری و بزدلی کا پورا پورا یقین ہو گیا تو وہ کسی بڑی شکست سے قبل فوج ہمراہی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے اور دریائے گنگا کو عبور کر کے فتح گڑھ میں خیمہ انداز ہو گئے۔ دوسری طرف مرہٹوں نے بھی ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے زیادہ کاوش نہیں کی۔ غالب و مغلوب میں کوئی تمیز کرائے بغیر میدان جنگ سے لوٹ گئے۔ اور فرخ آباد سے دست بردار ہو کر اٹاؤہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرخ آباد کے بعد فرخ آباد سے فی الحال دست بردار ہونے اور اٹاؤہ کی طرف رخ اٹاؤہ اور شکوہ آباد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ضابطہ خاں کے معاملہ میں عہد شکنی کے سبب سے پہلے اٹاؤہ اور شکوہ آباد پر بزورِ شمشیر قبضہ کر کے اپنی ضد اور اپنے مطالبہ کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت حافظ الملک نے اپنی سپاہ کی بزدلی کے باعث مرہٹوں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ فتح گڑھ ہی میں قیام کر کے اٹاؤہ کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے عنایت خاں کو بریلی سے طلب کیا۔ اسی عرصہ میں نواب دو ندرے خاں کا جو ایک عارضہ شدید کے باعث بسولی میں صاحب فراش تھے ایک خط پہنچا جس میں لکھا تھا کہ۔

”بالفعل مرہٹوں کے تعاقب میں اٹا وہ کی طرف جانا صلاح دولت نہیں معلوم ہوتا اور فوج کا بھیجنا بھی جو جنگ میں سرفروشی نہیں کر رہی ہے مصلحت نہیں سمجھتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اٹا وہ اور شکوہ آباد بے بیسافت کے سبب ہمارے حیطہ ضبط سے باہر ہیں اس لئے میں شکوہ آباد سے دست بردار ہونا ہوں اور عنایت خاں اٹا وہ سے دست کش ہو جائیں تاکہ ہمارے اور مرہٹوں کے فی مابین شرائط صلح از سر نو قائم ہو جائیں“

تمام رسالہ اران ہمارا ہی جو اس جنگ میں سستی ظاہر کر رہے تھے نواب دوندے خاں کے خط کو اپنی دستاویز بنا کر اس کی تائید میں کوشش کرنے لگے لیکن عنایت خاں کسی طرح مرہٹوں سے صلح کی تجویز سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور انھوں نے حافظ الملک سے عرض کیا کہ۔

”اگر اجازت ہو تو میں اس ہم کا ذمہ دار ہو کر جنگ شروع کروں“
حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”مجھ کو اس فوج پر بالکل اعتبار نہیں ہے اور یقین کرتا ہوں کہ میدان جنگ میں تم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائے گی“

عنایت خاں نے جب حافظ الملک کو صلح ہی پر مائل دیکھا تو مجبوراً رنجیدہ ہو کر بریلی کو واپس ہو گئے۔

اٹا وہ اور شکوہ آباد سے	حافظ الملک نے مرہٹہ سرداروں کو اطلاعیں دیدیں کہ ہم اٹا وہ اور
دست برداری۔ مرہٹوں	شکوہ آباد سے دست بردار ہو کر صلح کے لئے تیار ہیں آپ لوگ
سے صلح	صلح نامہ پر اپنی اپنی تھر کر کے ہمارے حوالے کر دیں۔ ابھی یہ نوشتہ

جیات مرہٹہ سرداروں کے پاس پہنچنے نہ پائے تھے کہ مرہٹوں نے قلعہ اٹاودہ کے قریب پہنچ کر اسے فتح کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ شیخ کبیر نے بھی جو عرصہ سے اٹاودہ کے گورنر تھے بیرون قلعہ کے تمام مورچے درست کر کے مدافعتانہ جنگ شروع کی۔ چار روز تک شیخ کبیر کی فوج اور مرہٹوں کے لشکر کے درمیان روزانہ سخت لڑائی ہوتی رہی اور ہر روز مرہٹے مغلوب ہو کر پسپا ہوتے رہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بزورِ شمشیر قلعہ کو فتح کرنا ممکن نہیں تو اپنے وکیلوں کو شیخ کبیر کے پاس بھیج کر پیام دیا کہ آپ کے آقا نے اٹاودہ اور شکوہ آباد ہم کو واکذاشت کر کے صلح کر لی ہے غالباً آپ کو بھی کھوا ہو گا لہذا آپ کیوں جنگ کرتے ہیں۔ شیخ کبیر نے جواب دیا کہ۔

”بے شک حافظ الملک کا اس بارے میں میرے پاس حکم آ گیا ہے لیکن چونکہ آپ زور اور غلبہ کے ساتھ قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اس واسطے میں نے مدافعت کی۔ اب کہ آپ مصالحانہ طریقہ پر قلعہ کو لینا چاہتے ہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ صلح نامہ جس پر آپ سب سرداروں کی مُهریں ثبت ہوں میرے پاس ارسال کیجئے اور جو قلعہ قلعہ میں موجود ہے اس کی قیمت ادا کیجئے تو اسی وقت قلعہ کو حوالے کر دوں گا“

مرہٹہ سرداروں نے بہت کچھ قیل وقال کے بعد بالآخر ایک لاکھ روپیہ غلہ کی قیمت مع صلح نامہ شیخ کبیر کی خدمت میں ارسال کر دی شیخ موصوف نے روپیہ وصول کر کے اپریل ۱۸۱۷ء کو قلعہ خالی کر دیا اور وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈال دیے۔ دوسرے دن ہما و اجی سیندرھیا کے داماد اور اس کے وکیل جن بیگ کو ہمراہ لیکر شیخ کبیر حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ جس پر ہما و اجی سیندرھیا، ٹکوجی ہلکر اور

راچندر گنیش کی ٹہریں بھیں حضور میں پیش کیا اور شرائط صلح کی مرہٹہ و کیلوں کے سامنے بچہ دیکرائی۔ حافظ الملک نے مرہٹہ و کیلوں کو خلعت و اسب عطا کئے اور انھیں چند روز مہمان رکھ کر رخصت کر دیا۔

اپنے عزیز ترین دوست نواب احمد خاں کی عزت و ناموس کی خاطر لاکھوں روپیہ کے فوجی مصارف برداشت کرنے اور اپنے دو پیش قیمت مقبوضات کو قربان کر دینے کے بعد حافظ الملک فرخ آباد سے روہیل کھنڈ کو روانہ ہوئے۔ رخصت کے وقت نواب احمد خاں حافظ الملک سے نہایت گرجوشی کے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ لفظی شکریہ کی ضرورت نہ تھی۔ دو بہترین دوستوں کی یہ آخری ملاقات تھی۔

حافظ الملک کی روہیل کھنڈ کو واپسی حافظ الملک نے روہیل کھنڈ واپس آ کر چند روز پہلی بھیت میں قیام کیا۔ بعد ازاں نواب دوندے خاں کی عیادت کے واسطے جن کی بیماری دو اعلان کی حد سے گزر گئی تھی بسولی تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں ان کی وفات کی خبر سموع ہوئی جس سے غایت درجہ مغموم و متالم ہوئے۔ بسولی پہنچ کر ان کے چلم تک وہاں قیام کیا اور فاتحہ و غیرات اور ان کے پس ماندوں کی تقسیم میراث و دلداری میں مصروف رہے۔ حافظ الملک نے مرحوم کے مقبوضہ پر گنات کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ مرحوم کے بڑے بیٹے محب اللہ خاں کو ایک حصہ۔ فتح اللہ خاں کو جو ان کی شرف داما دی سے بھی اختصاص رکھتے تھے اور ایک حصہ عظیم اللہ خاں اور بہوجی دوندے خاں کی بیوہ کو مرحمت فرمایا۔ نواب دوندے خاں کا انتقال حافظ الملک کے لئے کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ دوندے خاں کی مرے گویا ان کا دست راست شکست ہو گیا۔ کیونکہ عزت الدولہ دلاور الملک دوندے خاں بہادر بہرام جنگ نہایت باوقار۔ صاحب تمکنت و جلال۔ مستقل مزاج اور عہد کے بڑے پابند شخص تھے۔ شجاعت و بہادری میں اپنا جواب

نہ رکھتے تھے۔ اور ان کے وجود سے روہیلوں کی دور دور دھاک بٹھی ہوئی تھی۔ جس معرکہ میں شریک ہوتے ایسی بے جگر می اور سرفروشی عمل میں لائے کہ ان کی موجودگی فتح و نصرت کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ دونوں خاں روہ میں پیدا ہوئے تھے اور داؤد خاں کے ابتداء عروج میں دار دروہیل کھنڈ ہوئے تھے۔ حسن خاں ابن محمود خاں ابن شیخ شہاب الدین المعروف بہ شاہ کوٹا بابا کے بیٹے تھے اور اس طرح حافظ الملک کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ حافظ الملک سے مرتے دم تک ان کے انتہائی یگانگت و غلو ص کے تعلقات رہے۔ انتقال کے وقت ستر سٹھ سال کی عمر تھی۔ بسولی میں دفن ہوئے اور ان کی قبر آج تک وہاں موجود ہے۔ قبر کے علاوہ بسولی میں دوندے خاں کا شکستہ قلعہ اور ان کی بنوائی ہوئی چند مسجدیں۔ حمام اور دو تین اور بچہ عمارتیں بھی ان سے یادگار باقی ہیں۔

حافظ الملک نجیب آباد میں بسولی سے حافظ الملک نواب نجیب الدولہ کی رسم عزیمت ادا کرنے کی غرض سے نجیب آباد کو روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو ضابطہ خاں استقبال کے لئے آیا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ قلعہ نجیب آباد میں لے گیا اور نذر گزرائی۔ دوسرے روز حافظ الملک نے رسم بزرگانہ کے مطابق ضابطہ خاں کو اپنے ہاتھ سے ضابطہ عزیمت پہنایا اور اس کو اس کے باپ کی مسند پر بٹھا کر تمام عزیز و اقارب سے اسکی فرمانبرداری کے متعلق تاکید اکید فرمائی۔ چونکہ ضابطہ خاں نے اپنے چھوٹے بھائیوں کلو خاں اور ملو خاں کو جو دوندے خاں کی لڑکی کے بطن سے تھے قید کر دیا تھا۔ اس لئے حافظ الملک نے ان کی فحلمی کا بھی تذکرہ کیا۔ ضابطہ خاں نے اپنی بے قصوری اور ان کی سرتابی کا انہماک کر کے دونوں کو قید سے رہا کر دیا اور حافظ الملک کی خواہش کے مطابق کلو خاں اور ملو خاں کے مصارف کے واسطے جائداد مقرر کر دی اس کے بعد حافظ الملک نجیب آباد

سے بریلی واپس تشریف لے آئے۔ پھلی شے وفائی کے باوجود حافظ الملک کا ضابطہ خاں کی طرف دستِ محبت و خلوص بڑھانا ان کی روایتی عالی ظرفی کی ایک بہترین مثال تھی۔ ساتھ ہی از خوردانِ خطا و از بزرگانِ عطا کے اصول پر عمل کر کے انھوں نے ایک اعلیٰ درجہ کے سیاسی مذہب کا بھی ثبوت دیا جس سے ہر دو طاقت ور روہیلہ سرداروں کے کشیدہ تعلقات از سر نو استوار ہو گئے جس کی اس دورِ انحطاط میں سخت ضرورت تھی۔ روہیلہ قوم تباہی کے کنارے آگئی تھی اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لئے اغیار کا ہجوم ہو رہا تھا۔

(۲۷)

تختِ دہلی پر شاہِ عالم کی واپسی - ضابطہ خاں اور مرہٹوں کی جنگ میں حافظ الملک کی

جدوجہد

اناوہ - شکوہ آباد اور میان دو آبہ کے دوسرے اضلاع پر متصرف ہو جانے کے بعد مرہٹوں نے اب دارالسلطنت دہلی پر قبضہ کرنا چاہا۔ جس پر اس وقت نجیب الدولہ کا جانشین ضابطہ خاں نجیب آباد سے بیٹھے بیٹھے حکومت کر رہا تھا۔ ضابطہ خاں چونکہ اپنے باپ کی طرح ایک طاقتور حکمراں تھا اور اس کے پاس تقریباً ایک لاکھ پیادہ و سوار فوج ملازم تھی۔ نیز حافظ الملک بھی اس کے شریک تھے اس لئے مرہٹے تنہا اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے دوسرے انھیں یہ بھی خیال تھا کہ دہلی پر ایک غیر مسلم حکومت قائم کرنے سے شمالی ہند کے تمام مسلم حکمرانوں میں ایک عام ہيجان پیدا ہو جائیگا اور وہ ۱۷۶۱ء کی طرح پھر متحور و شفق ہو کر یورش کر دیں گے۔ لہذا گزشتہ تلخ تجربات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے یہ تدبیر کی کہ شاہ شطرنج یعنی شاہ عالم بادشاہ کو جو شجاع الدولہ کی حفاظت میں انگریزوں کے ایک پینشن خوار کی حیثیت سے الہ آباد میں ایام گزاری کر رہے تھے۔ اور دہلی آکر اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھنے کے لئے عرصہ سے بے چین و بیتاب تھے تختِ دہلی پر ممکن ہونے کی دعوت دی لیکن اس وقت تک محض نواب نجیب الدولہ کا خوف اور انگریزوں اور شجاع الدولہ کی اس امر میں مخالفت مانع تھی۔ اب جو مرہٹوں کی جانب سے پیام امداد آیا تو بادشاہ ہر قسم کے مصلح سے چٹم پوشی کر کے اپنے آپ کو مرہٹوں کے حوالے کر دیئے اور

ان کے ساتھ دہلی جانے کو تیار ہو گئے۔ مرہٹوں کے علاوہ اس بار سے ہیں، نواب احمد خاں بنگلش کی بھی مکرر سہ کرر استمد عا ئیں بادشاہ کے حضور میں آئیں کہ حضور فرخ آباد تشریف لائیں۔ نواب احمد خاں کی ان استمدعاؤں کا سبب یہ تھا کہ ان کے دل میں نجیب الدولہ کی طرف سے دیرینہ عداوت تھی صرف حافظ الملک کے خیال سے مقابلہ و جنگ کی تیاری نہیں کرتے تھے حال ہی میں جو نجیب الدولہ نے حافظ الملک کی مشارکت کا بھی لحاظ نہیں کیا اور مرہٹوں کو ان کے سر پر چڑھالائے تو احمد خاں بھی اس امر کو مستند ویز جنگ بنا کر جذبہ انتقام سے مغلوب ہو گئے۔ اور ضابطہ خاں کی تخریب کے لئے مرہٹے جو تدا بیر کر رہے تھے ان میں شرکت کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ بادشاہ کو قبضہ میں لانے کی مرہٹوں کی پہلی تدبیر میں احمد خاں نے بھی مدد دی اور بادشاہ کو اپنی طرف سے فرخ آباد مدعو کیا تاکہ وہاں پہنچ کر بادشاہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی دسترس سے کچھ دور اور مرہٹوں کی دسترس سے کسی قدر قریب ہو جائیں اور پھر انہیں دہلی لجانے میں آسانی ہو سکے چنانچہ مولف گل رحمت لکھتے ہیں کہ۔

”بادشاہ نے اس بات کو غنیمت غنیمت تصور کیا اور بڑی شہ میں الہ آباد سے فرخ آباد کی طرف روانہ ہو گئے“

انگریزوں اور شجاع الدولہ نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو زبردستی روکنا بھی خلاف مصلحت سمجھا اور شجاع الدولہ اور انگریزی کمانڈر انچیف ان کو صوبہ کوڑا کی سرحد تک پہنچانے آئے۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے بادشاہ سے دہلی نہ جانے کی از سر نو درخواستیں کیں جن کا کوئی اثر نہ ہوا۔

بادشاہ ابھی فرخ آباد پہنچنے نہ پائے تھے کہ نواب احمد خاں بنگش وفات پا گئے۔ اس خبر کو سن کر بادشاہ متردد ہوئے۔ اور مہاراجی سیندرھیا کو اطلاع دی کہ میں دہلی کی روانگی کے ارادہ سے روانہ ہوا ہوں اپنی فوج لے کر میرے پاس آجاؤ، بادشاہ نے ایک حکم حافظ الملک کو بھی ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ۔

”ماہدولت کا دائرہ اقبال احمد خاں غالب جنگ کی درخواست کے مطابق

شاہجہان آباد کو جانے کے ارادے سے اس طرف متوجہ ہوا ہے۔ اب تھان

مذکور وفات پا چکا۔ چاہئے کہ آپ حاضر حضور ہو کر شرف ہمراہی حاصل کریں اور

اگر اچانک بہ سبب عوارض ضروری حاضری ممکن نہ ہو تو اپنی طرف سے ضابطہ خاں

کو لکھئے کہ بلا توقف شاہجہان آباد سے دست بردار ہو جائے اور اگر وہ بغاوت

کرے اور ایسا منظور نہ کرے تو اس کو ملک اور امداد نہ دیجئے اس سبب سے

کہ آپ کی طرف سے کبھی احکام شاہی کی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی ہے۔“

اس فرمان شاہی کے پہنچنے پر حافظ الملک نے خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا مناسب

نہ جانا کیونکہ وہ ضابطہ خاں کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں میدان

جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اپنی عدم حاضری کے متعلق چند در چند عذر امت

حضور شاہی میں لکھ کر حکم شاہی کے موافق ضابطہ خاں کو بتا کید تمام تحریر کیا کہ فوراً دہلی

سے دست بردار ہو جائے اور احکام شاہی کی اطاعت کرے۔ ساتھ ہی فیض اللہ خاں

خلف نواب علی محمد خاں مرحوم کو جن کی ہمیشہ ضابطہ خاں کو بیاہی تھیں۔ ضابطہ خاں کے

پاس اس کی رہنمائی اور فہمائش کی غرض سے نجیب آباد کو روانہ کیا فیض اللہ خاں نے

وہاں پہنچ کر اس کو طرح طرح سے بادشاہ کے احکام کی اطاعت کرنے اور افواج مرہٹہ سے

مقابلہ نہ کرنے کی نصیحت کی لیکن اُس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

اسی عرصہ میں بادشاہ کے حسب الطلب ہما واجی سیندھیا حاضر ہو کر بیس ہزار فوج کے ساتھ بادشاہ کو بڑی شان و کھل کے ساتھ دہلی لے گیا۔ ضابطہ خاں کے آدمیوں نے بغیر مقابلہ شہر خالی کر دیا اور بادشاہ ۲۵ دسمبر ۱۷۸۷ء کو قلعہ دہلی میں داخل ہو کر تخت سلطنت پر رونق افروز ہو گئے۔ شاہ عالم کا تخلص آفتاب تھا ایک شاعر نے ان کے ورود دہلی کی کیا اچھی تاریخ کہی ہے۔

زینت دہ تاج و تخت شاہ عالم بہ باد دولت و بخت و کامیابے آمد

تاریخ ورود اوزہا تفت جستم گفتا کہ ز شہر آفتابے آمد

بادشاہ کو قبضہ میں کرنے کے بعد اب مرہٹے ضابطہ خاں کے استیصال پر متوجہ ہوئے اور اس کے علاقہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری میں مشغول ہوئے۔ ادھر ضابطہ خاں کو مرہٹوں اور بادشاہ کے دہلی میں داخل ہونے کی اطلاع ملی تو اپنی تمام فوج اور لوازم جنگ کو جمع کر کے دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کی غرض سے نجیب آباد سے نکلا اس خبر کو سن کر حافظ الملک نے شیخ کبیر کو بطریق بلغار ضابطہ خاں کے پاس روانہ کیا تاکہ انتہائی کوشش کر کے اسے دہلی کی طرف جانے سے باز رکھیں اور خود تھوڑی سی سپاہ ہمراہ لے کر احمد خاں بگیش کی رسم تعزیت ادا کرنے نیز اس غرض سے کہ فرخ آبادی فوج کو ضابطہ خاں پر حملہ کرنے سے روکیں فرخ آباد کی طرف کوچ کیا جب فتح گڑھ کے قریب پہنچے تو بخشی فخرالدولہ نے ضیافت لائقہ کے ساتھ ملازمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مظفر جنگ خلف احمد خاں مرحوم کی یہ خواہش ہے کہ آپ اپنے دست مبارک سے اس کو اس کے باپ کی سند پر بٹھا دیں۔

۱۷ تاریخ اودھ حصہ دوم۔

۱۸ کل رحمت۔

دوسرے روز حافظ الملک نے مظفر جنگ کی مجلس ابر پہنچ کر برادرانہ اور بزرگانہ طریقہ سے رسم تعزیت ادا کی اور خلعت ماتم پرسی پہنا کر اس کو سند حکومت پر بٹھایا اور اسی موقع پر مرہٹوں سے عدم مشارکت کی اسے نصیحت فرمائی جو مظفر جنگ نے قبول کی چنانچہ ضابطہ خاں اور مرہٹوں کی آئندہ جنگ میں مظفر جنگ نے مرہٹوں کی شرکت نہیں کی۔

چند روز کے بعد حافظ الملک فرخ آباد سے واپس ہو رہے تھے کہ تلہر کے قریب انہیں ضابطہ خاں کی شکست - اہل و عیال کے گرفتار ہونے - سکر تال اور نجیب آباد کے لوٹے جانے اور فیض اللہ خاں کے ہمراہ اس کے راہپور میں آکر پناہ لینے کی وحشت ناک خبریں مسموع ہوئیں۔ ساتھ ہی جب یہ معلوم ہوا کہ ضابطہ خاں کے نقاب میں مرہٹے غنقریب روہیل کھنڈ میں بھی داخل ہونے والے ہیں۔ تو بجلت تمام بریلی میں داخل ہوئے۔ یہاں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ بخشی سردار خاں - فتح خاں خاناساں - عبدالستار خاں - دوندے خاں کے لڑکے اور دوسرے تمام رسالدار اور سرداران روہیلہ مرہٹوں کی دست درازیوں سے اندیشہ ناک ہو کر سخت پریشانی و اضطراب کے عالم میں مجتمع ہیں اور دامن کوہ کی روانگی کا قصد کر رہے ہیں۔ حافظ الملک نے سب لوگوں کی بہت تسلی و تشفی کی اور فرمایا کہ دامن کوہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں شاہ عالم بادشاہ اور مرہٹوں سے مصالحت کی تدبیر کر لوں گا۔ اس پر تمام سرداروں نے عرض کیا کہ بریلی یا پہلی بھیت میں کوئی محفوظ مقام نہیں ہے اس لئے کم از کم اپنے عیال و اموال کو کسی جائے محفوظ میں رکھنا ضروری ہے اس کے بعد مرہٹوں سے معاملہ ہو یا جنگ ہم ہر طرح تیار ہیں۔

حافظ الملک نے اس صلاح کو پسند کیا اور عنایت خاں کو اپنے نائب کے طور پر پہلی بھیت چھوڑ کر ناناک منہ کی طرف جودا من کوہ میں واقع ہے روانہ ہوئے اور وہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ایک پہاڑی اور گھنے جنگل سے گھرے ہوئے مقام گنگا پور میں تمام سرداروں - رسالداروں اور سپاہیوں کے متعلقین کو بھیجا کہ محفوظ

کرویا۔ اس کام سے فراغ خاطر حاصل کر کے حافظ الملک نے چند روز نائیک منہ میں قیام فرمایا۔ یہاں ضابطہ خاں اور فیض اللہ خاں بھی آ پہنچے اور حافظ صاحب سے اصرار کیا کہ شاہ عالم بادشاہ اور مرہٹوں سے معاملہ کرنے کے بجائے شجاع الدولہ سے طالب امداد ہونا چاہئے۔

(۲۸)

روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کی پورش

حافظ الملک ہنوز کوئی مستقل رائے قائم نہ کرنے پائے تھے کہ مرہٹوں کی روہیل کھنڈ پر پورش شروع ہوگئی اور ان کی ٹڈی دل فوج نے آناً فاناً میں سنبھل۔ مراد آباد اور امروہہ پر قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ تمام اضلاع روہیل کھنڈ پر پھیل کر تمام ملک تاخت و تاراج کر دیا۔ اس موقع پر مرہٹوں کا یہ بھی ارادہ تھا کہ روہیل کھنڈ کی تیجیر سے فارغ ہو کر اودھ پر حملہ کریں اور وہاں سے انگریزی مقبوضات بہار و بنگال کی طرف رجوع ہوں۔ مرہٹوں کا یہ ارادہ معلوم کر کے شجاع الدولہ بھی نے حد خائف ہوئے اور انھوں نے جنوری ۱۷۷۷ء میں کلکتہ گورنمنٹ کو صورت حال سے مطلع کر کے درخواست کی کہ کمانڈر انچیف سر رابرٹ بارکروان سے ملنے کے لئے فیض آباد روانہ کر دیا جائے۔ ۲۰ جنوری ۱۷۷۷ء کو سر رابرٹ بارکروان نے شجاع الدولہ سے ملاقات کی۔ اس وقت انگریزی کمانڈر انچیف نے شجاع الدولہ کی جو حالت دیکھی وہ یہ تھی کہ کبھی تو وہ مرہٹوں سے رشتہ اتحاد مستحکم کر کے اور فتح روہیل کھنڈ میں ان کے شرکاب ہو کر مفتوحہ علاقہ میں حصہ بانٹ کرنے کے خواہشمند نظر آتے تھے اور کبھی ان کی یہ خواہش معلوم ہوتی تھی کہ روہیلوں سے ملکر مرہٹوں کے خلاف مدافعتانہ جنگ کریں۔ سر رابرٹ بارکروان نے آخر الذکر خواہش کی تائید کی کیونکہ اس زمانہ میں انگریز مرہٹوں سے حد درجہ خوف کرتے تھے اور ان کو یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی کہ مرہٹوں کا اثر ان کی سرحد سے اس قدر قریب اودھ تک پہنچ جائے۔ چنانچہ اوائل فروری ۱۷۷۷ء میں شجاع الدولہ کے خراج پر انگریزی فوج اودھ آگئی جسے ساتھ لے کر سر رابرٹ بارکروان اور شجاع الدولہ سرحد

روہیل کھنڈ پر شاہ آباد ضلع ہر دوئی آگئے اور یہاں ٹھہر کر آئندہ آنے والے حالات کا مطالعہ کرنے لگے۔ شجاع الدولہ کے شاہ آباد میں خیمہ افکن ہونے کی خبر ضابطہ خاں کو معلوم ہوئی تو وہ غایت اضطراب میں حافظ الملک سے بھجلی تمام رخصت ہو کر شجاع الدولہ کے پاس گیا اور اپنے اہل و عیال کی خلاصی کے متعلق گفت و شنید کی۔ شجاع الدولہ اور سربراہ برٹ بارکر کی عین خواہش تھی کہ روہیلے طالب امداد ہوں اور وہ ان سے اتحاد و عمل کا پاک من مانعہ نہ کر لیں اس لئے فوراً ضابطہ خاں کے ساتھ ہمدردی کرنے کو تیار ہو گئے لیکن شرط یہ کی کہ حافظ الملک سے اس بارے میں بالمشافہ گفتگو ضرور کی جائے گی اس پر ضابطہ خاں نے حافظ الملک کو شاہ آباد ٹنڈی لہٹ لائے اور شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے کو لکھا۔

حافظ الملک نے اس دعوت پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ برسات سر پر آگئی ہے۔ دریا بے گنگا کے ناقابل عبور ہو جانے کے خوف سے مرہٹے خود بخود کچھ عرصہ کے لئے روہیل کھنڈ سے دست بردار ہو جائیں گے اور جب برسات بعد وہ از سر نو حملہ کریں گے تو ان سے پوری تیاری کر کے مقابلہ کر لیا جائیگا۔ مگر ضابطہ خاں کو اپنے اہل و عیال کی فکر نے بدحواس کر رکھا تھا اس واسطے اس نے متواتر خطوط بھیجے۔ حافظ الملک پھر بھی نہ گئے تو سربراہ برٹ بارکر نے اپنی طرف سے کمپن ہارپر کو دو مرتبہ ان کی خدمت میں روانہ کیا۔ آخر کار مجبوراً تین چار ہزار فوج کو ہمراہ لے کر حافظ الملک شجاع الدولہ سے جن کی دیانتداری پر انہیں شبہ تھا بہت کچھ پس و پیش کے بعد ملاقات کرنے کو راضی ہو گئے اور ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء کو شاہ آباد میں داخل ہوئے۔ شجاع الدولہ اور سربراہ برٹ بارکر نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور جب سب لوگ باہم ملکر ٹھہرے تو ضابطہ خاں کے اہل و عیال کی رہائی اور مرہٹوں کے ساتھ ان کے معاملہ کی درستگی پر تبادلاً خیال ہوا

بہت سی قیل و قال کے بعد شجاع الدولہ سربراہ بٹ بارکر اور حافظ الملک نے اپنے اپنے وکلاء مرہٹوں کے پاس روانہ کئے۔ ان وکلاء کی کوشش سے بالیوڑ چالیس لاکھ روپیہ سردارانِ مرہٹہ مصالحت پر راضی ہو گئے۔ لیکن چونکہ ضابطہ خاں کے پاس روپیہ دینے کو نہ تھا اس لئے انھوں نے اپنے اہلنان کے لئے شجاع الدولہ سے زرِ معاملہ کا ایک ٹہری تمسک طلب کیا شجاع الدولہ نے کہا کہ میں صرف حافظ الملک کے پاس خاطر سے درمیان میں پڑا ہوں اگر حافظ الملک ایک اپنا ٹہری تمسک ادائے زر کی بابت لکھ کر مجھے دے دیں گے تو صرف اس صورت میں میں اپنا ٹہری تمسک مرہٹوں کو دے سکتا ہوں۔ اس صورت حال کے واقع ہونے پر حافظ الملک نے ضابطہ خاں کے شدید اصرار اور تمام سردارانِ روہیل کھنڈ مثل فیض اللہ خاں، بخشی سردار خاں فتح خاں خانساہاں، محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پسرانِ دوندے خاں وغیرہ کی عام خواہش کی بنا پر جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگا پورا اور نانک منٹ میں محصور تھے اور ان مقامات کی آب و ہوا سے عاجز آ گئے تھے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ اگر لڑکر یا صلح کر کے مرہٹوں کو روہیلوں کے ملک سے نکال دیا گیا تو اس کے عوض میں حافظ الملک تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ شجاع الدولہ کو ادا کریں گے اس اقرار نامہ کی جو چالیس لاکھ روپیہ کے تمسک کے نام سے مشہور ہے اصل عبارت حسبِ ذیل تھی۔

چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک ”وزیرِ سلطنت شجاع الدولہ تمام سردارانِ روہیل کھنڈ کو ان کے

ملک پر قابض کر دیں گے ان کو اختیار ہے کہ خواہ صلح خواہ جنگ کے ذریعہ اس امر کو انجام دیں اور اگر مرہٹے جنگ یا صلح کئے بغیر دریا عبور کریں گے اور موسمِ برسات ختم ہونے پر دوبارہ روہیلوں کے ملک میں داخل ہوں گے تو ان کا دفع کرنا وزیر کا کام ہوگا۔ روہیلہ سردارِ نڈ کورہ بالا امور کے بعد اقرار کرتے ہیں کہ وہ چالیس لاکھ روپیہ بشرطِ ذیل وزیرِ سلطنت کو دیں گے چونکہ مرہٹے روہیلہ سرداروں کے ملک میں ہیں اس لئے وزیرِ شاہ آباد سے روانہ ہو کر ان مقامات تک جائیں گے جہاں تک جائے

سے روہیلوں کے اہل خاندان جنگل سے آکر اپنے اپنے جائے قیام کو واپس آسکیں
جب یہ امر صورت پذیر ہو جائے گا تو مذکورہ بالا رقم میں سے دس لاکھ روپیہ نقد ادا
کیا جائے گا اور باقی تیس لاکھ روپے تین سال میں شروع شدہ سے ادا کئے
جائیں گے۔ یہ عہد نامہ سربراہ رٹ بار کر کے رو برو مہر ثبت ہو کر مکمل ہوا۔

تسک کی تکمیل ہو جانے کے بعد ہی کہ حافظ الملک ہنور شاہ آباد میں تھے مرہٹے خود بخود برسات
شروع ہو جانے کی وجہ سے گنگا عبور کر کے دہلی کی طرف کوچ کر گئے اور بقول مولف اخبار الصنادید
شجاع الدولہ کو مرہٹوں کے نکالنے میں انگلی بھی نہ ہلانی پڑی اتنا ضرور ہو کہ شجاع الدولہ کی کوشش
سے مرہٹوں نے ضابطہ خاں کے اہل و عیال کو رہا کر کے بریلی روانہ کر دیا۔ روہیل کھنڈ سے مرہٹوں
کے رخصت ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ سربراہ رٹ بار کر اور انگریزوں کی فوج فیض آباد کو واپس
ہو گئی۔ حافظ الملک پہلی بھیت چلے آئے اور دوسرے سرداران فوج بھی مع اہل و عیال
اپنے اپنے مقاموں کو چلے گئے۔ روہیل چار جینے تاک و امن کوہ میں پناہ گزین رہے اس مرتبہ ترائی
کی ناموافق آب و ہوا کے سبب سے تین ہزار مردوزن صغیر و کبیر مر گئے جس کی بنا پر اس سال
کا تاریخ نام ”فضائے مردم“ دکھا گیا۔ یہی وہ سال تھا کہ جس میں بخشی سردار خاں بھی نذر اہل ہو گئے

۱۷۰ ہیکٹر اینڈری روہیلہ وار۔

۱۷۱ بخشی سردار خاں نے گنگا پور کی خراب آب و ہوا کے باعث اس سال کے مرض میں مبتلا ہو کر آٹولہ میں انتقال کیا۔ مرحوم
نواب علی محمد خاں کے زمانہ سے عہدہ بخشی گری پر مامور تھے۔ بڑے شفیق۔ عابد۔ زاہد۔ سخی۔ اور شجاع تھے۔ حافظ الملک
کے سچے جاں نثار اور حکومت روہیل کھنڈ کے بہت بڑے رکن تھے۔ ان کی قبر آٹولہ میں ہے۔
ان کے آٹھ فرزند تھے جو اپنے باپ کے مرتے ہی آپس میں لڑنے لگے۔ حافظ الملک نے بروقت اس
خانہ جنگی کا سد باب کیا اور بڑے لڑکے احمد خاں کو خلعت و منصب عطا کیا۔

(۲۹)

حافظ الملک سے عنایت خاں کی بغاوت

مرہٹوں کے ہاتھوں ہولناک بربادی جان و مال کے اثرات ہنوز روہیل کھنڈ میں کارفرما تھے ہی اس پر طرہ یہ ہوا کہ یہاں کی حکمران قوم جو کبھی اتحاد و اتفاق میں ضرب المثل تھی زبردست نفاق و شقاق کا شکار بن گئی یعنی بخشی سردار خاں کے انتقال کے بعد اُن کے لڑکوں میں سخت خانہ جنگی ہوئی اور اُس کے فرو ہوتے ہی بعض اشرار کی فتنہ انگیزی کی بدولت حافظ الملک کے خاص گھر میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اُٹھی جس کی تباہ کاری نے نہ صرف اس سرزمین کی امن و عافیت کو بہت کچھ نقصان پہنچایا بلکہ اس واقعہ کے بعد سے خود حافظ الملک کے مصائب و آلام کا بھی ایک لاقتنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ آباد سے حافظ الملک کی واپسی کے وقت اٹنارہ راہ میں عنایت خاں نے عرض کیا تھا کہ اس سال دامن کوہ کی ناموافق آب و ہوا کے سبب سے بکثرت اہل لشکر فوت ہو گئے ہیں۔ اگر ان خالی آسامیوں پر نئے سپاہی بھرتی کرنے کی مجھے اجازت مرحمت کر دی جائے تو میں چند ہزار پیادے اور کارآمد سوار نوکر رکھ لوں گا کہ اگر بعد برسات مرہٹے دوبارہ حملہ کریں تو ہم کسی غیر کی امداد و اعانت سے بے نیاز ہو کر خود ہی اپنی مدافعت میں ان سے کام لے سکیں۔

حافظ الملک نے عنایت خاں کی اس تجویز سے اتفاق کر لیا تھا لیکن یہ فرمایا تھا کہ میں متوفیان اہل لشکر کی جگہ ان کے وارثوں کو دینا چاہتا ہوں اگر تم چاہتے ہو تو دو تین ہزار پیادہ و سوار اُن افغانان نو وارد میں سے جو ضابطہ خاں کے معاملات کی برابری کے باعث اپنے ملک کو واپس نہیں جاسکتے ہیں اور تنگ وستی کے سبب سے حیران و پریشان ہیں نوکر رکھ لو۔ کچھ عرصے بعد ان کے اغراجات کی کفالت کے لئے حسب ضرورت جائداد

مقرر کر دی جائے گی۔

عنایت خاں کو اس امر میں بہت عجلت تھی اس لئے بریلی میں داخل ہوتے ہی سپاہ بھرتی کرنے میں مشغول ہو گئے اس موقع پر حافظ الملک کے بعض مصاحبان و مشیران خاص نے جو عنایت خاں کی سطوت و صولت سے پر خطہ اور ان کی سختی مزاج سے مکدر رہا کرتے تھے عنایت خاں کی عاجلانہ کارروائی کو ایک دوسرا رنگ دے کر حافظ الملک کی خدمت میں پیش کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ فوج بڑھانے سے عنایت خاں کا منتشر دلی حضور کو معزول کرنا ہے۔ حافظ الملک نے ان کی باتوں کو سچ سمجھ کر فوج بھرتی کرنے کے خلاف عنایت خاں کے نام حکم اتناعی جاری کر دیا۔ اس کے جواب میں عنایت خاں نے عرض کیا کہ حکم ثانی پنچنے سے قبل میں نے دو تین ہزار پیادے اور سو ار ملازم رکھ لئے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ کم از کم ان کے واسطے جائیداد ضرور مقرر کر دی جائے۔ آئندہ کسی شخص کو نوکر نہ رکھوں گا۔ اس عرصہ میں حافظ الملک پہلی بھیت سے بریلی تشریف لے آئے اور انھیں فتنہ پردازوں کو جو ان کے درپے تخریب تھے عنایت خاں کے پاس بھیجا اور ان کو ہدایت کر دی کہ نصلح اور دلجوئی کے ساتھ عنایت خاں کو رضا مند کر لیں کہ بالفعل اپنی جمعیت کو علیحدہ کر دیں کچھ عرصہ کے بعد اُس سے زیادہ سپاہ اُن کے ساتھ مقرر کر دی جائے گی۔ یہ فتنہ پرداز عنایت خاں کے پاس گئے تو نصلح اور دلجوئی کی بجائے انھوں نے براہِ مفسدہ پردازی کچھ ایسے کلمات حافظ الملک کی جانب سے ادا کئے جن کی بنا پر عنایت خاں برا فر دختہ ہو گئے اور کہا کہ۔

”میں جانتا ہوں کہ آنحضرت نے اس طرح نہ فرمایا ہوگا جس طرح تم کہہ رہے ہو۔ میں نے آنحضرت ہی کے حکم صریح سے افتخاؤں کے اس گروہ کو جمع کیا ہے۔ تمہارے بیان کردہ خیالات فاسدانہ اشارتِ شریعہ سے دل پر کچھ اثر نہ کر سینگے مگر ایسے ناکامیوں کو جنہوں نے اپنی حد سے زیادہ پاؤں باہر نکالے ہیں ان کے کردار کی سزا دینے کے لئے ضرور میں نے اس جمعیت کو فراہم کیا ہے اور قطعی نامکن ہے کہ اس کو نئے وجہ

اپنے سے جد اکروںؑ

عنایت خاں کا جواب سن کر یہ لوگ حافظ الملک کی خدمت میں واپس آئے اور ایک ایک بات کی ہزار ہزار باتیں اپنی طرف سے لگا کر ان کی طبیعت کو پہلے سے زیادہ مکدر کر دیا۔ یہ خبر معلوم کر کے عنایت خاں نے اپنے آپ کو مجرا اور سلام سے معذور کر لیا اور بخیاں حفاظت خود اختیاری جس کو بلنا و ت سے تعبیر کیا گیا۔ مزید سپاہ بھرتی کرنا ترک نہ کیا۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں قلعہ بریلی میں ان کے گرد ایک بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ اس پر دغا بازوں نے حافظ الملک کو باور کرایا کہ عنایت خاں غمگین آپ کو گرفتار کر کے خود مسند حکومت پر بیٹھ جائے گا۔ حافظ الملک کو بھی یقین آ گیا۔ اور بریلی سے پہلی بھیت روانہ ہو کر اپنی کل سپاہ کو حاضری کا حکم دے دیا جسب حکم تمام سردار۔ رسالدار اور جمعدار بجلت تمام اپنی اپنی جاگیروں اور مکانوں سے کوچ کر کے حاضر خدمت ہو گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے بریلی کی طرف رخ کیا اور کوچ متوازی کر کے شہر سے متصل جانب شرق تکلیا ندھی پر اپنا کیمپ قائم کیا۔ ادھر عنایت خاں نے بریلی کے آس پاس مورچے قائم کئے اور مدافعت جنگ کی تیاری شروع کی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے شیخ کبیر نے مصالحت کی بہت کوشش کی اور لڑائی کو بڑی جدوجہد سے صلح کی حد تک پہنچا دیا۔ لیکن بدقسمتی سے انھیں ایام میں ان کا انتقال ہو گیا۔

۱۴ گلستانِ رحمت -

۱۴ شیخ کبیر حافظ الملک کے اعظم امارت و معتدترین رفقاء میں سے تھے۔ نواب دوندے خاں اور عنایت خاں کے بعد تمام روہیلہ سرداروں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ نہایت عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اٹھ اوپر ہیز گاری ہی کے باعث شیخ کہلاتے تھے ورنہ اکوڑائی پٹھان تھے۔ نواب علی محمد خاں کے عہد میں حافظ الملک کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور روز بروز ترقی کر کے عہدہ ہائے حلیہ مثل گورنری اٹاوا وغیرہ پر متنازع رہے۔ حافظ الملک کو ان کے انتقال کا بے حد رنج و افسوس ہوا۔ ان کے جنازے کی نماز خود پڑھائی اور دفن کے واسطے جنازہ کو شہر میں بھجا دیا۔ شیخ کبیر کے تین نامور صاحبزادے محمد مستقیم خاں۔ عبدالحکیم خاں اور مستقیم خاں نامی تھے۔ حافظ الملک نے بڑے صاحبزادے محمد مستقیم خاں کو جو بہت بڑا دلدار شخص تھا اُس کے ۲۴

حافظ الملک نے شیخ کبیر کے انتقال سے تین چار روز بعد تک عنایت خاں کے شہر سے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔ بالآخر اپنے کیمپ سے سوار ہوئے اور اپنے توپ خانہ کو آگے کر کے قلعہ کے نزدیک پہنچے اور جانبِ غرب قیام کر کے قلعہ پر توپوں کے سر کرنے کا حکم دے دیا۔ اور عنایت خاں نے یہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کو اُن تمام فتنہ پردازوں کے دروازوں پر ہتھڑ کر دیا جو جنگ کے بانیِ مبنائی تھے اور جن کے خیال و اطفال شہر کے اندر تھے تاکہ گولہ باری شروع ہوتے ہی ان لوگوں کے زلّ فرزند کو قلعہ میں لاکر توپوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے۔ عنایت خاں کی اس کارروائی کی بریلی میں خبر عام ہوئی تو تمام اہلِ بلیان شہر میں ہل چل مچ گئی اور سب لوگوں نے افضل خاں اور سلطان خاں برادرانِ نجیب الدولہ کو جو مرہٹوں کی یورش کے وقت سے ابھی تک یہیں مقیم تھے حافظ الملک کے پاس بھیج کر عرض کر آیا کہ اگر توپ کا ایک گولہ بھی سرسوا تو ہم نے حرمت اور برباد ہو جائیں گے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اطلاع پا کر گولہ باری کا حکم منسوخ کر دیا۔

جنگ کے ذریعہ عنایت خاں کو قلعہ سے براہِ حرکت کی تدریک کا رگ نہ ہوئی تو حافظ الملک نے دوسرے روز اپنے مصاحبوں اور مشیروں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ یہ لوگ باہم مشورہ کر کے سند جائداد پر گنہ سلیم پور۔ جھوکسہ اور فرید پور کی لکھکر حضور ہیں لائے اور عرض کیا کہ اس تحریر پر اپنی مہر ثبت فرما کر عنایت خاں کو ارسال کر دیجئے تاکہ وہ اپنے پرگنات کی جانب روانہ ہو جائے۔ آئندہ حضور کو اختیار ہے کہ اس سند کو بحال رکھیں یا منسوخ کر دیں۔ حافظ الملک نے فرمایا کہ میں اس طریقہ پر کوئی جائداد اس کو نہ دوں گا اور اپنے تحریری معاہدے کے خلاف عمل کرنے سے بھی معذور ہوں کوئی اور ندم بہ سوچ کر بتلائیے،

۴۴۰ باپ کے منصب پر سرفراز کیا۔

شیخ کبیر کی قبر بریلی شہر کہنہ میں متصل مزارِ شاہانہ ولی بیچ ٹیکٹری کے بالمقابل ایک لودھے کے مکان میں بتائی جاتی ہے۔
لے گل رحمت۔

سب لوگوں نے عرض کیا کہ اس تحریک کو روانہ کئے بغیر عنایتِ خاں کا شہر سے نکلنا ناممکن ہے اور اس کے شہر میں رہنے کی صورت میں ہمارے اہل و عیال کی لئے جرمی امر لپینی ہے امیدوار ہیں کہ ہمارے اور عامہ خلایق کے حال پر نظرِ رحم فرما کر چند روز کے لئے اس کے واسطے کوئی جائیداد مقرر فرما دیجئے۔

حافظ الملک نے چار وناچار اس نوشتہ پر اپنی تہنیت فرمادی لیکن دربارِ عام میں یہ بھی اعلان کر دیا کہ ”اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے“

اس اعلان کے باوجود کارپردازانِ سرکار نے افضلِ خاں اور سلطانِ خاں کے ہمراہ نوشتہ مذکور عنایتِ خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ عنایتِ خاں نے ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اس نوشتہ کی بے اعتباری کا حال معلوم کر لیا تھا تاہم اسے افضلِ خاں اور سلطانِ خاں کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا کہ۔

”اگرچہ یہ تحریکی اعتبار کے لائق نہیں کیونکہ جنابِ قبلہ و کعبہ نے خود اپنی زبان مبارک سے ایسا فرمایا ہے لیکن میں اس نوشتہ کو اپنے متعلق دستاویز جنگ قرار دیکر شہر سے باہر جاتا ہوں تاکہ معاندین میری بزدلی پر محمول نہ کریں۔“

دو تین روز کے بعد عنایتِ خاں اپنے دو بھائیوں محمد دیدارِ خاں اور الہ یارِ خاں کے ہمراہ جو اس قضیہ میں ان کے رفیق رہے تھے۔ چار پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل آئے اور بیرونِ شہر اپنے ڈیرے ڈال دیے۔ دوسرے روز رام گنگا عبور کر کے موضع گرونی کے قریب جو بریلی سے دس کوس پر واقع ہے قیام کیا اور وہاں سے الہ یارِ خاں کو پرگنہ سلیم پور کی تحصیل وصول کے لئے روانہ کیا۔

عنایتِ خاں کے شہر سے باہر نکلنے کے بعد حافظ الملک نے ان کا تعاقب کیا اور سردارِ نگر کے

پہلے سے گزر کر کہیں سے تین کوس کے فاصلے پر ڈیرہ کیا۔ دوسرے روز حافظ الملک کے بغیر حکم عبداللہ خاں رئیس شاہجاں پور۔ احمد خاں۔ سردار خاں۔ عبدالستار خاں اور خان محمد خاں وغیرہ جو عنایت خاں کی بربادی کے درپے تھے خود بخود ہراول لشکر بکر بندرہ ہزار فوج کے ساتھ عنایت خاں کے لشکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عنایت خاں نے اس پورس کی خبر سنی تو اپنی چار پانچ ہزار فوج کی صفیں آراستہ کر لیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ جب دونوں فریق مقابل ہوئے ہر دو جانب کے ہراول لشکر میں نوپہن چلنا شروع ہوئیں اور آٹا قانائیں طرفین کے سپکڑوں آدمی مقتول و مجروح ہونے لگے۔ اس وقت عنایت خاں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ عبداللہ خاں کی فوج پر آگرے اور برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر ایسی سخت شمشیر زنی کی کہ ٹھوڑی ہی دیر میں عبداللہ خاں کے ہمراہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس ہنگامہ میں عبداللہ خاں کا لڑکا سعد اللہ خاں زخمی ہوا اور خود عبداللہ خاں بھی بدشواری اس مملکت سے اپنی جان بچا کر آقاں و نیزاں شاہجاں پور کی طرف راہ گریز اختیار کر سکا۔

عبداللہ خاں کے بعد عنایت خاں نے احمد خاں پسپہنشی سردار خاں پر حملہ کیا۔ احمد خاں کے ہمراہی میدان جنگ میں ثابت قدم رہے لیکن محمد ویدار خاں کے سواروں کے حملے سے ہٹا ہو گئے۔ اس حملہ میں احمد خاں کے بازو پر تلوار کا ایک کاری زخم لگا۔ احمد خاں اور عبداللہ خاں کا حال دیکھ کر دوسرے افسران کمالزائی عبدالستار خاں اور خان محمد خاں وغیرہ بھی میدان کارزار میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکے اور راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

عنایت خاں نے تعاقب کر کے حافظ الملک کے لشکر تک ان کا پیچھا کیا۔ لیکن خاص حافظ الملک کے لشکر میں پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ کی اور اہل فرار ہی کے کہیں کے

قریب ٹھہرے رہے۔ اس عرصہ میں شکست خوردہ فوج کے سردار حافظ الملک کے حضور میں حاضر آئے اور واقعات جنگ بیان کئے۔ حافظ الملک نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ہاتھی پر سوار ہوئے اور عنایت خاں کی اُس پیادہ فوج کی طرف جو مفردین کے تعاقب میں لشکر خاص کے قریب پہنچ گئی تھی روانہ ہوئے۔ پیادہ فوج نے حافظ الملک کو اپنی جانب متوجہ ہونے دیکھ کر ایک ویران گاؤں میں پناہ لی اور بندوقوں کے فکر نائنشروع کر دئے۔ حافظ الملک اس خیال سے کہ عنایت خاں بھی اسی گروہ میں ہوں گے تھوڑی سی پیادہ فوج اور اپنے فرزندوں ارادست خاں۔ محبت خاں۔ حافظ محمد یار خاں۔ عظمت خاں اور حرمت خاں کو ساتھ لے کر گاؤں کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ عنایت خاں کی پیادہ فوج کی بندوقوں کی گولیاں اچھی طرح کام کرنے لگیں۔ چنانچہ ایک گولی اُس کمان پرچہ حافظ الملک کے ہاتھ میں تھی لگی دوسری گولی حوضہ خاص پر اور ایک گولی فیلبان کی ٹانگ میں لگی اسی طرح اکثر ہمایان رکاب کے گولیاں لگیں جن سے بعض مجروح اور بعض شہید ہو گئے۔ ایسے پر آشوب وقت میں اکثر مصاحب اور کارپرداز پیش قدمی کرنے کے مانع ہوئے۔ لیکن حافظ الملک سخت غصہ اور قہر و غضب کے عالم میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ توپ خانہ بھی آپہنچا اور فتح خاں اور دیگر چھوٹے بڑے رسالہ اروں نے جوق جوق حاضر رکاب ہو کر صفیں آراستہ کر لیں اور محصورین کی طرف توپوں کی بار بار نائنشروع کر دی۔ مخالفین توپوں کی زد کی تاب نہ لاسکے اور الانان کی فریاد بلند کر کے جاں بخشی کے خواستگار ہوئے۔ اسی اتنا میں محب اللہ خاں پسر ثواب دوندے خاں اپنے ہمراہیوں سمیت عنایت خاں کے قریب پہنچا جو مفردین ہر اول فوج کی قیام گاہ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ بُن گاہ کی لوٹ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ محب اللہ خاں نے عنایت خاں سے دریافت کیا۔

”آپ کس ارادے سے کھڑے ہوئے ہیں؟“

عنایت خاں نے جواب دیا۔

”میں نے اپنی مقابلِ فرج کو اپنے آگے سے بھگا دیا ہے اب میرا ارادہ جنگ کرنے

کا نہیں ہے بلکہ آپ کے ذریعہ سے جنابِ قبلہ و کعبہ کے حضور میں چلتا ہوں۔“

محب اللہ خاں نے اسی وقت اپنی سواری کا ہاتھی پیش کیا اور عنایت خاں کو حوضہ میں بٹھا کر چاہا کہ اپنے ڈیرے کو لے جائے کہ عنایت خاں نے کہا اول کسی کو اپنی طرف سے حضور عالی میں بھیجا میرے پیادوں کی جاں بخشی کی بابت عرض کرائیے۔ محب اللہ خاں نے ایک شخص کو حضور میں بھیجا پیادوں کی جاں بخشی اور عنایت خاں کو اپنے حضور میں لانے کی بابت درخواست کی حافظ الملک نے یہ امر دریافت کرنے کے بعد حکم دیا کہ کوئی شخص ان محصور پیادوں سے معترض نہ ہو یہ لوگ جہاں چاہیں چلے جائیں اور خود میدانِ جنگ سے واپس ہو کر محب اللہ خاں اور عنایت خاں کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر میں محب اللہ خاں تنہا حضور میں حاضر آیا اور عرض کیا کہ۔

”اول اول عنایت خاں کا ارادہ تھا کہ میری ہمراہی میں حضور میں حاضر ہو لیکن جیسے

ہی پیادہ ہائے محصورین کو رہائی ملی اور وہ لوگ اس کے پاس پہنچے عنایت خاں نے

مجھ سے کہا کہ میں آج اپنے لشکر میں جاتا ہوں کل حضور میں حاضر ہو گیا، جب میں

نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ اگر میں اس وقت جاؤں گا تو سب لوگ کہیں

گئے کہ محب اللہ خاں فلاں شخص کو گرفتار کر کے لے آیا ہے اور میرا اس طرح جانا مناسب

نہیں ہے یا مجبور ہو کر میں نے اس کو جانے دیا۔“

حافظ الملک یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور محب اللہ خاں کو ملامت کر کے

عنایت خاں کو کھلا بھیجا کہ۔

”تو آج نامردوں سے جنگ کر کے اُن پر غالب آگیا کل میرے اور تیرے درمیان
رٹائی ہے“

عنایت خاں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ۔

”آج دشمن حضور کے بغیر حکم میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ مجبوراً میں نے
ان کو دفع کیا کل ضرور حضور عالی میں حاضر ہو کر معافی تفصیلات کا بلقی ہو گا ہرگز نہ
حضور میں اپنی حد سے متجاوز نہ ہو گا“

حافظ الملک نے اس جواب پر کچھ التفات نہ فرمایا۔ دوسرے دن صبح کو
اپنی سپاہ کو مرتب کرنے کا حکم دیا اور نماز اشراق کے بعد ہاتھی پیواہ ہو کر عنایت خاں
کے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عنایت خاں نے جب یہ خبر سنی محمد و بدایاں
کو اپنے لشکر میں چھوڑ کر اور الہ یار خاں کو اپنے ساتھ لے کر معدودے چند سواروں
کے ہمراہ حافظ الملک کے حضور میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوئے۔ اول مستقیم خاں سے
ملاقات ہوئی۔ اس کو اپنی حاضری کی اطلاع دینے کی غرض سے حضور میں بھیجا اور اس کے
پیچھے خود الہ یار خاں کے ساتھ قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑے اور اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر
گنگاروں کے طور پر حافظ الملک کے ہاتھی کے قریب آئے اور کورنش بجا کر کھڑے ہو گئے۔
حافظ الملک نے اول اول ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی پھر کچھ دیر تامل کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔
”تو کس غرض سے آیا ہے اگر تھکے ہو جس جنگ باقی ہے تو اپنے لشکر کو جاوہر نہ طوق

وزیر اختیار کر“

عنایت خاں نے عرض کیا کہ۔

”میں قصور کی معافی کی امید پر حاضر ہوا ہوں آئندہ جو اسے عالی ہو اس پر راہی ہوں“

اس جواب پر حافظ الملک اپنے ڈیرے کو تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ عنایت خاں اول فیض اللہ خاں کے پاس جائے اور انکی معرفت ملال خاطر کو دور کر لے اس کے بعد ان کی ہر اہی میں حضور میں حاضر ہو کر اپنی تفصیلات کی معافی چاہے۔ حسبِ احکم عنایت خاں اور الہ یار خاں نواب فیض اللہ خاں کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب موصوف ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حافظ الملک کے ڈیرے پر چلے گئے تھے اور عنایت خاں سے گفت و شنید کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد چند رسالداروں اور اہلکاروں کو ہمراہ لے کر فیض اللہ خاں اپنے ڈیرے پر واپس آئے اور عنایت خاں سے ملاقات کے وقت خود خاموش رہے۔ حافظ الملک کے اہلکاروں سے گفتگو شروع کرائی اور عفو تفصیلات کی بابت عنایت خاں کو یہ حکم سنوایا کہ۔

”اپنی فوج کو برطرف کر دیجئے اور لوٹ کے اسباب کو واپس دیجئے تب تصور معاف ہوگا“

عنایت خاں نے جواب دیا

”ان دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کیجئے۔ یا تو مجھ سے لوٹ کا اسباب طلب نہ کیجئے کہ میں یہاں سے بٹھے بٹھے اپنی فوج کو برطرفی کا حکم بھیج سکوں یا مال لے لیجئے فوج کو برطرف نہ کرایئے تاکہ میں ان کی نخواستہ کے فوری مطالبہ سے بچ سکوں“

اس محفلِ جواب کو درمیانی لوگوں نے نہ معلوم کس قسم کی رنگ آمیزی کے ساتھ حافظ الملک کی خدمت میں پیش کیا کہ ان کی برہمی مزاج دور نہ ہوئی اور انھوں نے عنایت خاں کو پہلے کھنڈ سے باہر نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس حکم کو سن کر عنایت خاں اپنی تفصیلات کی معافی سے مایوس ہو گئے اور دوسرے روز نیکیزن و ملال بیٹھے ہوئے فیض اللہ خاں کے ڈیرے سے نکل کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے

اور وہاں سے بکثرت ٹوٹ کا سامان حافظ الملک کی خدمت میں واپس کر کے دونوں بھائیوں اور تمام نو ملازم سپاہ کے ہمراہ پورب کی طرف کوچ کر گئے عنایت خاں کے ملک بدر کئے جانے سے اُن تمام شور بختوں کی آرزو پوری ہو گئی جو حافظ الملک اور ان کی اولاد کے زوال و نعت و جاہ کے درپے تھے۔ عنایت خاں حافظ الملک کی تمام اولاد میں عقل و خرد میں نے مثل۔ رعب و دبیر میں لاجواب اور تنور و مردانگی میں یگانہ روزگار تھے۔ جنگ پانی پت اور ایسے ہی دوسرے معرکوں میں انھوں نے وہ نام پیدا کیا تھا اور جرأت و دلیری کا ایسا سکّہ بٹھایا تھا کہ اُس کے تصور سے مخالفین لرزہ بر اندام ہوتے تھے۔ اُس دُرسے بہا اور جوہر قابل کی ایسی افسوسناک بربادی ایک ایسا درد انگیز و حسرت خیز واقعہ ہے کہ قلم کو اُس کے لکھنے کا یارا نہیں۔ روہیل کھنڈ کے تمام وہ خود غرض امرا و سردار جو حافظ الملک کے بعد ملک کے بھی بخرے کرنے کے منصوبے کر رہے تھے۔ اپنے حصول مقصد میں صرف عنایت خاں کو سنگ راہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جب تک عنایت خاں کا وجود باقی ہے انھیں سر اٹھانے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے انھوں نے سب سے پہلے اسی کانٹے کو نکالنے کی تدبیر کی۔ اور باپ بیٹوں کو آپس میں لڑا کر اور ایک دوسرے کی جیتے جی جدائی کر کے دونوں کو زندہ درگور کر دیا۔ اب حامد و فتنہ پردازوں۔ جاہ پرستوں اور خود غرضوں کے لئے میدان صاف ہو گیا ہے۔ حافظ الملک کی چند روزہ زندگی باقی ہے دیکھئے کہ اُس کے بعد وہ کیونکر اور کس طرح گذرتی ہے۔

وطن سے عنایت خاں کے	مصیبت زدہ عنایت خاں مصتوب بارگاہ پدیری ہو کر پورب
خصت ہونے کا حسرت	کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ خلاف
انگیز منظر	معمول نہ نوبت و علم تھا اور نہ خرم و حشم معمولی ڈیرے چیمہ کی بھی

لمی تھی۔ جو چند ہزار سپاہی ہمراہ رکاب تھے سودہ بھی گرو آلود۔ پژمردہ اور شکستہ دل تھے۔ روہیل کھنڈ کی سرحد ختم ہوئی تو عنایت خاں نے اپنی حوایا نصیبی کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر سر زمین و وطن پر بصرہ حسرت و یاس ایک طائرانہ نگاہ ڈالی بیک نظر

اپنے تیس سالہ دور جیات کی تمام ہنگامہ خیزیاں سامنے آ گئیں۔ ساتھ ہی تمام وہ دلفریب و خوشگوار مناظر و واقعات بھی یاد آ گئے جو ہر انسان اپنے وطن و اہل خاندان سے متعلق اپنے دل کے بعض نرم و نازک گوشوں میں محفوظ رکھتا ہے اور جن کا نہ کبھی اظہار کرتا ہے اور نہ انکو کسی سے بیان کرتا ہے۔ اس حال میں چند لمحے گزار کر عنایت خاں نے ایک آہ سرد کے ساتھ بچشمِ پُر آب ”خدا حافظ“ کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے اور گھوڑے کی باگ موڑ کر دیارِ غیر کی راہ لی۔

ہر قسم کی نئے سرو سامانی کے باوجود جس مقام سے گذر ہوتا اور یہ آواز پہنچتی کہ عنایت خاں جا رہا ہے۔ زمین دہل جاتی تھی۔ اور لوگ اس مردِ میدانِ دلاوری اور رستمِ دوران کی سپہری دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ چند روز متواتر بغیر کسی مقصد و منزل مقصود کو قرار دے ہوئے عنایت خاں کوچ پر کوچ کرتے ہوئے موضع نور اہی میں داخل ہوئے۔ یہ مقام فیض آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اتفاق سے شجاع الدولہ آج کل یہاں مقیم تھے۔ انھوں نے عنایت خاں کے ورود کی خبر سنی تو اپنے بیٹے سعادت علی خاں۔ مرتضیٰ خاں بھڑتچ اور بہت بہادر کو پیشوائی کے لئے بھیجا۔ عنایت خاں نے شجاع الدولہ کی دعوت قبول کر لی اور بلا تامل ان کے لشکر میں چلے گئے۔ رات کو مرزا علی کے ڈیرے میں آرام کیا۔ دوسرے دن شجاع الدولہ سے ملاقات ہوئی۔ شجاع الدولہ نے خلعتِ فاخرہ مع شمشیر و جعبہ عنایت خاں اور ان کے دونوں بھائیوں کو عنایت کیا اور ان کی دلجوئی و مہماں داری میں انتہا درجہ کا اہتمام کیا۔ ہر روز طرح طرح کی مہربانیاں کی جاتی تھیں اور ان کے آنے پر اظہارِ شکر و امتنان کیا جاتا تھا۔ ایک روز دوران گفتگو میں حافظ الملک اور عنایت خاں کی آپس کی نا اتفاقی کے حالات سے بخوبی واقف ہو کر شجاع الدولہ نے اپنی آمدنی کی قلت اور اخراجات

کی کثرت کا عنایت خاں کے سامنے ذکر کیا اور کہا کہ۔

”اس تھوڑے سے ملک اور دھ سے ایک لاکھ سوار و پیادے اور اس قدر خدمت و شتم کے اخراجات پورے نہیں ہو سکتے ہیں اس فکر میں ہوں کہ ایک اور ملک فسخ کروں“

عنایت خاں نے شجاع الدولہ کے خلاف توقع کچھ جواب نہ دیا اور ان کا نشانہ خاطر معلوم کر کے وہاں سے اٹھ کر اپنے ڈیرے کو چلے گئے اور اپنے بھائیوں سے کہا کہ۔

”اب ہمارا شجاع الدولہ کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے یقین ہے کہ وہ عنقریب روہیل کھنڈ کو لینے کا ارادہ کرے گا بہتر ہے کہ اس واقعہ کے وقوع سے قبل جناب قبلہ کعبہ کو اس کے قصد سے مطلع کریں اور اس کے تدارک کی کوشش کریں“

نور اہی میں دو چار دن کے قیام کے بعد شجاع الدولہ عنایت خاں کو ساتھ لیکر پہلے فیض آباد اور پھر لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ لکھنؤ پہنچ کر مبلغ آٹھ ہزار روپیہ بطور مدد خرچ عنایت خاں کے پاس بھیجا اور وعدہ کیا کہ عنقریب ایک موقوف جائداد مصارف کے واسطے مقرر کر دی جائے گی لیکن ان عطیات سے عنایت خاں نے اپنے دل پر کوئی اثر قبول نہ کیا اور شجاع الدولہ سے اجازت حاصل کئے بغیر روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عنایت خاں کی وطن کو واپسی اور حافظ الملک کی جانب سے
معافی تقصیر
شجاع الدولہ کے پاس سے اس قدر عجلت کے ساتھ روانہ ہو جانے کا سبب یہی تھا کہ وہ حافظ الملک کو شجاع الدولہ کے ارادہ بد سے جلد سے جلد مطلع کر دینا چاہتے تھے۔ جب منزل بنزل سفر طے کر کے وہ شاہجہاں پور کے قریب پہنچے اور حافظ الملک کو ان کی آمد کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے کلام بھیجا کہ تنہا آؤ ورنہ تمھاری گونہالی کے لئے فوج روانہ کی جائے گی۔

چونکہ اُن کے دل میں اپنے وطن اور اپنے والد بزرگوار کی محبت کی لگن لگی ہوئی تھی۔ اس لئے انہوں نے بکمال فرض شناسی اپنی ذاتی دولت اور اپنی ذاتی خفیت و نجاست کے جذبات کو بالائے طاق رکھ کر زبردست اخلاقی جرأت کے ساتھ اپنی فوج کو برطرف کر دیا اور تنہا مع دونوں بھائیوں کے صرف چند مصاحبین کو ہمراہ لے کر جن کی مجموعی تعداد پچیس سے زیادہ نہ تھی بریلی میں داخل ہو گئے اور اپنی پھوپھی کے مکان پر جن کا حافظ الملک بہت پاس خاطر کرتے تھے قیام کیا۔ خاتون موصوفہ نے بہت کچھ تسلی و تشفی کی اور حافظ الملک کے پاس جا کر ان کی عفو و تقصیرات کی سفارش کی۔ ساتھ ہی عنایت خاں کی زبانی شجاع الدولہ کے ارادہ بد سے جو اطلاع ملی تھی اس سے بھی حافظ الملک کو باخبر کیا اس پر ارشاد ہوا کہ۔

”تمہارا مکان دراصل میرا ہی مکان ہے عنایت خاں کو فی الحال وہیں رہنے دو

دو چار روز میں حضور میں طلب کر کے شرفِ حضوری بخشا جائیگا“

اسی اثنا میں انور خاں برادر عبدالستار خاں نے جو عنایت خاں کی جنگ میں زخمی ہو گیا تھا انتقال کیا۔ چنانچہ موافق حکم حافظ الملک عنایت خاں کو نذر لے گئے اور عبدالستار خاں سے مراسمِ نذریت ادا کئے۔ آؤ لہٰذا ہی کے قیام میں عنایت خاں کو دردِ منانہ کی شکایت پیدا ہوئی دو تین روز کے بعد تکلیف بڑھنے لگی تو بریلی واپس آئے لیکن بیماری کا غلبہ کسی طرح کم نہ ہوا۔ شدتِ تکلیف سے بخار کا بھی اضافہ ہو گیا اور یہی مرض ایکسا فلیل عرصہ کے بعد عنایت خاں کے انتقال کا باعث ہوا۔

یہ
شکر

اپس کی

اور انراجات

(۳۰)

شجاع الدولہ کی خاطر مرہٹوں کے حافظ الملک کی آخری تباہ کن جنگ

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ سنی ۱۱۷۷ھ میں شاہ عالم بادشاہ انگریزوں کی رفاقت ترک کر کے الہ آباد سے دہلی میں مرہٹوں کی پناہ میں چلے آئے تھے مگر ان کو امید تھی کہ کوڑا اور الہ آباد پر ان کا قبضہ بدستور قائم رہے گا۔ اور یہ کہ انگریز بنگال و بہار کا موعودہ چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج بھی ادا کرتے رہیں گے لیکن یہ توقعات پوری نہ ہوئیں۔ گورنر بنگال مسٹر ہسٹنگز نے اپنے عہدہ پر فائز ہوتے ہی بادشاہ کو نہ صرف خراج دینا بند کر دیا بلکہ اضلاع کوڑا و الہ آباد بھی ایک بڑی رقم وصول کر کے شجاع الدولہ کو دینے کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ ہسٹنگز کا یہ اقدام اس معاہدہ کے صریح خلاف تھا جو لارڈ کلاؤ نے ۱۱۷۷ھ میں شاہ عالم سے کیا تھا اس لئے بادشاہ نے ان ارادوں سے مطلع ہو کر بحیثیت شہنشاہ ہند کوڑا اور الہ آباد کا علاقہ اپنی طرف سے مرہٹوں کو عطا کر دیا۔ اب یہ مرہٹوں کا کام تھا کہ وہ ان مقامات کو جنگ کر کے اپنے لئے حاصل کر لیں۔ چنانچہ مرہٹوں نے تیگر کوڑا اور الہ آباد کے لئے اودھ پر حملہ کی تیاری شروع کی۔

شجاع الدولہ کے خلاف حافظ الملک سے مرہٹوں کی درخواست امداد
چونکہ دہلی سے اودھ پہنچنے کے لئے سیدھا اور آسان راستہ ضابطہ خاں کے علاقہ اور روہیل کھنڈ میں سے ہو کر تھا اس لئے مرہٹوں نے پہلے روہیلہ سرداروں کی طرف توجہ کی اور بغیر کسی خاص دقت کے سب سے اول ضابطہ خاں سے اپنا رشتہ اتحاد مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ضابطہ خاں کی جانب سے اطمینان ہو جانے کے بعد مہاوا سیندھیا اور ٹکوں ملکر سرداران مرہٹہ نے اپنے وکلاء یا بعض روایات کے مطابق صرف ضابطہ خاں کو حافظ الملک کے پاس روانہ کیا اور ان سے

درخواست کی کہ شجاع الدولہ کا ملک فتح کرتے کے ارادے سے ہم لوگ آتے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کر کے ہمارے شریک ہوں گے تو جتنا ملک فتح ہوگا اُس کا نصف آپ کے حصہ میں دیا جائیگا اور اگر آپ یہ شرکت منظور نہ کریں تو کم از کم ہم کو اپنے ملک سے گذر جانے دیجئے اور دریائے گنگا کو عبور کرنے میں مزاحمت نہ کیجئے اس صورت میں آپ کے ملک کی پامالی کا معاوضہ آپ کو دیا جائیگا۔ نیز شجاع الدولہ کا وہ تمسک جس میں سے ابھی کچھ وصول نہیں ہوا ہے وہ بھی آپ کے حوالے کر دیں گے اور ہم اس دعوے سے باز رہیں گے۔

شجاع الدولہ کی طرف سے	اس پیام کے موصول ہونے پر حافظ الملک نے کچھ ہمدست طلب
واپسی تمسک کے وعدہ پر مرہٹوں	کی اور ایامِ ہمدست میں مرہٹوں کے پیش کردہ شرائط سے شجاع الدولہ
کو مدد دینے سے انکار	کو مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ۔

”اگر آپ ہمارا چالیس لاکھ روپیہ کا ٹہری تمسک ہم کو واپس کر دیں اور جلد اپنے آپ کو مرہٹوں کے مقابلہ میں لے آویں تو ہم مرہٹوں کو دریائے گنگا عبور کرنے سے روکنا شروع کر دیں اور آپ کے شریک ہو کر مرہٹوں سے جنگ کر کے ان کو اس ملک سے نکال باہر کر دیں۔“

شجاع الدولہ کو اس اطلاع سے انتہا درجہ کی وحشت ہوئی اور انھوں نے فوراً حافظ الملک کو جواب دیا۔

”جھک کر مرہٹوں کے ساتھ آپ کی عدم مشارکت کا حال معلوم ہو کر پورا اطمینان ہو گیا۔ اور میں آپ کی رائے کے موافق میدانِ جنگ میں پہنچتا ہوں۔ آپ مرہٹوں کے مقابلہ میں پہنچنے میں توقف نہ کریں۔ نو مشتمل ٹہری کے متعلق سید شاہ مدن سے زبانی عرض کرو یا ہے جو کچھ سید موصوف بیان کریں اس پر یقین فرمائیے میں اس سے

سہرا خراف نہ کروں گا پٹھ

سید شاہ مدن شجاع الدولہ کا مذکورہ بالا خط لے کر بہت جیل تمام برہی تشریف لائے اور حافظ الملک کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

”آپ کے تمسک کی واپسی کے متعلق شجاع الدولہ نے وعدہ کیا ہے کہ مرہٹوں سے تھنبہ فیصل ہونے کے بعد اور ملاقات باہمی کے بعد جو عنقریب ہونے والی ہے وہ تحریری تمسک واپس کر دیا جائے گا آپ کسی قسم کا اندیشہ خاطر مبارک میں نہ لائیے کیونکہ دونوں فریق کے مابین کوئی مغائرت نہیں ہے“

سید شاہ مدن چونکہ شجاع الدولہ کے ایک مقہور وکیل اور شاہ آباد کے مستند سیدوں میں سے تھے اس لئے حافظ الملک نے جو سادات کا بے حد احترام کرتے تھے ان کے بیان پر پورا پورا اعتبار کیا اور مرہٹوں کے ساتھ عدم مشارکت اور شجاع الدولہ کے ساتھ موافقت کا عہد واثق کر کے ان کو رخصت کر دیا۔

شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد شیہہ مدن کو حافظ الملک کے پاس روانہ کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اپنے حلیف انگریزوں سے بھی امداد طلب کی اور مسٹر ہیسنڈن گورنر جنرل کو لکھا کہ۔

”میرا دماغ منفرد اور بے چین ہے کیونکہ اگر مرہٹے کامیاب ہو گئے اور انہوں نے بادشاہ سے کوئی اور شرط کر لی تو جو کرنا چاہتے ہیں اور میرے دوست یعنی آپ کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کو تکلیف و پریشانی کا موقع ہے۔ میرے دوست مجھے امید ہے کہ اب تم اس جانب سے بے خبر نہ رہو گے اور مناسب تدبیر عمل میں لاؤ گے۔ حالات اب بالکل غفلت

شکل اختیار کئے ہوئے ہیں اور تمہیں اس امر کا بہت دوراندیشی اور غور کے ساتھ خیال کرنا چاہئے کہ دشمنوں نے بادشاہ پر پورا قبضہ حاصل کر لیا ہو اس لئے ان کا اس جانب متوجہ ہونا امر یقینی ہے۔ میرا ملک دراصل بنگال کا دروازہ ہے اور میں ایک سید راہ کا سا کام کرتا ہوں لہذا تمہارے لئے اشد ضروری ہو کہ تم ہمیشہ پیارا اور خبردار رہو۔ جنرل بارکر کا یہاں روانہ کرنا انتہا درجہ مناسب اور ضروری ہے۔“

مسٹر ہسٹنگز نے شجاع الدولہ کی تخریب سے حرف اتفاق کیا۔ اپنے مقبوضات پر پیش آنے والے خطرات کا بھی اعتراف کیا لیکن پھر بھی اپنی ہمدردی کی قیمت وصول کئے بغیر ادا دینے سے صاف انکار کر دیا اور پہلے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ ماہوار مصارف فوج کی شرط جب منظور کرالی تو اس کے بعد سر رابرٹ بارکر کی سرکردگی میں انگریزی فوج شجاع الدولہ کے ساتھ شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ کی۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی فوج پہلی مرتبہ روہیل کھنڈ میں داخل ہو کر رام گھاٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

شجاع الدولہ کی حمایت میں
حافظ الملک کی روانگی
میدان جنگ کو

ادھر حافظ الملک نے احمد خاں خلیفہ بخشی سردار خاں کو حکم دیا کہ ایک دن میں آؤلہ سے چل کر رام گھاٹ کے پل کی حفاظت شروع کرے اور چند روز کے بعد خود بھی مرہٹوں کے قریب آجائے کی خبر سن کر بریلی سے کوچ کر کے بسولی میں داخل ہوئے بسولی میں دو ایک دن قیام کر کے اسد پور کی طرف روانہ ہوئے جہاں احمد خاں کا کیمپ تھا۔ ابھی تین کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ اس عرصہ میں مرہٹوں نے دریائے گنگا کو عبور کر کے حافظ الملک کے لشکر پر حملہ کر دیا لیکن رات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے اور اتفاقاً احمد خاں کے لشکر پر جا گئے۔

احمد خاں کے ہمراہی جو نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ پڑے ہوئے تھے اسد پور کی عمارتوں اور باغوں میں پناہ لے کر مدافعت جنگ کرنے لگے۔ نماز صبح سے ظہر تک معرکہ کارزار گرم رہا اور مرہٹہ فوج اپنی کثرت کے باوجود افغانوں کی قلیل جماعت کو شکست نہ دے سکی۔ ممکن تھا کہ پٹھانوں کی اس جانبازی کا کوئی مفید نتیجہ مترتب ہو جاتا لیکن سوئے اتفاق سے احمد خاں سردار فوج کی گرفتاری سے معاملہ دگرگوں ہو گیا اور فتح شکست سے تبدیل ہو گئی۔ حافظ الملک کو مرہٹوں کے دریا عبور کرنے اور احمد خاں کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو فی الفور اپنی سپاہ کو آہستہ ہونے کا حکم دیا لیکن عین کوچ کے وقت صندل خاں شخہ بریلی کا بھیجا ہوا ایک سوار لشکر میں وارد ہو کر انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرسپٹ دوڑاتا ہوا خاص حافظ الملک کے ڈیرے پر پہنچا اور اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا۔

اس وقت تمام اہل لشکر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سوار کیا خبر لایا ہے سکتہ کے عالم میں چشم بردار اور گوش برآواز تھے کہ چند ہی لمحہ بعد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر کلفت اثر زبان زد خاص و عام ہو گئی کہ ”عنایت خاں کا انتقال ہو گیا“۔ عنایت خاں جیسے نامور سردار قوم اور حافظ الملک کے سب سے زیادہ ہونہار فرزند کی حسرت ناک جوان مرگی کوئی سحولی واقعہ نہ تھا ہر طرف ایک شور قیامت برپا ہو گیا اور اس سانحہ کی بنا پر اس روز مرہٹوں کے مقابلہ میں فوج کی روانگی ملتوی ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار کھول کر عنایت خاں کی تابانی نماز جنازہ اور حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس حادثہ طالت افزا اور واقعہ کدورت انما سے حافظ الملک کی خاطر اقدس بھی ترین ہزاراں ہزار اندوہ و غم ہو گئی۔ نئے اختیار قطرات اشک چشمہ جابول سے جاری ہو گئے اور باوجود ثبات صبر و تحمل اور شکوہ و وقار۔ قلق و اضطراب اور سوگواری کی علامت جو

۱۔ صندل خاں کا آباد کیا ہوا محلہ معروف بہ بازار صندل خاں بریلی میں موجود ہے۔

اس سے قبل کسی سانحہ دھڑاش کے موقع پر نہیں دیکھی گئی تھی ظاہر ہوئی۔
جب زیادہ ضبط نہ ہو سکا تو اپنی حالت دوسروں سے چھپانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا
شکر سے باہر اسد پور کی جانب چلے گئے وہاں ایک بلند ٹیلے پر جہاں سے مرہٹوں کی فوج
دو کوس پر مبنی قیام کیا اور نماز عصر و مغرب اسی جگہ ادا کی بعد مغرب اپنے لشکر کو واپس تشریف
لائے۔

معرکہ جناب اب صبح کو بہر حال دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنا تھا اس وقت حافظ الملک کے ہمراہ
چار پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت تھی رات کے وقت محب اللہ خاں مستقیم خاں اور دوسرے
رسالدار جو اس وقت تک نواب عنایت خاں کی حالت غیر ہونے کے باعث بریلی سے جلد
روانہ نہ ہو سکے تھے اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ آگئے اور اس طرح دس بارہ ہزار سپاہ جمع ہو گئی۔
دوسرے روز جب حافظ الملک کو شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے قریب آ جانے کی بھی اطلاع
ہو کر اوروں کے ذریعہ مل گئی تو انھوں نے افواج مرہٹہ پر حملہ کر دیا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا ہی
تھا کہ سربراہ بڑا کر اور محبوب علی خواجہ سربراہ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ پہنچے۔

مرہٹے صرف حافظ الملک کی فوج پر حملہ آور ہوئے اور لڑائی میں انتہا درجہ کی بہادری
اور جرأت کا اظہار کیا لیکن آخر میں انگریزی فوج کی موجودگی کے باعث اور روہیلوں کی
تلوار کی ضربات سے ان کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے اور مقابلہ میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر
انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر روہیلوں نے اتنی ہمت نہ دی کہ دریا کو عبور کر سکے اس
وجہ سے وہ سنبھل کی طرف بھاگا۔ حافظ الملک نے ہلکر کے تعاقب میں کچھ مسافت طے کی
لیکن چونکہ اس کی سپاہ تیز گھوڑوں پر سوار تھی اور حافظ الملک کی فوج کا زیادہ حصہ پیدل تھا
اس لئے دوبارہ مقابلہ نہ ہو سکا اور ہلکے راتوں رات مسافت بعید طے کر کے بہت دور نکل

۱ حافظ الملک نے نواب عنایت خاں کی خطائیں ان کی زندگی ہی میں معاف کر دی تھیں۔

۲ اخبار الصنادید۔

گیانہنھل پہنچکر اس کو تاخت و تاراج کیا اور اپنی فوج کو رامپور لوٹنے کے لئے بھی روانہ کیا۔
نواب فیض اللہ خاں یہ خبر سن کر اپنے عیال و اطفال کو لے کر دامن کوہ کی طرف چلے گئے۔
حافظ الملک نے جب رامپور پر حملے کا حال سنا تو مستقیم خاں اور ملا سید خاں کو فوج دے کر
ان کے تعاقب کا حکم دیا۔ اور آپ سہنھل کی طرف ٹکڑے کے تعاقب میں گئے۔ مرہٹوں نے روہیلوں
کی فوج کی روانگی کا حال سن کر رامپور کی لوٹ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ صرف مراد آباد کو تباہ کر کے
پھوند کے قریب گنگا کو عبور کر کے ہماواجی سیندھیا سے مل گئے۔ حافظ الملک سہنھل کا ارادہ
فرج کر کے پھوند کی طرف ہل کر کے پیچھے گئے اور دریائے گنگا کے کنارے ٹھہر گئے اور وہاں سے
چند مقاموں کے بعد شجاع الدولہ کے پاس آ گئے جو اب سیندھیا کے مقابلہ میں انگریزی لشکر
کی معیت میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں آ کر حافظ الملک نے شجاع الدولہ کی معرفت احمد خاں
کی رہائی کے متعلق سردار ان مرہٹہ سے گفت و شنید شروع کی۔ ہماواجی سیندھیا بشکل صلح
کرنے اور دو لاکھ روپیہ کے معاوضہ میں احمد خاں کو رہا کرنے پر راضی ہو گیا۔ حافظ الملک نے
یہ رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی۔ جس کے بعد مرہٹے از خود بعض خانگی وجوہ سے دہلی کی طرف
واپس ہو گئے۔

حافظ الملک پر مرہٹوں سے ساز باز کا الزام اور اس کی تردید

مسترحلثن اور سر جان اسٹرنوچی نے اپنی کتابوں میں شجاع الدولہ
اور سر رابرٹ بارکر کی بعض اس قسم کی تحریریں نقل کی ہیں جن میں حافظ الملک کی مرہٹوں سے
ساز باز۔ جنگ میں شہل اور ان کی مقروضہ سکاری و دغا بازی کو بیان کیا ہے۔ لیکن

۱۷ تاریخ اخبار حسن۔ ۱۷ حافظ الملک پر یہ الزامات عائد کرنے کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ میں
مقابلہ خاں نے جو غلطی سے ان کے شریک کا رستہ چھوٹے جاتے تھے مرہٹوں سے ساز باز کر لیا تھا۔ فیض اللہ خاں بھی اپنے
ہمنوی کی مروت سے شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی غیبت خاں
کے عالم نزع کے باعث میدان جنگ میں بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے۔

تاریخِ اخبارِ حسن۔ نقشِ سلیمانی۔ گلِ رحمت اور گلستانِ رحمت وغیرہ بکثرت مستند کتابیں ان الزامات سے سقطی پاک ہیں۔ ان میں نہایت شہ و مد اور تفصیل کے ساتھ حافظ الملک کی قول پروری۔ وفاتِ شہنشاہی اور بہادری کے واقعات درج ہیں جن کو صحیح نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

سلسلہ کی اس جنگ میں انگریزوں اور شجاع الدولہ کے مبالغہ آمیز کارناموں کی تردید میں مشہور انگریز مورخ مسٹر بل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ۔

”در اٹھالیس سالہ انگریزوں اور وزیر کی متحدہ فوجیں روہیل کھنڈ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے دریا کے کنارے مرہٹوں کی اس فوج کے قریب اپنا کیمپ ڈالاجو صوبہ جات اودھ کوڑا پر حملہ آور ہونے والی تھی لیکن اس کے باوجود مرہٹوں نے دریائے گنگا کو عبور کر لیا اور روہیل کھنڈ کے بڑے حصے کو تاحنت و تاراج کیا۔ اضلع سینھل و مراد آباد برباد کئے اور آخر مارج تک ملک کو لوٹتے رہے اور میری سلسلہ میں خود بخود اپنے خانگی معاملات کے باعث اپنے ملک کو واپس ہو گئے..... روہیلوں پر یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے مرہٹوں کو امداد دی لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے انہوں نے مرہٹوں سے تھوڑی سی دُنیا سا ذی ضرورتی جو بالکل قدرتی بات تھی لیکن تمام قوم کی طاقت مرہٹوں کو دریا کے اس پار بٹانے میں پوری تندرہ ہی کے ساتھ صرف ہوئی۔“

۱۔ اُس امر کی طرف اشارہ ہے جو حافظ الملک نے شجاع الدولہ سے واپسی تمسک کا وعدہ لینے سے قبل مرہٹوں کو کچھ عرصہ لیت و لعل میں رکھا تھا۔

(۳۱)

شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے

اپنی اور انگریزی فوج کی محض موجودگی کی دھونس دیکر اور روہیلوں اور مرہٹوں کو آپس میں لڑوا کر جب شجاع الدولہ کو او دھ پر مرہٹوں کے حملہ کا خطرہ جانتا رہا تو اب انھوں نے بکمال احسان فراموشی خود روہیلوں کی تخریب پر کم باندھی اور روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے منصوبے گانٹھنا شروع کئے۔ چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۸۵۷ء کو سربراہ رٹ بارک نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ایک پرائیویٹ خط میں مسٹر ہیسٹنگز کو لکھا تھا کہ۔

”روہیلوں کی دغا بازی سے ناراض ہو کر وزیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کو روہیل کھنڈ

سے خارج کر دیا جائے اور اس ملک کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیں۔ وزیر نے

میرے ذریعہ آپ کو یہ اطلاع بھی دینی چاہی ہے کہ اگر انگریز اس تجویز کو عملی جامہ

پہنانے میں اس کو مدد دیں گے تو وہ کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ دیں گے۔“

اسی خط کی بنا پر ۳۰ اپریل کو ہیسٹنگز نے ولایت میں سر جان کول برک کو لکھا کہ۔

”وزیر نے روہیلوں کے ملک پر جو اس کے قریب واقع ہے اپنے دانت جمائے

ہیں اور اس کو یہ ملک فتح کر دینے کے صلے میں ہمیں زبردست نذرانے دئے

جائیں گے۔“

ان ہی خیالات کو دل میں لے کر جنگ مرہٹہ سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ اور سربراہ رٹ بارک

بظاہر آرام و تفریح کی غرض سے کچھ عرصہ رام گھاٹ میں مقیم رہے۔ لیکن بہ باطن مقصد یہ تھا کہ روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کر کے حافظ الملک کی سپاہ کے سرداروں۔ رسالداروں اور سپاہیوں کو توڑنے اور اپنے سے ملانے کی کوشش کریں۔ گل رحمت میں مرقوم ہے کہ۔

”جو کوئی ان کی ملازمت اختیار کر لیتا اس پر طرح طرح کی عنایات و مہذول کی جائیں چنانچہ

احمد خاں خلیفہ بخشی سردار خاں کو خطاب نوابی۔ خلعت۔ پالکی اور اسب و شمیر عطا

کی۔ اور محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پیران دوندے خاں مرحوم کے ساتھ انواع

واقام کی رعایات و نوازشات عمل میں لائی گئیں۔ اکثروں سے خوش آئند وعدے

کر کے انعامات کا متوقع بنایا اور اس کے بعد اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔“

روانگی کے وقت انگریزی فوج کے ایک کرنل مسٹر پیپین نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو روہیل کھنڈ کی سیر کرانا ہو اور وہ کو واپس لے جائے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اجازت مرحمت کر دی اور ان حکام ضلع کے نام جن کی طرف سے انگریزی فوج گزرتا چاہتی تھی اس مضمون کے پرولنے لکھ دے کہ مزاحمت نہ کریں اور سرد بہم پہنچائیں۔ چنانچہ انگریزی فوج آٹولہ۔ بریلی اور شاہ پور کی راہ ہوتی ہوئی مشرق کو چلی گئی۔ واضح ہو کہ آئندہ براہ شاہ پور پور ہی انگریزوں اور شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔

شجاع الدولہ کی وعدہ خلائی جب شجاع الدولہ اودھ پہنچ گئے اور حافظ الملک کو اس امر کی تمسک کی واپسی سے انکار اطلاع مل گئی تو انھوں نے خان محمد خاں اور عبید اللہ خاں کشمیری کو اپنا سفیر بنا کر شجاع الدولہ کے پاس روانہ کیا تاکہ مرہٹوں کو شکست ہو جانے کے بعد حسب وعدہ زبانی سید شاہ مدن ان سے چالیس لاکھ روپے کا تمسک طلب کریں جب یہ لوگ شجاع الدولہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تمسک کو

۱۹ یہ وہی احمد خاں ہے جس کو حافظ الملک نے دو لاکھ روپیہ اپنے پاس سے دیکر مرہٹوں کی قید سے رہا کر دیا تھا۔

واپس کرنے کا ہرگز کوئی اقرار نہیں کیا تھا۔ اس پر سید شاہ من طلب کئے گئے اور شاہ صاحب حاضر دربار ہوئے تو شجاع الدولہ نے اشارہ چشم کے ساتھ ان سے پوچھا کہ تمسک کے معاملہ میں آپ کے اور حافظ الملک کے درمیان کیا قول و قرار ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے جھوٹ بولنا اپنے مسلک کے خلاف سمجھا۔ تمام واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا اور فرمایا کہ میں نے حضور کے فرمانے کے بموجب حافظ الملک سے واپسی تمسک کا عہد واثق کر لیا ہے شجاع الدولہ اس جواب پر بہت برا فروختہ ہوئے اور کہا کہ یہ باتیں دروغ و بہتان ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں سازش کی گئی ہے میں نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نہیں نکالی ہے۔ سید شاہ من نے دو تین مرتبہ اپنی بات پر اصرار کیا۔ اس کے بعد مجبوراً خاموش ہو گئے۔ خان محمد خاں سفیر حافظ الملک نے بھی کچھ رنجش آمیز کلمے زبان سے نکالے جن کا شجاع الدولہ نے نہایت سختی کے ساتھ جواب دیا اور غضب ناک ہو کر مجلس کو چلے گئے۔

۱۰ سید شاہ من شاہ آباد ضلع ہردوی کے مشہور پیر زادے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے نہایت ہوشمند اور خوش اخلاق تھے۔ ابتدا میں صفدر جگہ کی مصاحبت میں رہتے تھے اور ان کے ہر ایک مشورے میں شریک ہوتے تھے۔ صفدر جگہ کی وفات کے بعد اللہ وردی خاں ناظم بنگالہ کے پاس چلے گئے۔ وہاں بھی عزت کے ساتھ رہے۔ جب بنگال میں انقلاب حکومت ہوا تو پھر او وہ میں چلے آئے۔ شاہ آباد ضلع ہردوی میں جو شاہجہاں پور کے متصل ہے رہنے لگے اور شجاع الدولہ سے توسل پیدا کر لیا۔ شجاع الدولہ ان کی عزت کرتے تھے۔ پھر خالص پور میں جو کھنڈ سے پانچ کوس پر ہے سکونت اختیار کر لی کیونکہ شاہ آباد کی سکونت میں ان کی نسبت شجاع الدولہ کو پریشانی ہوتا تھا کہ یہ روہیلوں سے دوستی اور جنبہ داری رکھتے ہیں۔ سید شاہ من کے ہاں ہر سال حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا عرس ہوا کرتا تھا۔ ہندوستان کے شہروں سے ہزار ہا علما۔ طلباء و مشائخ۔ پیر زادے آئے اور شریک ہوتے ان سب کی آمد و رفت کے مصارف شاہ صاحب کے یہاں سے ادا کئے جاتے اور ان کو کھانا دیا جاتا۔ تین روز تک بڑا اینوہ رہتا اور صبح سے شام تک آدمیوں کو جنس تقسیم ہوتی رہتی تھی۔ کئی بقال اس کام پر مقرر رہتے تھے۔ ہر دست سے نائے اور بریاگی بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔ جن کو سولے خوراک کے بھنگ۔ پیرس اور بونہ بھی ملتا تھا۔ تیس ہزار کے قریب آدمی جمع ہوتے تھے۔ روہیلے بھی ان کی پیرزادگی کی وجہ سے ہمیشہ تھے بھگتے رہتے تھے۔ (انبار الصنادید)

۱۱ واپسی تمسک کے سلسلہ میں شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی اور سید شاہ من کی حق گوئی و اخلاقی جرأت کا واقعہ گستاخان گل رحمت۔ تاریخ اخبار حسن۔ نقش سیلانی اور تاریخ روہیل کھنڈ وغیرہ بکثرت کتابوں میں درج ہو لیکن تعجب ہے ۲۲

الغرض سفرِ حافظِ الملک ناکام و نامراد واپس آئے اور حقیقت حالِ بیان کی حافظِ الملک نے اس وقت تسک کے لینے پر اصرار کرنا مصلحت نہ جانا اور اپنی رنجیدگی خاطر بھی ظاہر نہ ہونے دی۔ سہل ابھاری کو کام میں لا کر سکوت کیا۔ اور صبر و شکر کے ساتھ پر وہ غیب سے آئندہ ظہور میں آنے والے واقعات کا انتظار کرنے لگے۔

شجاع الدولہ نے واپسی تسک میں جو وعدہ خلافی کی اس کی ایک وجہ تو انکی مخصوص محسن کش اور بے ایمان فطرت تھی۔ اور دوسری زیادہ زبردست وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اثرِ اجتہاد کی کثرت اور آمدنی کی قلت کے باعث انگریزی فوج کے مصارف کا موعودہ مطالبہ پورا نہ کر سکے تھے اور اس طرح ان پر انگریزی قرضہ کا بار بڑھ گیا تھا جس کی ادائیگی کی بھر اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ وہ شاہِ مدن والے زبانی معاہدہ کو نظر انداز کر کے شائع کے معاہدہ کی رو سے روہیلوں سے چالیس لاکھ روپیہ جس طرح بھی ہو وصول کریں اور اپنے انگریز دوستوں کو ایفاءِ عہد کر کے خوش کریں جن سے انھیں آئندہ بھی کام لینا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے جب اپنے روپیہ کا ان سے مطالبہ کیا تو انھوں نے گورنر جنرل ہسٹنگز کو ایک خط میں لکھا کہ۔

”میں نے جنرل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ جب ہم مرہٹوں کو روہیلوں کے ملک سے نکال دیں گے اور حافظِ رحمت خاں اپنا چالیس لاکھ روپیہ کی ادائیگی کا وعدہ ایفا کریں گے تو میں اس میں سے نصف روپیہ انگریز سرداروں کو دوں گا بخلاف اس کے اگر روہیلہ سردار اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے اور انگریز ان کو نیست و نابود کر کے اُن کے ملک پر مجھے قبضہ دلا دیں گے تو اس صورت میں میں پچاس لاکھ روپیہ نقد ادا کر دوں گا۔“

مگر پھر بھی مخالف مورخین کو یہ واقعہ یا تو نظر نہیں آتا یا وہ اس کو دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

۱۵ رپورٹ پنجم مرتبہ کمیٹی آف سیکریٹری ضمیمہ ۲۱۔ برٹش میوزیم۔

ہیسٹنگز جیسے مشہور خود غرض اور طاعِ شخص کیلئے پس یا پچاس لاکھ روپیہ کا لالچ کوئی معمولی بات نہ تھی فوراً ایک طویل خط جواب میں لکھا جس میں شجاع الدولہ کی تجاویز کی پُر زور تائید کی اور بہت کچھ ثناء و صفت اور اظہارِ محبت و یگانگت کے بعد نہایت سہ تابی کے ساتھ یہ خواہش کی کہ جملہ معاملات کو باقاعدہ طے کرنے کے لئے بنارس میں ایک ذاتی ملاقات کی اشد ضرورت ہو۔

(۳۲)

حافظ الملک کے خلاف پُردست سازش اور حکومت برصِ ہند کا زوال

عہد نامہ بنارس | او آخر جون ۱۹۰۷ء تک جملہ اختیارات مکمل ہو جانے پر اوائل جولائی ۱۹۰۷ء کو گورنر وارن ہیسٹنگز کلکتہ سے روانہ ہوا اور ۱۹- اگست کو شجاع الدولہ سے اس کی بنارس میں ملاقات ہوئی۔ اس سفر سے ہیسٹنگز کے دو مقصد تھے۔
اول کوٹرا اور الہ آباد کو شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کرنا۔ دوم تسخیر روہیل کھنڈ کی بات
معاملہ کرنا۔ سب سے پہلے اول الذکر معاملے کے بارے میں گفتگو ہوئی اور مندرجہ ذیل شرائط
پر کوٹرا اور الہ آباد کو شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

”قرارداد پاکہ چونکہ بموجب عہد نامہ الہ آباد مورخہ ۱۴- اگست ۱۹۰۷ء اضلاع
کوٹرا اور الہ آباد بادشاہ کو ان کے اخراجات کے لئے دیدے گئے تھے اور ان اضلاع
پر بادشاہ نے اپنا قبضہ چھوڑ کر انگریز کمپنی اور وزیر کے مفاد کے خلاف انکی سند
مرہٹوں کو دیدی اور چونکہ یہ فعل مذکورہ عہد نامہ کی متنازعہ کے خلاف ہے اس لئے
یہ تفادات کمپنی ہی کو جس سے بادشاہ نے انھیں حاصل کیا تھا واپس ہو گئے اور
اب وزیر اور کمپنی کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اضلاع مذکور کو ان شرائط
کے ساتھ وزیر کے قبضہ میں دے دیا جائیگا۔
کہ وہ سکے رائج الوقت اودھ کے پچاس لاکھ روپیہ کمپنی کو دیں گے جس کی ادائیگی کا
یہ طریقہ ہوگا کہ بیس لاکھ روپیہ فوراً نقد اور دو سال بعد پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ
دو قسطوں میں ادا ہوگا۔“

۱۹۰۷ء ہیسٹنگز ایڈرڈی روہیلا وار۔

شاہی مقبوضات کو اس طرح بیچنے اور شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ روپیہ کی کثیر رقم وصول کرنے کا ہیسٹنگز کو کوئی حق تھا یا نہیں اس بارے میں انگلستان کے سب سے بڑے سیاست داں اور مقرر مسٹر برک کی تقریر کا ایک حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

” پہلا بادشاہ جسے کمپنی نے روپیہ لے کر فروخت کیا آلِ تیمور کا مغل اعظم تھا یہ بلند شخصیت ایسی بلند جو انسانی عظمت کا مطلع نظر ہو سکتی ہے۔ عام روایات کے مطابق اپنے عہدہ طرزِ عمل۔ پاک باطنی اور ماہر علوم مشرقیہ ہونے کے باعث بہت ہر دلیر و محترم تھی۔ اس کی یہ خوبیاں اور نیز یہ امر کہ اُسی کی سندات کے طفیل میں ہم نے تمام ہندوستانی مقبوضات حاصل کئے۔ اس کو سر بازار فروخت کرنے سے ہمیں نہ روک سکے۔ اسی کے نام کا سکہ چلتا ہے۔ اسی کے نام سے عدل و انصاف کیا جاتا ہے۔ ملک کے طول و عرض میں اسی کے نام کا تمام عبادت گاہوں میں خطبہ پڑھا جاتا ہے لیکن پھر بھی اُسے بیچ ڈالا گیا۔ ایک سلطنت عطا کر دینے والے معطی اور بکثرت قوموں کے جائز حکمران کے واسطے اس کے شاندار عطیات میں سے صرف دو ضلع کوڑا اور الہ آباد بطور شاہی ملک محفوظ کر دئے گئے تھے۔ لیکن ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کا زرخراج بند کر دینے کے بعد..... یہ اضلاع بھی اس کے وزیر شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کر دئے گئے۔ اس معاملہ کا سب سے مذموم پہلو جو کچھ لوگوں کو نظر آئے گا وہ یہ ہے کہ ان دو ضلعوں کا سودا بھی بے شکل چھن دو سال کے لئے کیا گیا۔ افسوس کہ اب یہ تیموری شاہزادہ اپنی معمولی ضروریات زندگی پوری کرنے سے بھی عاجز ہے اور اس کی موجودہ لاچاری میں ہم بخشش کے طور پر بھی اُسے کچھ نہیں دے سکتے“

برک کے یہ اعتراضات ناقابلِ تردید ضرور ہیں لیکن اس موقع پر ہیسٹنگز کی ہوسناکی بھی ایک حد تک بدرجہ مجبوری تھی کیونکہ اس زمانہ میں کمپنی سوا کرور روپیہ کی قرضدار تھی۔ خزانہ بالکل

کوڑا اور آلہ آباد کے معاوضہ میں پچاس لاکھ روپیہ کا عہد و پیمان ہو جانے کے بعد اب ہیسٹنگز اور شجاع الدولہ کے درمیان روہیل کھنڈ کی بابت مشورہ ہوا اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد آپس میں ایک عہد نامہ لکھ لیا گیا جس کا اہم اقتباس حسب ذیل ہے۔

ہیں اور اس کی رضامندی سے وزیر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے

دینے کا عہد کیا تھا۔ اور اب اس معاہدہ کو انہوں نے دغا بازی سے توڑ ڈالا ہے

کو سزا دینے میں اس کی امداد کرے گا ویر اس بریگیڈ کے کُل اخراجات ادا کرے گا

ندریاے لنگا کے پار جائیں گی اور نہ دامن کوہ تک کو چ کریں گی۔ وزیر صرف اُس

ملک میں سے خود کمپنی کچھ لینے سے دست بردار ہوئی ہے اس لئے اس حق کو

لدولہ نے کوڑا۔ الہ آباد اور روہیل کھنڈ کے متعلق عہد نامے لکھنے کو تو کھدے لیکر

۲۷ حنا بظہاں کے مقبوضات کو کسی دوسرے مناسب موقع کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

صفحہ رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۵۔ انتخابات فارسٹ جلد اول صفحہ ۱۵۰۔

معاہدے کی تکمیل کے بعد اب ان کی آنکھوں پر سے غفلت کے کچھ کچھ پردے بھی اٹھنا شروع ہوئے اور انھوں نے جب اپنے دل میں یہ حساب لگایا کہ انھیں انگریزوں کو کس قدر روپیہ دینا ہے اور آیا وہ اس قدر روپیہ دے بھی سکتے ہیں یا نہیں تو ان پر اپنی مغدوری کی حقیقت منکشف ہو گئی اور خیال کیا کہ انگریزی قرضہ کا ناقابل برداشت بار بڑھا کر روہیل کھنڈ فتح بھی ہوا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ شجاع الدولہ نے اپنے تخیل سے وہ خیالات کا دارن ہیسٹنگز سے بھی ذکر کیا چنانچہ اس گفتگو کو دارن ہیسٹنگز نے بالتفصیل اپنی ڈائری میں قلمبند کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

”شجاع الدولہ نے روہیلوں پر اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے مطالبہ کو معاف کر دینے کی بابت مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے صلاح دی کہ جس قدر ممکن ہو وصول کرنا چاہئے اور ایک روپیہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے ادائیگی کے سلسلہ میں ان سے جو کئی ٹوہنیں لگی دی ہیں آئندہ ان کے خلاف کارروائیاں کرنے میں ایک معقول وجہ کا کام دے گی۔“

دارن ہیسٹنگز کے جواب سے شجاع الدولہ لاجواب ہو گئے اب ان کے لئے روہیلوں سے جنگ کرنا فعل ناگزیر تھا صرف کچھ ٹہلت حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے جو انھیں دے دی گئی اور دارن ہیسٹنگز شروع اکٹوبر ۱۷۸۱ء میں شجاع الدولہ سے بیس لاکھ روپیہ نقد اور پینسٹھ لاکھ کا وعدہ لے کر کلکتہ کو واپس ہو گیا۔

اباؤہ پر شجاع الدولہ کا قبضہ جس زمانہ میں ہیسٹنگز اور شجاع الدولہ روہیلوں کے خلاف بنارس میں سادش کر رہے تھے۔ حافظ الملک بھی اپنی حکومت کے استحکام و ترقی سے غافل نہ تھے اور انھوں نے روہیل کھنڈ کے اندرونی انتظامات کی درستگی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارادہ کیا کہ اباؤہ پر دوبارہ قبضہ کر لیں تاکہ ملک کی وسعت سے آمدنی میں اضافہ ہو اس ارادے کی تکمیل کے لئے اس وقت موقع بہت مناسب تھا کیونکہ نرائن راؤ پیشوا کے قتل کے باعث

مرہٹہ سردار جنوبی ہند میں آپس میں مصروف قتال و جدال تھے اور انھوں نے شمالی ہند سے اپنی تمام فوجیں وہاں بکالی تھیں۔ اٹا وہ میں بھی نہایت قلیل مرہٹہ فوج رہ گئی تھی اور اس طرح میدان خالی دیکھ کر حافظ الملک عنقریب وہاں پہنچنے والے تھے کہ کسی طرح ان کے اس قصد کی شجاع الدولہ کو خبر مل گئی جس سے وہ حد درجہ چراغ پا ہوئے۔ بنارس کا نفرین ختم ہو چکی تھی۔ ہیسٹنگز کلکتہ پہنچ گیا تھا اس لئے شجاع الدولہ نے فوراً اپنے دوست ہیسٹنگز کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا کہ۔

”حافظ رحمت خاں اور دوسرے دہلیہ سردار اٹا وہ اور اس سے متعلق مرہٹوں کے دوسرے مقبوضات پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ لہذا میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ اگر ان کا ایسا ارادہ ہے تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ ان کے خلاف بلاشبہ ایک ہم لے جاؤں گا کیونکہ اول تو انھوں نے حسب معاہدہ چلیں لاکھ روپیہ میں سے اب تک ایک درم نہیں دیا ہے۔ دوسرے وہ ایک اور ملک لینا چاہتے ہیں اس بات کو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا اور میں نے انھیں سزا دینے کا پختہ تہیہ کر لیا ہے۔“

اس اطلاع کی بنابر ہیسٹنگز نے ایک انگریز انسٹرکشن کی ماتحتی میں چند بھاری توپیں لکھنؤ روانہ کر دیں جن کو لے کر شجاع الدولہ حافظ الملک کے روانہ ہونے سے قبل ہی اٹا وہ پر حملہ آور ہو گئے۔ اور مرہٹہ فوج سے معمولی سی لڑائی کے بعد اٹا وہ اور دو آہ کے دوسرے اضلاع پر قبضہ کر لیا۔

مظفر جنگ۔ ضابطہ خاں اور
شاہ عالم بادشاہ کی یوفائی کی اور حافظ الملک کے قدیمی وجہاں نثار دوست نواب احمد خاں

ہنگش مرحوم کے دار الحکومت فرخ آباد میں داخل ہوئے۔ یہاں آج کل احمد خاں کا وہی بڑا لڑکا مظفر جنگ حکمران تھا جس کی رسم مسند نشینی حافظ الملک نے اپنے ہاتھ سے ادا کی تھی یہ مظفر جنگ کیا باعتبار تہور و مردانگی اور کیا باعتبار شرافت نفس اپنے والد مرحوم کی بالکل ضد تھا۔ نہایت بزدل۔ بے مروت اور کمزور طبیعت واقع ہوا تھا۔ شجاع الدولہ کے فرخ آباد میں داخل ہوتے ہی خوف زدہ ہو کر اس نے نہ صرف یہ کہ حافظ الملک کے ساتھ عدم مشارکت کا عہد و پیمان کر لیا بلکہ ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ خراج اور شجاع الدولہ کے اثر سے اُس کا مذہب بھی اختیار کر لیا۔ مظفر جنگ کو اپنا باج گزار بنا کر شجاع الدولہ نے ضابطہ خاں کی طرف توجہ کی جو مرہٹوں کے وکن چلے جانے کے بعد حافظ الملک سے از سر نو موافقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ضابطہ خاں کی نئے وفائی اور دغا بازی کے واقعات اس سے پہلے بھی مذکور ہو چکے ہیں لہذا اس نے اس موقع پر اس واقعہ کو قطعاً فراموش کر کے کہ حافظ الملک پر چالیس لاکھ روپیہ کا مطالبہ صرف اُس کی وجہ سے تھا اور محض اُسی کے ضامن بننے کے باعث شجاع الدولہ ان کے ملک کو غصب کرنے اور خود ان کو ذبح کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ عظیم الشان۔ ناسخ شناسی اور بے غیرتی کو کام میں لاکر دنیا میں اپنے سب سے بڑے محسن حافظ الملک کے خلاف شجاع الدولہ کا ٹھکر بک کار ہو گیا۔

روہیل کھنڈ پر آئندہ حملہ میں ضابطہ خاں سے امداد کا وعدہ لے کر شجاع الدولہ نے ضروری خیال کیا کہ اس بارے میں شاہ عالم بادشاہ کی بھی رضامندی حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وزیر اعظم نجف خاں سے خط و کتابت شروع کی اور بادشاہ کے حصول خوشنودی کے لئے جاٹوں کے مقابلہ میں اگرہ کی تسخیر میں بھی مدد دی اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے فتح روہیل کھنڈ کی اجازت عطا کر دی اور شجاع الدولہ نے یہ جھوٹا وعدہ بھی کر لیا کہ۔

”فاصیوں کے ہاتھ سے بحال کر نصف روہیل کھنڈ بادشاہ کی ملکیت میں دے دیا

جائے گا“

انگریز۔ مظفر جنگ۔ مضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ جب سب کے سب روہیلوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تو شمالی ہند میں اب کوئی طاقت اور کوئی حکمران ایسا نہ رہا جو حافظ الملک کا شریک ہوتا۔ خود روہیل کھنڈ کا میدان بھی اس وقت جواں مردوں اور صفِ شکنوں سے خالی تھا۔ عنایت خاں دوندے خاں۔ شیخ کبیر۔ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خاں ماں۔ سید احمد شاہ۔ عبدالستار خاں۔ بڈو خاں۔ ملا محسن خاں اور پریمول خاں بڑے بڑے طاقتور اور شجاع رسالدار یکے بعد دیگرے داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ لیکن بے یار و مددگار ہونے کے باوجود اور اس بے سروسامانی کے ہوتے ہوئے مصیبت زدہ۔ زخم خوردہ اور بوڑھے روہیلہ سردار حافظ الملک کے ابھی تک وہ دم خم تھے اور اس کی جرأت اور نے جگری کی شجاع الدولہ کے دل پر ایسی دھاک بٹھی ہوئی تھی کہ ہنوز وہ اپنے آپ کو اس کا بڑا مقابل نہ سمجھتے تھے۔ چالاکی۔ عیاری اور مکاری میں شجاع الدولہ حافظ الملک سے بڑھے چڑھے ہوں تو ہوں لیکن میدان جنگ کی مردانگی و جاں بازی کا جہاں تک تعلق تھا وہ خوب جانتے تھے اب سے نہیں بلکہ اپنے والدِ صغیر جنگ کے وقت سے ایک دولڑائیوں میں بیسیوں معرکوں میں نہ صرف سن سن کر بلکہ شریک جنگ ہو کر اپنی آنکھ سے اسی طرح مشاہدہ کر چکے تھے کہ حافظ الملک کس جذبے۔ کس دل گردے اور کس لیاقت کے سردار ہیں۔ ایک شیر پر حملہ کرنا اور وہ بھی اس کی کچھاریں کوئی آسان اور سہل کام نہ تھا۔ اس لئے شجاع الدولہ نے شمالی ہند کے تمام بڑے بڑے حکمرانوں کو اپنا شریک بنالینے کے بعد حافظ الملک کو کمزور کرنے کی غرض سے اب اُس حربہ سے کام لینے کا غم باجزم کر لیا جس کا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہ اب تک مقابلہ کر سکی ہے اور نہ آئندہ کر سکے۔ یہ حربہ اندرونی غداری تھی۔ اسی اندرونی غداری کی بدولت شاہانِ دہلی تباہی کا شکار ہو چکے تھے۔ سراج الدولہ اور میر قاسم فنا کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ حافظ الملک اور ٹیپو سلطان کی بربادی کی باری تھی اور خود والیان اودھ کے سروں پر اسی کی بدولت قضا کھیل رہی تھی۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا

کہ جب اس زمانے کے تمام ہندوستانی حکمران عموماً رعیت کے ساتھ اس حربہ کا شکار بن رہے تھے تو شجاع الدولہ کیسے شکاری بن گئے لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ آئندہ چکر اُن کی یہ مثل ہونے والی تھی ”شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے“ یعنی جنھوں نے ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی اور جن کے مشورہ کے بغیر وہ تنکا بھی نہ توڑتے تھے وہی اُسناد جو روہیل کھنڈ کے زرخیز ملک کو فتح کرنے کی صلاح و مشورے دے رہے تھے کل جب اس فتح کے پھل کھانے کا وقت آئے گا تو ان کی اولاد کے حلق سے اس سونے کے نوالے کو نکال لیں گے۔

سردار ان روہیل کھنڈ کی غداری حافظ الملک کے خلاف بغاوت پھیلانے کے لئے اس وقت روہیل کھنڈ کے طول و عرض میں شجاع الدولہ کے سیکڑوں ایجنٹ کام کر رہے تھے جن کے اغوا سے بکثرت چھوٹے بڑے حربیں و طاع قلوب میں حرص و طمع جاگزیں ہو گئی۔ خواہی خواہی خویش و بیگانے سرتابی پر آمادہ ہو گئے۔ اور حافظ الملک جیسے حلیم و سلیم آقا سے کفرانِ نعمت کر کے ان کے ملک و دولت کو تباہ کرنے اور روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کی حکومت کا سکہ چلانے کے مدد و معاون بن گئے اپنی اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بعض پوشیدہ طور پر اور بعض علانیاً شجاع الدولہ کے ساتھ عہد و پیمان کر بیٹھے۔ چنانچہ محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں نے اپنے اپنے مطالب قرآن شریف پر لکھ کر حشر ثبت کرنے کی غرض سے شجاع الدولہ کے پاس بھیج دیے۔ شجاع الدولہ نے بغیر کسی حیلہ و حجت کے ان کے تمام مقاصد کو منظور کر لیا اور قرآن شریف پر اپنی حشر ثبت کر کے ان کے پاس بھیج دیا۔ بلکہ یہ بھی لکھ دیا کہ روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے بعد تھاری درخواست سے زیادہ تمھارے ساتھ سلوک کیا جائیگا۔ اسی طرح احمد خاں پسر بخشی سردار خاں نے حافظ الملک کے ساتھ عدم مشارکت کا معاہدہ اپنے مطالبات

۱۔ شجاع الدولہ کے دوست ہیشنگر کے حکم سے مسٹر ٹلن اوڈھ کا بیڑیڈنٹ مقرر کر کے بھیجا گیا تھا جو ہر وقت شجاع الدولہ کے ساتھ رہتا تھا اور ان کو ملک گیری کی چالیں بتاتا رہتا تھا۔

کی بابت شجاع الدولہ سے کر لیا۔ ایک معتبر رسالہ المحدثہ خاں جو ذاتی تنخواہ رسالہ کی تنخواہ اور دیہات کے علاوہ ہندوہ سورویہ کا درماہہ پاتا تھا بے وجہ حافظ الملک کے خلاف سازش کر کے اور پچاس ہزار روپیہ کی ہینڈ سی لے کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا۔ عبداللہ خاں حاکم شاہجہان پور نے بھی اپنے داماد ارادت خاں ابن حافظ الملک کی حفاظت جان و مال و ناموس کا تحریری عہد لے کر شجاع الدولہ سے اپنا رشتہ اتحاد مستحکم کر لیا۔ اپنے سرداروں کی ان سازشوں کے حالات حافظ الملک برائے سننے تھے اور تعجب کرتے تھے لیکن کبھی کسی سے اعتراض و استفسار نہ کیا۔ اور فرماتے تھے کہ۔

”ان نادانوں کو عنقریب اس شخص کے ہاتھ سے جس سے یہودی کی امید رکھتے ہیں اپنی ہر اندیشی کا نتیجہ مل جائے گا“

حافظ الملک کی مصالحت کوشی لیکن جب پانی بالکل سے اونچا ہونے لگا اور شجاع الدولہ کی ریشہ دو انیاں حد سے گزر گئیں تو حافظ الملک نے جنگ واقع ہونے سے قبل یہ مناسب خیال کیا کہ اول مصالحت کی تمام کوششیں ختم کر لیں۔ چنانچہ اس بارے میں شجاع الدولہ سے براہ راست رجوع کرنے سے پہلے انہوں نے دارن ہیٹنگز کو ایک خط لکھا جس میں ضروری الفاظ و آداب اور ایک ذاتی ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے خطر پر تھا کہ۔

”ہمارے اور انگریز سرداروں کے درمیان روابط دوستی و محبت اور آپس کا گہرا روادار و ریم جو عرصہ سے قائم ہے اس سے آپ نے خبر ہو گئے۔ آپ کی ناموری کا شہر و سن کر میری خواہش ہے کہ مجھ میں اور آپ میں مکمل اتحاد و اتفاق قائم و مستحکم ہو جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ خود آپ کی طبیعت کا رجحان بھی یہی ہوگا۔ انھیں وجوہ سے نیز اس خیال سے کہ ہمارے درمیان کوئی نا اتفاقی یا اختلاف نہیں ہے میں مندرجہ ذیل

حالات سے آپ کو باخبر کرنا چاہتا ہوں تاکہ گفتگو کے وقت یہ امور آپ کے پیش نظر رہیں۔

سال گزشتہ جب بادشاہ مرہٹہ سرداروں اور نواب ضابطہ خاں کے درمیان اختلاف ہوا اور نواب موصوف کے معاملات دگرگوں ہونے کی وجہ سے بادشاہ اور مرہٹوں نے ہمارے مفوضات میں داخل ہونے کے قصد سے گنگا کو عبور کیا۔ تو روہیلہ سردار اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے جنگلوں میں چلے گئے اس وقت وزیر الممالک اور جنرل بارکر نے شاہ آباد میں پہنچ کر پیش ہارپر کو مجھے بلانے اور ملاقات کرنے کا پیام دینے کی غرض سے بھجوا۔ اس بارے میں ان کا اصرار حد سے سوا ہوا تو چونکہ ہمارے ان کے مفاد یکساں تھے اس لئے میں گیا اور ان حضرات سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ہم لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ کی تکمیل ہوئی جس کی رو سے میں نے شجاع الدولہ سے بادشاہ اور مرہٹوں کو شکش کے طور پر مبلغ چالیس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس وعدہ کی بنا پر ان حضرات نے اپنی جانب سے اس امر کی ضمانت کی کہ میری بادشاہ اور مرہٹہ سرداروں سے صلح کرادیں گے یا ایک دور دراز کے بعد شاہ آباد سے کوچ کر کے خود مرہٹوں پر سخت حملہ کریں گے اور ان کے جنگی اقدامات کا خاتمہ کر دیں گے۔

لیکن اس معاہدہ کے باوصف ان لوگوں نے نہ مرہٹوں سے کوئی ایسا معاملہ کیا جس سے ان کے حلوں کا ہمیشہ کے واسطے سد باب ہو جاتا اور نہ ان پر حملہ کیا۔ اور عہد و پیمان کو پورا کئے بغیر فیض آباد کو واپس ہو گئے۔ اس عرصہ میں موسم برسات شروع ہو گیا تھا اس لئے مرہٹے بھی خود بخود گنگا کو عبور کر گئے اور دو آہ میں پڑاؤ ڈال کر بیرے خلاف کارروائیاں کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے۔ دور ان برسات میں میں برابر نواب وزیر۔ جنرل بارکر اور کمیشن ہارپر کو توجہ دلاتا رہا کہ میرے تفضیل کو مرہٹوں اور

بادشاہ سے طے کرا دیں۔ لیکن انھوں نے اس بارے میں نہ کوئی قطعی فیصلہ کیا اور نہ معہودہ تحفظ کے واسطے کوئی عملی قدم اٹھایا یہاں تک کہ برسات ختم ہونے کے قریب ہوئی اور مرہٹے پھر گنگا کے قریب پہنچ کر جھ سے روپیہ طلب کرنے لگے۔ اس موقع پر میں انہیں بمبھل بلطائف الجمل فقوڑ اسار روپیہ دیکر ٹال سکا۔ بعد ازاں مرہٹے بادشاہ کے حضور میں جا کر وہاں سے کوڑا اور الہ آباد کی سند حاصل کر لائے اور دوبارہ گنگا کے کنارے واپس آ کر دریا کو عبور کرنے کے لئے پل بنانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے ایک معتمد کو معہودہ چالیس لاکھ روپیہ کی رقم کی ادائیگی کا مجھ سے مطالبہ کرنے کی غرض سے میرے پاس بھیجا اور کہا کہ یہ رقم ان کے اور بادشاہ کے لئے طے ہوئی تھی۔ علاوہ بریں مرہٹوں نے مجھے کمزرت لالچ دیکر مجھ سے یہ درخواست بھی کی کہ میں انھیں اپنے مقبوضات میں سے گزرنے کی اجازت دے دوں اس صورت میں یہ یقین دلایا کہ رعایا کو لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ رکھا جائے گا اور وہ صوبہ اودھ یا کسی اور جانب جہاں مناسب سمجھیں گے کوچ کر جائیں گے۔ نیز یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر ہم اُن کو ان کی مطلوبہ اجازت دیدیں تو وہ رقم مذکورہ واکذاشت کر دینگے اس کے علاوہ وہ اُن تمام امور کو بھی سرانجام دینے کے لئے تیار تھے جن سے روپیہ سردار ملتان ہو سکیں۔ میں اس موقع پر نواب وزیر اور جنرل صاحب نے جو کہ قریب آگئے تھے۔ شیخہ مدن اور محمد کرم خاں کو میرے پاس بھیجا کہ یہ خواہش کی کہیں ٹپوں سے کوئی عہد و پیمان نہ کروں۔ جس کے بدلے میں وہ مجھے میرا چالیس لاکھ روپیہ کا منسک واپس کر کے میری موجودہ اور آئندہ حفاظت کے لئے ہر ممکن تدبیر کرینگے نواب وزیر اور انگریز صاحبان سے اپنی قدیمی دوستی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں مرہٹوں کی تمام پیش کردہ مراعات کو مسترد کر کے ان کا شریک ہو گیا۔ میرے اس

طرز عمل کا انتقام لینے کی غرض سے مرہٹوں نے گنگا کو عبور کیا اور مراد آباد اور شہل کو لوٹ لیا۔ نواب وزیر اور صاحبان انگریزوں نے وعدہ کیا تھا کہ دریا پار جا کر دور رسات ہی میں مرہٹوں سے لڑیں گے اور اُس وقت تک فیض آباد یا کلکتہ کو نہیں جائیں گے جب تک کہ مرہٹوں کو بالکل خارج کر کے اپنی اور میری حفاظت کا پورا پورا اطمینان نہ کر لیں گے۔ لیکن انھوں نے ہر کام ادھور کیا اور عرصہ تک مرہٹوں سے کچھ چال بازیوں کر کے اپنے اپنے مقامات کو واپس ہو گئے اور مجھے مرہٹوں کا شکار بنا کر چھوڑ گئے۔ آپ یقیناً ان تمام کارروائیوں سے باخبر ہوں گے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر آپ کو غور کرنا چاہئے اور انصاف سے کام لینا چاہئے۔ چونکہ ہماری اور آپ کی دوستی دیرینہ ہے اس لئے مجھے بالکل مشبہ نہیں ہے کہ آپ اس کو ہر زمانہ اور ہر موقع پر قائم رکھنے کے خواہش مند رہیں گے۔

مذکورہ بالا خط کے پیچھے پرگورنر ہیسٹنگز نے نہ تو حافظ الملک کو ملاقات کا موقع دیا اور نہ تحریک مصالحت کو کامیاب بنانے میں کسی قسم کی امداد دی بلکہ روہیل کھنڈ پر فوراً حملہ کرنے کے ارادہ سے ۳۰ فروری ۱۷۸۱ء کو شجاع الدولہ نے جب اسے مطلع کیا تو حق و ناحق میں کسی قسم کا امتیاز کئے بغیر محض چالیس لاکھ کی رقم کی بدولت انگریزی فوج بسر کر دی کرنل چیمپین اودھ کو روانہ کر دی ہیسٹنگز کی جانب سے بالوسی ہو جانے اور ۱۲- اپریل ۱۷۸۱ء کو کرنل چیمپین کا بریگیڈ سرحد اودھ پر پہنچ جانے کی حافظ الملک کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اطلاع ملی تو انھوں نے ایک خط کرنل چیمپین کو بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

دو سال گزشتہ جب مرہٹے ساحل گنگا تک بڑھ آئے تھے اور نواب وزیر جنرل بارہ اور آپ یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے نواب وزیر سے اپنے دیرینہ تعلقات

کا لحاظ کر کے جیسا کہ آپ کو علم ہے بیان دوستی کر لیا تھا اور مرہٹوں کے ساتھ اتحاد
 عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے ٹکو ہلکا ایک مرہٹہ سردار گنگا پار کر کے
 اس ملک میں داخل ہو گیا۔ نواب وزیر کی فوج کو میری امداد کرنی چاہئے تھی لیکن
 ایسا نہ ہوا اور میں نے تنہا ہر ممکن سرعت کے ساتھ دشمن سے جنگ کی اور اسے ذلت
 دلشیا جانی دیکر دریائی دوسری جانب بھگا دیا۔ اس کے بعد نواب وزیر اور جنرل
 صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور ملاقات ہوئے پر جب انھوں نے مرہٹوں
 سے لنگا کے اس پار جنگ کرنے کی اپنی تجویز سے جھکو مطلع کیا تو بھی میں ان کا ساتھ
 دینے پر آمادہ ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ امور محبت و وفاداری میں میری جانب
 سے کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے جس کا آپ کو بھی احساس ہو گا۔ شاہ آباد
 میں نواب وزیر سے ملاقات کے وقت جبکہ دوستانہ سمجھوتہ ہوا تو جنرل صاحب
 نے یہ کہا تھا کہ اس سمجھوتہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے، چنانچہ اس عرصہ میں میری
 جانب سے شرائط دوستی کے خلاف کچھ عمل میں نہیں آیا ہے لیکن پھر بھی نواب
 وزیر نے نے وجہ دشمنی کو اپنے ذہن نشین کر لیا ہے۔ آپ کہ جنرل صاحب کی جگہ
 تشریف لارہے ہیں اس لئے میں انتہائی مسرت کے ساتھ یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ امید
 ہے کہ آپ حسب دلخواہ ابسط انگیز خطوط سے مجھے سرفراز فرمائیں گے۔

کنرل چیمپین ایک نہایت شریف۔ رحمدل اور منصف مزاج شخص تھا اور اس کو روہیلوں اور
 ان کے سردار حافظ الملک سے بہت ہمدردی تھی۔ مگر اس موقع پر وہ کسی قسم کی مدد کرنے سے
 بالکل قاصر تھا۔ کیونکہ اس کے اختیار بہت محدود تھے اور صرف فوجی معاملات اس سے
 متعلق تھے سیاسی گفت و شنید کے لئے دہلیڈنگز نے ریڈیڈسٹڈٹلٹن کو زیادہ قابل اعتبار

سمجھا تھا، تاہم کرنل چیمپین نے معقولیت کو کام میں لا کر ۱۳- اپریل کو حافظ الملک کے خط کا جواب دیا اور دوستانہ مشورہ دیا کہ آپ اس موقع پر جس طرح بھی ہوشیاری کے ساتھ مطالبات پورے کر دیجئے۔ حافظ الملک نے طوعاً و کرہاً اس مشورہ کو قبول کر لیا اور کرنل چیمپین سے شجاع الدولہ کے صاف و صریح الفاظ میں موجودہ مطالبات معلوم کرنے کی درخواست کی۔ سپر وار اپریل ۱۹۴۷ء کو کرنل مذکور کا مندرجہ ذیل خط موصول ہوا کہ۔

دو گزشتہ تین سال کے عرصہ میں روہیلہ قوم کی اعانت و امداد کرنے کی وجہ سے نواب وزیر کے دو کروڑ روپیہ صرف ہو گئے ہیں۔ ان کے یہ اخراجات آپ کے علم میں ہونگے اس لئے میں آپ کو ان کی دو کروڑ روپیہ کی موجودہ خواہش سے مطلع کرتا ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو صاف صاف لکھئے کہ آیا آپ یہ رقم ادا کر سکتے ہیں..... اگر آج آپ کا جواب نہ ملا تو کل میں فوج لے کر آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا،

چالیس لاکھ سے دو کروڑ روپیہ کا نامعقول اور غیر منصفانہ مطالبہ معلوم کرنے کے بعد حافظ الملک کو یقین ہو گیا کہ اب مصالحت کو شش بیکار ہے اور چونکہ اس وقت تک انگریزوں اور شجاع الدولہ کی فوجیں بھی حدود روہیلہ کھنڈ میں داخل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اس لئے جنگ کی تیاری شروع کر دی لیکن ساتھ ہی انھوں نے اس خیال سے کہ شاید کسی موقع پر شک والے چالیس لاکھ روپیہ ہی پر معاملہ کی گفت و شنید عود کر آئے کرنل چیمپین سے سلسلہ خط و کتابت منقطع نہ کیا۔ اور ایک خط میں لکھا کہ کل سہ پہر کو روہیلہ سرداروں کا آپس میں مشورہ ہو گا اس کے بعد آپ کو قطعی جواب دے دیا جائے گا۔

دوسرے روز حافظ الملک نے روہیلہ کھنڈ کے تمام چھوٹے بڑے امار اور سرداروں کو قلعہ بریل میں مشورہ کے لئے طلب کیا۔ وقت مقررہ پر جب فتح اللہ خاں وغیرہ پسرانِ دولت خاں

اور فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں اور دیگر روسائے افغانہ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ۔

”و شجاع الدولہ اپنے سامان جنگ۔ قواعد داں فوج اور انگریزوں کی اعانت کے بھروسے پر بہار الملک پھیننے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کی اس کے مقابلہ میں عمدہ برائی مشکل ہے۔ پس مناسب یہی ہے کہ روپیہ ادا کر دیا جائے۔ ورنہ انگریزی توپ خانہ کے سامنے سب آبر و خاک میں بٹ جائے گی۔ تمھارے اور تمھارے اہل خاندان کے سینوں سے دھویں کے بادل اٹھیں گے اور تم میدان جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گے۔ آبرو کے مردی جاتی رہے گی۔“

حافظ الملک کی اس تقریر کا بہ استثنائے معذرت چند حاضرین دربار روپیہ سرداروں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اس وقت تک قریب قریب تمام لوگ اپنی اپنی غیرت و حیثیت کو بالائے طاق رکھ کر شجاع الدولہ سے سازش کر چکے تھے اور حافظ الملک کے درپے تخریب تھے۔ ان محسن کشوں نے اپنے اپنے حصہ کے اُس روپیہ کے دینے سے بھی انکار کر دیا جس کے حافظ الملک ان کی جانب سے ضامن بنے تھے۔ اور تنگ دستی کا عذر لنگ پیش کر کے فائشی غرور و شجاعت کا اظہار کر کے لڑائی کی ترغیب دینے لگے۔ حافظ الملک ان لوگوں کے طرز عمل سے سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور اپنے دلیں سمجھ گئے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے، موت سے روگردانی ناممکن ہے۔ راضی بہ رضائے الہی ہو کر جام شہادت نوش کرنے کے لئے جس کی ہمیشہ سے انھیں تمنا و آرزو تھی تیار ہو گئے۔ اور بریلی سے براۓ جنگ دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنے کا اعلان فرما دیا۔

دیوان پہاڑ سنگھ کی ہمدردی [حافظ الملک کا یہ اعلان سن کر روہیل کھنڈ کے دیوان راؤ پہاڑ سنگھ سے زیادہ مضطرب نہ ہو سکا اور جزیرہ وفاداری میں بہوست ہو کر اس نے انتہائی اخلاقی جرأت کے ساتھ

سہر مجلس عرض کیا کہ

”اہل کٹھیر کی ناہمواری حضور پر روشن ہے اور بغیر سرداران سپاہ سپاہ کا لڑنا امر دشوار۔ صلاح دولت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کرنل چیمپین کے حسب خواہش صلح پر رضا مندی کی جائے اور بندہ کو حکم فرمایا جائے کہ زبردست معاملہ جہاں کہیں سے ہو سکے ہم پہنچا کر جنرل صاحب کے پاس روانہ کر دوں گے۔“

حافظ الملک اب بھی ابھی اپنے سرداروں۔ رشتہ داروں اور خانہ پروردوں کی کوئی بھی وفائی کا اپنے قلب پر گہرا زخم کھا چکے تھے اور اس دنیائے دلوں سے دل برداشتہ ہو کر اپنی شہادت کے خواہاں ہو گئے تھے فرمانے لگے کہ۔

”اگر میرے پاس کافی روپیہ ہوتا تو میں بھیج دیتا۔ اور لوگوں سے اب روپیہ طلب کرنا۔ زبردستی وصول کرنا یا شجاع الدولہ سے اس معاملہ میں خوش آمد کرنا اپنے شایان شان نہیں سمجھتا۔ مگر خدا اسی تھنہ کو میری شہادت کا سبب بنا دے جس کی میرے دل میں آرزو ہے۔ اپنے ملک کی حفاظت میں ایسی عزت کی موت مجھے پھر کب میسر آئے گی۔“

دیوان صاحب نے مکر عرض کیا کہ۔

”اتنے روپیہ کے سرانجام کے واسطے نہ دوسرے لوگوں سے طلب کرنے کی ضرورت ہے اور نہ شجاع الدولہ کی خوش آمد کی حاجت۔ میں رائے بنو خد سے طلب کر کے حضور میں پیش کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ساہوکاروں سے قرض لے کر حسب وعدہ ادا کر دوں گا۔“

حافظ الملک نے دیوان پہاڑ سنگھ کے اس مرقعہ سے خوش ہونے کے بجائے ناراضی کا اظہار کیا

جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے رفقاء اور سرداروں کی نئے وفائی سے اس قدر دل تنگ ہو گئے تھے کہ اب اُن کو سوائے شہادت کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آتا تھا آپ نے دیوان پہاڑ سنگہ سے ارشاد فرمایا کہ -

”اگر شجاع الدولہ کی زرعہ معاملہ کے متعلق چہری رسید منگو لینا تمھارے لئے ممکن ہے تو میرے بقائے دوام کا نوشتہ بھی خدا کے یہاں سے منگوادو کہ اس پر مطمئن ہو کر طالبِ شہادت نہ بنوں“

یہ جواب سُن کر دیوان پہاڑ سنگہ نے سکوت اختیار کیا۔ اور مزید اصرار کی جرأت نہ کی۔ حاضرینِ مجلس میں سے دو ایک اور مخلصین مثل مستقیم خاں وغیرہ نے دیوان پہاڑ سنگہ کی تائید میں لب کشتائی کرنی چاہی تو وہ بھی حافظ الملک کے جوابات عتاب آمیز و حسرت خیز سن کر مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اس قدر کارروائی کے بعد حافظ الملک تن بہ تقدیر لڑنے مرنے پر کمر بستہ ہو گئے اور اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ

”جس کو میری ہمراہی منظور ہو میرے ساتھ رہے اور جس کو منظور نہ ہو اختیار ہے کہ ساتھ چھوڑ کر چلا جائے۔ جھکو اعدا کی کثرت اور احتیاج کی قلت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اگر ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ ہو گا تو بھی میں شجاع الدولہ کے مقابلہ سے مُنہ نہ پھیر دوں گا۔“

ساتھ ہی حافظ الملک نے ایک اہم تاریخی خط شجاع الدولہ کو تحریر فرمایا جو فصاحت و بلاغت میں نے نظیر اور فنِ انشا پر وازی کا اعلیٰ ترین نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس مکتوب گرامی کا اصل فارسی متن حسب ذیل ہے -

”نواب صاحب مشفق مہربان قدر دان مخلصان سلسلہ اللہ تعالیٰ -

اگر صلاح دولت کیشاں بہ صلح ہمہ نگ است - بارک اللہ -

وگر بتیز و جنگ است بسم اللہ -

جواں مرداں نتابند از کسے روئے
ہیں میدان ہیں چوگاں ہی گوئے

(۳۳)

حافظ الملک کی میدانِ جنگ کو روانگی اور روہیل کھنڈ کے غریب لوگوں کی وفاداری

شجاع الدولہ پر تمام محبت کے بعد حافظ الملک اپنے صاحبزادوں - چند باوقاسرواروں اور قہوڑی سی سپاہ کے ہمراہ قلعہ بریلی سے باہر نکلے اور آئولہ کی طرف کوچ کیا۔ آئولہ پہنچ کر سب سے پہلے حافظ الملک نواب علی محمد خاں مرحوم کے مقبرہ میں تشریف لے گئے جہاں کچھ دیر فاتحہ خوانی وغیرہ میں مشغول رہ کر مقبرہ کے بالمقابل ایک میدان وسیع میں برآمد ہوئے یہاں اس وقت تک ہمراہ رکاب فوج کے علاوہ ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر اہلیان آئولہ بھی تعدادِ کثیر میں جمع ہو گئے تھے اس تمام مجمع کے سامنے حافظ الملک نے جہاد کا علم سبز بند کیا اور ایک پُر اثر تقریر کی جس کا یہ اثر ہوا کہ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اور جوش و خروش میں شہر رہ کر اپنے ولی نعمت کی حفاظت، جان و مال اور اپنے وطن عزیز کی آئندہی قائم و برقرار رکھنے کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ عوام پر اس جذبہ کا طاری ہونا قدرتی امر تھا۔ کیونکہ عموماً عوام الناس غدار و ملت فروش نہیں ہوتے۔ غدار ہی و ملت فروشی نتیجہ ہوتی ہے اور آدم کشی اور جاہ طلبی کا جو امر اور دولت مند طبقہ کے لئے ہمیشہ سے مخصوص رہی ہے۔ چنانچہ حافظ الملک نے آئولہ میں چند ہی روز قیام کیا تھا کہ سود فرخ آباد اور روہیل کھنڈ کے دوسرے شہروں کے قصبہ قصبہ اور گاؤں سے کیا نوکر اور کیا غیر نوکر۔ کیا چٹھان اور کیا سادات اپنے وطن کی عزت قائم رکھنے کی خاطر ہزاروں کی تعداد میں اپنے ”حافظ بادشاہ“ کے گرد جمع ہو گئے۔ اسی طرح بکثرت راجپوت زمیندار جو حافظ الملک کے زمانے میں آسائش و آرام کے ساتھ بسر و وقت کرتے تھے نیز ملائے جوت جوت فوج میں شامل ہو گئے۔ اس قسم کے لوگوں کی جمعیت لشکر میں

روز بروز زیادہ ہوتی گئی تو اس وقت خویش و بیگانہ کے طعن و تشنیع کے خوف سے اربابِ نفاق اور سازشی لوگ بھی اس خیال سے کہ مبادا حافظ الملک کو کامیابی ہو جائے اور پھر ان سے واسطہ پڑے۔ حافظ الملک کی جمعیت میں شامل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ جب یہ اطلاع ملی کہ شجاع الدولہ نے براہِ سہمی گھاٹ دریائے گنگا کو عبور کر لیا اور شاہ آباد کی طرف سے رہنما کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ حافظ الملک آئولہ سے موضع ٹانڈا پہنچ گئے تو وہاں محب اللہ خاں کی عرضی پہنچی کہ آج کل چندہ رجند نکالیفت کے سبب سے ہمارے ملازموں کی نخواستہ نہیں ملی ہے جس کے باعث تمام اہل سپاہ رفاقت سے علیحدہ ہو کر اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے ہیں اگر حضور سے کچھ خرچِ رحمت ہو جائے تو سپاہ کو تقسیم کر کے ہمراہ لے آؤں ورنہ میرے تنہا آنے سے کوئی فائدہ مترتب نہوگا۔ اگرچہ حافظ الملک کو یہ بات معلوم تھی کہ تنگ دستی کا عذر محض بہانہ ہے تاہم اپنی علوہتی سے چندہ ہزار روپیہ اس کے پاس روانہ کر دیا۔ دس ہزار روپیہ محمد بار خاں خلف نواب علی محمد خاں کو دیا اور اسی طرح اور بھی جس کسی نے اپنی حاضری میں تھی دستی کا عذر کیا اُسے اپنی مفلوک الحالی کے باوجود کچھ نہ کچھ ضرور عنایت کیا۔ ٹانڈا میں حافظ الملک کی فوج کی تعداد میں پچیس ہزار ہو گئی تو انھوں نے دریائے گنگا کو عبور کیا اور فرید پور میں داخل ہو گئے۔ ادھر شجاع الدولہ بہ ہمرہی کرنا چاہیں۔ ضابطہ خاں اور مظفر جنگ وغیرہ ایک لاکھ چندہ ہزار فوج کے ساتھ حدود شاہجہاں پور میں داخل ہوئے۔ شاہجہاں پور میں داخلہ کے وقت وہاں کا حاکم عبداللہ خاں حافظ الملک سے عزیز داری اور ان کے دیرینہ احسانات کو فراموش کر کے تین چار کوس سے استقبال کو آیا۔ شجاع الدولہ پر شاہجہاں پور کے پٹھانوں کا جو بیٹس ہزار مرد جنگی تھے بہت خوف طاری تھا اس لئے انھوں نے عبداللہ خاں کی حد درجہ بلوئی اور خاطر داری کی اور خلعتِ سرفرازی عنایت کر کے اپنے ہمراہ راہِ بری کے لئے لے لیا ایک رات اور ایک دن شاہجہاں پور میں ٹھہر کر شجاع الدولہ تلہ کو روانہ ہوئے۔

شجاع الدولہ کی شاہجہاں پور سے تلہ کو روانگی کی خبر پا کر حافظ الملک بھی فرید پور سے چلے گئے اور دریائے گنگا کو عبور کر کے کٹرہ میراں پور میں وارد ہوئے۔ اس مقام سے شجاع الدولہ

کی لشکر گاہ کا سات آٹھ کوس کا فاصلہ تھا اور دونوں لشکروں کے درمیان نہایت گھنے آموں کے باغ واقع تھے جن کے باعث ہر دو فریق اپنی اپنی جگہ جم کر سامان جنگ کے درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی حال میں دو تین روز گزارنے کے بعد شجاع الدولہ نے کرنل چیمپین کے مشورہ سے جو نقشہ جنگ تجویز کرنے میں یکجا نہ عصر تھا۔ پہلی بھیت کی طرف کوچ کا ارادہ کیا اور قریب ہی موضع موسلی میں ایک میدان وسیع وہواریں پہلی منزل کی۔ پہلی بھیت کی جانب شجاع الدولہ کے رُخ کرنے کی افواہ مشہور ہوئی تو حافظ الملک کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے جو پہلی بھیت میں تھے اپنی موجودہ جائے قیام کو جو توپوں کی زد سے بہت محفوظ تھی چھوڑنا پڑا اور موضع موسلی کے میدان ہواریں ۲۲۔ اپریل ۱۸۵۷ء بروز جمعہ ڈیرے والہ کے اور اس طرح سے دشمن کے پہلی بھیت کی طرف بڑھنے کا راستہ مسدود کر دیا۔

گل رحمت۔ تاریخ سلیمانی اور تاریخ اخبار حسن وغیرہ میں مذکور ہے کہ اسی روز ایک اہنبی درویش حافظ الملک کے خیمہ کے دروازے پر پہنچا اور حاضر خدمت ہونے کی اجازت حاصل کر کے عرض کیا کہ۔

”میرے پیروم شد اسی جگہ سکونت رکھتے ہیں انہوں نے مجھ کو آپ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ آپ کو یاد ہو گا کہ ہندوستان کو روانگی کے وقت میں نے علاقہ برہمپل کھنڈ کی حکومت کی خوش خبری آپ کو پہنچائی تھی جو کہ عمل میں آگئی۔ اب فتح یا شہادت ان دونوں میں سے آپ ایک امر کو قبول کر لیجئے تاکہ اُس کے واسطے درگاہ حق تعالیٰ میں دعا کی جائے کیونکہ یہ امر منہو خدا کے تعالیٰ کے حکم سے تضرع معلق کے طور پر ہو“

حافظ الملک نے درویش سے دریافت فرمایا کہ۔

”اگر میں فتح مانگوں تو اس کے بعد بھی مجھے شہادت نصیب ہوگی یا نہیں؟“

درویش نے جواب دیا۔

”نہیں“

اس پر حافظ الملک نے ٹھوڑے تال کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔

”اپنی اولاد کے معاملہ میں جن کو ابھی پست و بلند زمانہ کا تجربہ نہیں ہے غور کرتا تھا لیکن چونکہ حصول شہادت کے مرتبہ کو سب سے مقدم جانتا ہوں اس لئے اپنی اولاد کے معاملہ کو خدا کے سپرد کر کے اب شہادت کا خواہاں ہوں۔“

فقیر روشن ضمیر بنے کہا کہ۔

”اس طرف سے آپ خاطر جمع رکھیں آپ کی اولاد کو پڑھ سال سے زیادہ تعلیم نہ پہنچے گی اور آپ کا دشمن جس روز پہلی بھیت پہنچ کر دریائے دیوہا کے کنارے جنبہ انداز ہوگا اور سنبھل کا درخت اس کے خیمہ میں ہوگا اسی روز پیکرِ اہل اس سے ملاقات کریگا۔“

یہ باتیں کر کے درویش رخصت ہو گیا اور حافظ الملک اسی وقت سے اپنی شہادت کی دُھن میں پڑ گئے۔ اور سپاہ کے نظم و نسق اور تدارکِ جنگ کی پرواہ چھوڑ دی۔ آج جمعہ کا روز تھا حافظ الملک کے خادم خاص صالح محمد نے غسل اور تبدیل پوشاک کے واسطے عرض کیا تو فرمایا کہ ان شاء اللہ کو غسل اور تبدیل لباس دونوں ہو جائیں گے۔

صالح محمد نے اپنے آقا کے اس غیر معمولی رنگِ طبیعت کا حافظ الملک کے صاحبزادوں سے ذکر کیا تو وہ مع نواب فیض اللہ خاں مستقیم خاں اور عبدالجبار خاں وغیرہ حاضر خدمت ہوئے لیکن چہرہ اقدس پر غیر معمولی تاثیراتِ مشاہدہ کر کے اور رعب و جلال کے آثار ہویداد بکھیر دیافتِ حال کی جرأت نہ کر سکے اور بہت کچھ پس و پیش کے بعد یہ لوگ صرف اتنا عرض کر سکے کہ اگر حکم ہو تو مورچے ترتیب دیکر دو چار روز تک جنگ قراولی کرتے رہیں تاکہ اس عرصہ میں ہمارے لشکر کی تعداد زیادہ ہو جائے کیونکہ ہمارے پاس روزانہ دو تین ہزار تازہ سوار اور پیادے

طل و عرض روپل کھنڈ سے آرہے ہیں۔ حافظ الملک نے جواب دیا کہ چونکہ فریقِ ثانی کو جنگ میں عجلت منظور ہے۔ توقف و درنگ کرنا طریقہ نام و سنگ کے خلاف ہو گا فتح و شکست کا معاملہ فوج کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے جیسا خدا کو منظور ہو گا ظہور میں آویگا۔ مخلوق خدا کو زیادہ عرصہ تک و رطلہ ہلاکت میں ڈالنا مردانگی و دانش مندی سے بعید ہے۔

(۳۴)

کٹرہ میراں پور کی لڑائی - اور حافظ الملک کی شہادت

کٹرہ میراں پور کے باغوں میں سے نکل کر حافظ الملک کے میدان ہموار میں خیمہ افکن ہو جانے پر شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین نے جنگ میں زیادہ توقف کرنا خلافتِ مصلحت سمجھا کیونکہ ہر چہ ہر جانب سے بکثرت افغانوں اور راجپوتوں کے روزانہ آنے سے حافظ الملک کی طاقت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور اب ان کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ گیارہویں صفر بروز شنبہ ۱۲۳۳ھ مطابق ۲۳- اپریل ۱۸۱۷ء کو شجاع الدولہ نے علی الصباح طبلِ جنگ بجا دیا اور اپنی فوجوں کو آراستہ ہونے کا حکم دے دیا۔ سپیدہ صبح نمودار ہوتے ہوئے تمام لشکر صف بستہ ہو گیا۔ کرنل چیمپین کی انگریزی فوج جس میں توپ خانہ بھی شامل تھا بطور ہراول لشکر سب سے آگے منتھیں ہوئی۔ بسنت علی خواجہ سرا اور سید علی خاں بھی اٹھارہ ہزار بندوچی تلنگوں کے ساتھ اسی فوج میں شریک تھے۔ نوہزار برق اندازوں اور سات ہزار پیادوں کے ہمراہ محبوب علی اور لطافت علی خاں خواجہ سرا، مہمند اور میرہو پر مقرر ہوئے۔ خود شجاع الدولہ نے سواروں کے ایک بہت بڑے غول کے ساتھ ضابطہ خاں اور مظفر جنگ کی محبت میں لشکر گاہ سے دور فوج ہراول کے عقب میں اپنی جگہ اختیار کی۔ فوج کی ترتیب مکمل ہو گئی تو شجاع الدولہ نہایت تڑک واقتشام کے ساتھ حافظ الملک کے لشکر کی طرف بڑھے۔

اس طرف حافظ الملک نے تمام راستہ شب بیداری اور عبادت و ریاضت میں بسر کی تھی صبح کے وقت شجاع الدولہ کی جنگ کے ارادے سے روانگی کی خبر سنی تو بھی معمولی ورد و خط میں مشغول رہے اور اپنی فوج کو کوئی حکم صادر نہیں فرمایا حتیٰ کہ نمازِ اشراق سے بھی فراغت

حاصل کی اس کے بعد مصیبت سے اٹھ کر پالکی میں سوار ہوئے اور نواب فیض اللہ خاں کے قبضہ میں آئے اور ان سے فرمایا کہ۔

”میرا وقت آخر قریب آگیا ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جس وقت تک میں زندہ رہوں اُس وقت تک تو آپ لڑائی سے مُنہ نہ موڑیں لیکن میرے بعد جنگ کا قصد ہرگز نہ کریں۔ بلکہ اُسی وقت میدان جنگ سے واپس ہو کر میرے اُن فرزندوں کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ جانا چاہیں دامنِ کوہ کی طرف چلے جائیے کیونکہ آپ کے واسطے اس سے بہتر کوئی دامن نہیں ہے۔ اگر میرے کہنے کے مطابق آپ نے عمل کیا تو انشاء اللہ اس کا نتیجہ اچھا پائیے گا ورنہ اس کے برعکس ہوگا۔“

ان ارشادات کے بعد حافظ الملک نواب فیض اللہ خاں کے پاس سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور دس ہزار سواروں کو ہمراہ رکاب لیکر آہستہ آہستہ میدانِ جنگ کی سمت روانہ ہوئے بقیہ لشکر بھی بیکر کسی خاص ترتیب کے مین و یسار سے بسر کر دگی نواب فیض اللہ خاں۔ محمد مستقیم خاں۔ محب اللہ خاں اور احمد خاں وغیرہ غنیم کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔ تھوڑا سا میدان طے کیا تھا کہ شجاع الدولہ کا لشکر ہر اول دکھائی دیا اور چند ہی لمحے بعد حافظ الملک کے لشکر میں توپ کے گولوں کی بارش ہونے لگی۔ دشمن کی گولہ باری کے جواب میں اول محمد مستقیم خاں نے فوراً دو تین ہزار سواروں کو ساتھ لے کر جانبِ یسار سے انگریزی فوج پر ایک زور شور کا حملہ کیا اور آٹا قانین ہمراہی فوج کی کشتگی اور خستگی کی پرواہ کئے بغیر پہلے توپوں کی حد کو پار کیا پھر نبرد و قوں کی زد کو گزارا اور وہ اور اس کے ساتھی تلواریں نیام سے نکال کر انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ و فوراً لاوی سے اس قدر سخت شمشیر زنی کی کہ دشمن کے چھٹکے چھڑا دئے اور دست بدست لڑائی میں کشتوں کے پستے لگا کر مخالفت سے چند عدد توپیں چھین لیں۔ تاہم انگریزی فوج جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھی

اس ثابت قدمی سے لڑی کہ چٹھانوں کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ مستقیم خاں کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر عاجِ بجاز خم تھے پھر بھی تلوار قبضہ میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اُس کی یہ نئے جگری اور دلادری دیکھ کر دوسرے ہمدوروں کو بھی حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور نواب فیض اللہ خاں نے پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمیعت سے جانبِ یمن سے لشکرِ غنیم پر حملہ کر دیا۔ ان کے ہمراہی انتہائی دادرمانگی دے کر فوجِ مقابل سے بھر گئے اور دشمن کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اسی اثناء میں حافظ الملک بھی اپنے دس ہزار سواروں کو لے کر ہنگامہ کار زار میں شریک ہو گئے۔ اب سب طرفِ جنگ ہونے لگی۔ انگریزی فوج نے حافظ الملک کے دستہ فوج پر خاص طور سے نہایت سرگرمی کے ساتھ توپیں سر کرنا شروع کیں۔ جب حافظ الملک کے لشکر پر پی پی گولے گر رہے تھے اور افتخارِ نہایت پامردی کے ساتھ مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے تو احمد خاں غدار نے جنگ کے شباب پر آنے سے پہلے ہی ہٹا دیا اور اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے بھاگنا شروع کر دیا اس بھاگنے سے خاص حافظ الملک کے لشکر کی لوگ بھی اصل واقعہ کی تحقیق و تفتیش کئے بغیر اس کی پیروی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ چار پانچ سو سپاہیوں کے علاوہ حافظ الملک کے ہمراہ رکاب کوئی نہ رہا۔ اس صورتِ حال کے واقع ہونے پر لشکرِ غنیم زیادہ دیر نہ گیا۔ ایک طرف مستقیم خاں کے لشکر پر دوسری طرف فیض اللہ خاں کے لشکر پر اور قلبِ لشکر میں حافظ الملک پر اور زور باندھا اور پہلے سے بھی زیادہ گولہ باری شروع کر دی۔ گولہ باری کی نہایت کثرت ہوئی تو حافظ الملک کے باقی ماندہ سپاہی بھی منتشر ہونے لگے یہاں تک کہ اُن کے فرزندوں اور معرودے چند مخصوص لوگوں کے سوا کوئی ساتھ نہ رہا۔ ایسے نازک وقت میں محمد مستقیم خاں کا ایک فرستادہ ملک طلب کرنے کی غرض سے حضور میں پہنچا۔ حافظ الملک اسی قبلِ جماعت کے ساتھ اُس کی کمک پر روانہ ہو گئے۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ معلوم ہوا کہ مستقیم خاں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر اپنی قراگاہ سے پیچھے ہٹ آیا ہے مجبوراً دوبارہ انگریزی فوج کے مقابلے میں لوٹ آئے اور براہِ راست صرف پچاس آدمیوں سے غنیم پر حملہ کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو ہمیر کیا۔

جب بہت قریب پہنچ گئے تو انگریزی فوج کے سرداروں نے آفتاب گیر کی علامت سے انہیں بچانا اور ان کی طرف توپ کے گولے سر کرنا شروع کئے۔ اس وقت حافظ الملک اپنے ہمراہیوں سے آگے آگے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے اور گولے مرکب خاص کے ادھر ادھر گر رہے تھے جب ان کا ایک جلوہ دار گولے سے ہلاک ہو گیا تو اُس وقت اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کو اذان کہنے کا حکم دیا اور تلوار نیام میں کر کے اور گھوڑے کو روک کر اپنی توجہ اپنے معبودِ حقیقی کی طرف منطقت کر لی۔ دورانِ اذان میں ایک بار اپنی زبان مبارک سے کلمہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ ادا کرنا چاہتے تھے کہ توپ کا ایک گولہ حافظ الملک کے سینہ صفا گنجینہ پر بائیں جانب محاذِ قلب میں لگ کر تین چار گز کے فاصلے سے زمین پر جا گرا۔

مولف تنفیخِ الاخبار لکھتا ہے کہ راجہ بلاس رائے پسر راجہ مان رائے جو اس جگہ موجود تھا کہتا تھا کہ گولہ حافظ صاحب کے پہلو کے برابر سے گزرا تھا جس کا ایک نیلگوں داغ اُن کی جلد پر پڑ گیا۔ قیصر التوازیج میں لکھا ہے کہ یہ عجیب بات ہے جسے سب نے آنکھ سے دیکھا کہ اس وقت حافظ صاحب جامعہ ہندوستانی پرنسپل قرآن شریف پڑھ رہے تھے وہ جامعہ قرآن شریف کی برکت سے نہ جلا۔ چھاتی میں ایک سیاہ دھبہ گولے کی دھماکے کا ضرور لگ گیا تھا جس کے صدمہ سے حافظ صاحب گھوڑے سے گر پڑے۔ گلِ رحمت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ گولہ سینہ سے ٹکرا کر زمین پر جا گرا اور ایسی آواز ہوئی گویا کہ وہ گولہ کسی پہاڑ سے ٹکرایا ہے۔ جسم مبارک پر بخیر صدمہ قوی کے اور کوئی اثر نہ ہوا۔ سینہ میں نہ کوئی شکاف ہوا نہ کوئی ہڈی ٹوٹی نہ جلد میں سونگی کا کوئی اثر نمایاں ہوا نہ جسم گھوڑے سے زمین پر گر اصرارِ روح جسم کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس وقت صدمہ ناگمانی کی وجہ سے گھوڑے کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گھوڑا باگ ڈھیلی ہونے کے سبب سے شکرِ عظیم کی طرف دوڑا۔ حافظ الملک باوصف اس کے کہ جان جسم میں نہیں رہی تھی اسی گھوڑے پر قائم رہے۔ اور سر سے دستار گرتے ہوئے پا کر اس کو سنبھالنے کے لئے ہاتھ سر پر لے گئے۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے جلوہ داروں نے دوڑ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور

اس شہسوار عرصہ عدم کو دست بدست خانہ زمیں سے آثار کر زمین پر لٹا دیا اور منہ میں پانی ڈالا۔
دو ایک مرتبہ لبوں کی جنبش ظاہر ہوئی اور حسبِ تمنا جامِ خوشگوار شہادت نوش کیا۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حافظ الملک کے صاحبزادے محبت خاں - حافظ محمد یار خاں - محمد ویدار خاں -
الہ یار خاں اور غطت خاں جو اب تک معدودے چند ملازمین کے ہمراہ پروانہ وار اپنے
پدر و الا نشان کے گرد جمع تھے جوشِ انتقام میں لاش کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور گھوڑوں
پر سوار ہو کر چاہتے تھے کہ انگریزی فوج میں گھس پڑیں کہ ایک مصاحب نے اور فوجِ ہمراہ
لانے کے جیلہ سے ان لوگوں کو میدانِ جنگ سے باہر نکال لیا اور بہت کچھ منت و سماجت
کر کے انہیں پہلی بھیت کی طرف روانہ کر دیا۔

نواب فیض اللہ خاں اور دوسرے سردار جو اس وقت تک اپنی اپنی مقابل فوج
سے لڑائی میں مشغول تھے حافظ الملک کی شہادت کا حال سن کر جنگ و جدال سے دست بردار
اور بے ہزار دستواری اپنی اپنی جاگیروں کو روانہ ہو گئے۔ فوجِ غنیم نے مغربیوں کا
دور تک تعاقب کیا اور شجاع الدولہ نے اپنے سواروں کے ایک دستہ سے روہیلوں کا
کیسپ لٹوا کر روہیلوں کے تمام مال و اسباب کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

حافظ الملک کا سرِ بڑیدہ حافظ الملک کی لاش ابھی تک دوسرے مقتولین کے ساتھ کس مہر سی
کے عالم میں فرشِ خاک پر پڑی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک شخص سلطان خاں نامی کی اس پر نظر پڑی
چونکہ یہ شخص شجاع الدولہ کی ملازمت کرنے سے قبل حافظ الملک کی سرکاریں بھی نوکر رہ چکا تھا
اس لئے اس نے پہچان لیا اور سرِ مبارک کو جسم سے علیحدہ کر کے بڑی شیخیاں اور ڈینگیں مارتا
ہوا شجاع الدولہ کے پاس لے گیا گویا کہ میدانِ جنگ میں دست بدست لڑنے کے بعد
سر کاٹ کر لایا ہے۔ شجاع الدولہ کو اصل حال پہلے سے معلوم تھا تاہم تعرض نہ کیا۔ سر کو ہاتھ میں لے لیا
اور سلطان خاں کو ایک ہاتھی - دو سالہ اور زر نقد انعام میں عطا کیا۔ جس وقت حافظ الملک کا

سر شجاع الدولہ کے ہاتھ میں تھا تو اس وقت چہرہ انور گرد آلود تھا اور اس پر خون کی سیاہ دھاریاں کھینچی ہوئی تھیں۔ پھر بھی ایک قسم کی تسکین کے آثار نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ جنگ میں شجاع الدولہ کو نہیں بلکہ حافظ الملک کو کامیابی ہوئی تھی جس کی خوشی میں لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ کھلی ہوئی بڑی بڑی نورانی آنکھوں پر نظر پڑی تو ان میں رعب و جلال کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ ایک محسنِ محسنِ کش کو دیکھ رہا تھا۔ شجاع الدولہ کے ہاتھ کا پٹنے لگے۔ جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل و دماغ پر خوف و ہراس کے جذبات طاری ہو گئے۔ بے اختیار زبان سے نکلا کہ۔

”خدا شاہد ہے میں ایسا روز بد آپ کے لئے نہ چاہتا تھا۔“

میں اسی عالم میں شجاع الدولہ کے سالے۔ سالار جنگ نے حاضر خدمت ہو کر فتح کی مبارکباد پیش کی۔ مبارک باد! ان دو لفظوں میں کیا جادو تھا کہ پروازِ تخیل کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ روحانی شکست پر مادی کامیابی غالب آ گئی اور دل کی نرمی سختی سے تبدیل ہو گئی۔ اب جو حافظ الملک کے چہرہ کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ۔

”الحمد للہ۔ آج اس قوم کی بے انتہا گستاخیوں کا جو میرے باپ اور دوسرے

مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں خاطر خواہ بدلہ لے لیا۔“

سالار جنگ نے چاہا کہ حافظ الملک کی پیشانی کی خاک اپنے رومال سے صاف کر دے تو شجاع الدولہ نے منع کیا اور کہا کہ یہ خاک میری پیشانی کی زینت ہے۔ اس کے بعد براہِ تہنیت حکم دیا کہ یہ سرِ نواب صابطہ خاں اور نواب مظفر جنگ کے پاس مشنِ ساخت کے لئے لے جاؤ اور شاہِ مدن پر زادے کو بھی دکھاؤ۔

نواب صابطہ خاں نے دیکھ کر کہا کہ۔

”واقعی یہ سرِ حافظِ رحمت خاں کا ہے دوسرے کا نہیں۔“

اور نواب مظفر جنگ نے یہ کہا کہ۔

”اسی ریش فش پر جناب عالی سے لڑنے کو آمادہ ہوئے تھے۔“

مذکورہ نوابوں نے شجاع الدولہ کی خوشنودی مزاج کی خاطر پانچ پانچ سو روپیہ کا سلطان خاں کو انعام بھی دیا۔^{۱۵}

شیر کا سران دونوں رو بہاہ صفت نوابوں کے پاس سے سید شاہ مدن کے پاس لے جایا گیا۔ سید صاحب باجمیت اور اہل دل تھے حافظ الملک کا سر دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھرا لائے اور فرمانے لگے کہ۔

”ہاں یہ اُسی مسلمان کا سر ہے۔“

اور باواز بلند برجستہ یہ شعر پڑھا۔

سرِ کشتہ بر نیزہ میزد نفس ۛ کہ معراج مرداں ہیں است و بس
شہید مدن کی یہ دلیری اور است گوی شجاع الدولہ کو سخت ناگوار گذری اس وقت تو
بہ حال ضبط کیا۔ لیکن بسولی میں داخل ہونے کے بعد سید مصوف کا تقریباً ایک لاکھ روپیہ کا
تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور بے گناہ قید کر گئے ان پر اس قدر مظالم توڑے کہ بالآخر ان کا
قید خانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ شہید مدن کی اخلاقی جرأت اور حق پر توہی کا آج تک سرزمین
روہیل کھنڈ میں چرچا ہے اور ان سے نسبت دیتے ہوئے یہ شعر زباں زد خاص و عام ہے
کہ ۱۶

بڑھائی شیخ نے ڈالھی اگر چہ سن کی سی ۛ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی
شہید مدن کی نیک نامی کے ساتھ ہی ساتھ سلطان خاں مرد و دشمن عین کی طرح بدنام ہو چاہے
مندرجہ ذیل قطعہ بہت مشہور ہے۔

پہر کس کہ درجہاں کند از قوم خود بدی
ازوے بزرگ و ہرہہ اوصاف کمتر است
داری اگر بدل ہو سس امتحاں ہمیں
سلطان خاں بشمر حرامی برابر است

۸۰۱ ۸۰۱

حافظ الملک کی فی الجملہ شجاع الدولہ نے شام ہوتے ہوتے حافظ الملک کی لاش بے سر کو بھی ایک تجہیز و تکفین پالکی بھیکر میدان جنگ سے منگوالیا اور سر کو جسم سے سلوا کر عزیز خاں رسالدار کے ہمراہ راتوں رات بریلی کو روانہ کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے ہروریک شنبہ لاش بریلی پہنچی۔ شجاع الدولہ کی فتح اور حافظ الملک کی شہادت کی خبر اس سے قبل ہی پہنچ چکی تھی۔ شہر یغنیم کے حملہ کی افواہیں گرم ہو رہی تھیں اور اہل شہر اپنے اپنے اہل و عیال کو لے کر شدید انتشار و بدحواسی کے عالم میں جس کا جدھر کو منہ اٹھ رہا تھا بھاگ رہے تھے۔ حافظ الملک کی لاش پہنچی تو سب لوگ اپنی اپنی پریشانی اور ہر قسم کے خطرات کو فراموش کر کے اپنے محبوب و ہر و عزیز سردار کا آخری دیدار کرنے کے لئے اور نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے ٹھہر گئے۔

لاش قلعہ میں داخل ہوئی تو مغلذق کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ سارے شہر میں گھر گھر صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ مرد و زن ہر ناؤ پیز نالہ کناں تھے۔ آہ ایک وہ وقت تھا کہ حافظ الملک بڑے بڑے معرکوں سے بافتح و فیروزی نہایت کروفر اور جاہ و حشم کے ساتھ لوٹا کرتے تھے یا آج وہ وقت ہے کہ ان کی لاش بصد حسرت و یاس ناکام و نامراد شہر میں لائی گئی ہے۔

حافظ الملک کے عہد مبارک میں مخلوق کو جو خوشحالی و فارغ البالی نصیب تھی وہ آفتاب لب بام ہوئی تھی اور جو شہر ان کے قدوم میں منت لزوم کی برکت سے اپنی سرافرازی و بلندی میں نے نظیر تھا چرخ گردوں کی ایک ہی گردش سے تعزیرالت میں گرنے والا تھا۔ قریب سہ سو درمیان ظہر و عصر قاضی و مفتی۔ علماء و مشائخ۔ سادات اور فقرائے مراسم تجہیز و تکفین ادا کئے اور شہر کے جانب غرب بیرون شہر خان محمد خاں کے باغ میں سپرد خاک کر دیا اور وہ آفتاب عالم تاب ہر شہ سال اور چند ماہ اپنی تابانی و درخشانی دکھا کر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

سراپائے گیتی ہمہ عبرت است * پس پیش او حسرت و حیرت است
قبریں اُتارنے کے وقت تنگ گردن سے خون جاری رہا۔ اس واقعہ کو مجتہدین عصر اور علماء
وقت نے شہادتِ کبریٰ سے تعبیر کیا ہے۔

حافظ الملک کا مقبرہ حافظ الملک کی قبر پر ششہ ۱۱۰۰ء میں راؤ پہاڑ سنگھ نے مقبرہ کی تعمیر شروع
کر دی تھی لیکن اہل نے اتنی ہمت نہ دی کہ وہ تکمیل کر سکتے۔ تعمیر سے دس ماہ بعد جب اُن کا
انتقال ہو گیا تو حافظ الملک کے صاحبزادے نواب ذوالفقار خاں نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں
لیا اور ششہ ۱۱۰۰ء میں یہ عمارت مکمل ہو گئی۔ ششہ ۱۱۰۹ء میں لارڈ مائر کے حکم سے شہر پہا
پہلی بھیت کا ملبہ فروخت کر کے اُس کے روپیہ سے ایک گنبد عالی شان۔ بھول بھلیاں۔ مسجد۔
بلند و بالا چھانک اور مقبرہ کے گرد تقریباً پانچ ہزار گز کے رقبہ میں پختہ چار دیواری بنائی گئی۔
ششہ ۱۱۲۷ء میں زوجہ ملک احمد خاں بنت حافظ الملک نے مقبرہ اور عمارات متعلقہ کی مرمت
کرائی اور گنبد پر طلائی گلکس چڑھوایا۔ ہنگامہ ششہ ۱۱۵۰ء سے کچھ عرصہ قبل مسٹر تھامسن نے بھی مرمت

۱۱۵۰ء راؤ پہاڑ سنگھ قوم کے کھتری تھے اور ضلع ہوشیار پور تحصیل گڑھ دیوالا سے بریلی آئے تھے حافظ صاحب نے انھیں ۱۱۶۰ء کا
اضلاع پہلی بھیت۔ شاہجاں پور اور دراویں میں جاگیریں دے دی تھیں۔ تحصیل بیلپور ضلع دراویں میں موضع پہاڑ گنج انھیں کے
نام سے موسوم ہے۔ راؤ پہاڑ سنگھ کے ایک حقیقی بھائی چنپت رائے تھے اُن کو بھی حافظ الملک نے بکثرت دیہات
جاگیریں دے دی تھیں۔ اُن کا دان کیا ہوا ایک نہایت عریض و طویل باغ جو باغ چنپت رائے کے ملکانا ہے جانب غرب
بیرون شہر ملی آر۔ کے۔ آر لائن پر (علاوہ خاندانی احاطہ پھر پان) سادھوؤں کی ملکیت میں آج تک موجود ہے۔
راؤ پہاڑ سنگھ کی جو بی بی جو ”پہاڑ سنگھ کی گڑھی“ کہلاتی ہے محلہ گڑھی بریلی میں مسکنہ حالت میں باقی ہے اور اُن میں
اُن کے خاندان کے ایک قابل احترام فرد کنور پرتاب سنگھ بعض دوسرے متعین کے ساتھ رہتے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ
کے متاثر ہوئے تنگ دست اور پریشان حال ہیں۔ ان کا شجرہ راؤ پہاڑ سنگھ سے اس طرح ملتا ہے۔
کنہ پرتاب سنگھ ابن کنور جوالا پرشا و ابن راؤ بسنت رائے (یہ وہ چودھری بسنت رائے نہیں ہیں جو ششہ ۱۱۰۰ء
میں ایک دری والے کے ہاتھ سے مارے گئے) ابن راؤ بھجلی۔ ابن راؤ بے گوپال۔ ابن راؤ پہاڑ سنگھ۔
پرتاب سنگھ جی کے پاس اُن کے بزرگوں کے جمع کئے ہوئے دو صندوق فارسی کے قلمی کاغذات کے محفوظ ہیں۔
بعض بعض کاغذ فن الٹا پردازی کے بہترین نمونے ہیں۔ (مؤلف)

کرائی تھی لیکن بعد سکون جب انگریزی عمارتیں تعمیر قائم ہوئی خاندان حافظ الملک کی تباہی و بربادی کے باعث مقبرہ کو شکست و ریخت سے بچانے کی کوئی معقول تدبیر نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گنبد کے علاوہ مقبرہ کی تمام دوسری عمارتیں قریب قریب منہدم ہو چکی ہیں اور قرب و جوار کے رہنے والے کچھ بے درد لوگ ان کے اینٹ مسالہ سے اپنے مکانات تعمیر کر رہے ہیں۔

پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پہلی بھیت میں نواب انور علی خاں صاحب میونسپل کمشنر بریلی اور مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی نے خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ ایم۔ یل۔ سی کو اس بارے میں توجہ دلائی تھی اور موصوف کی کوشش سے گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ نے صرف گنبد کو اپنی نگرانی میں لے لیا ہے لیکن گنبد کی حالت بتا رہی ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ کی حفاظت میں آجانے کے باوجود بھی وہ بے مرتبی اور کس پرسی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کاش محکمہ مذکور کے ذمہ دار افسر اس جانب اپنی توجہ خاص منطقت فرمائیں اور نہ صرف گنبد بلکہ مقبرہ سے متعلق تمام دوسری عمارتوں کی بھی ضروری مرمت سرکار روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے حکمران اور اس سرزمین کے لاکھوں انسانوں کے ہر دغیر زیہرو حافظ الملک مرحوم کی اس آخری یادگار کو صفحہ ہستی سے فنا ہونے سے بچالیں۔

روہیل کھنڈ کی اس عظیم المشریت شخصیت کی ماوی یادگار کو اچھی حالت میں قائم رکھنے کی ذمہ داری تمام اہالیان روہیل کھنڈ اور دوسرے درجہ پر ساکنان بریلی اور ان کے بعد خصوصیت کے ساتھ حافظ الملک کے اہل خاندان پر عاید ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ سب ملکر اس طرف توجہ کریں اور مقبرہ کی عمارت اُسی حالت میں نظر آنے لگے جیسی آج سے ہتر تتر سال پیشتر نظر آتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اُس زمانے کے دیکھنے والے خال خال اب بھی موجود ہوں لیکن آج سے دس بیس سال پہلے تو بہت سے لوگ ایسے ملتے تھے جو اپنے چشم دید شاہد کی بنا پر یہ کہا کرتے تھے کہ اس مقبرہ کا منظر نہایت پر فضا اور بار و فن تھا۔ احاطہ کے اندر خوشنما روشیں اور سلیکیں نظر آتی تھیں۔ ہر سال مقبرہ اور مزار پر سپیدی ہوتی تھی۔ تاہم بیخ شہادت پر عرس ہوتا تھا۔ جس میں ہزار



مخلوق خدا جمیع ہوتی تھی۔ قل ہوتا تھا اور قوالی کے جلسوں میں مشائخ و فقرا کا جمع ہوتا تھا۔ یہ تو سالانہ ہجوم کا حال تھا۔ یوں بھی سال کے ۳۶۰ دن میں اس عمارت کے گنبد پر چھند نوبت مینزندہ کی مشل منطبق نہیں ہوتی تھی بلکہ قوم کے چھوٹے بچے اپنے دلکش لہجے میں کلام پاک پڑھتے تھے اور مدرسہ کی صورت میں حافظ الملک کا روحانی فیض اپنا کام کیا کرتا تھا۔

دُنیا کی مہذب اور تمدن قوموں نے اپنے اپنے قومی سوراں اور مشاہیر کی یادگار میں آج اُن کے مقبروں پر سالانہ میلوں کے انعقاد کو اپنا دستور العمل بنالیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ پہل کھنڈ بلکہ ہندوستان کی اٹھارویں صدی کے سب سے بڑے ہیرو کی اُس سالانہ یادگار کو جو ہمارے پیشرو منایا کرتے تھے پھر زندہ نہ کیا جائے۔

امید ہے کہ ان اور اق کے مطالعہ کا یہ نتیجہ ہوگا کہ کم سے کم لوگوں کے قلوب میں حافظ الملک کی یاد تازہ ہو جائے گی اور کوئی خدا کا بندہ اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے گا اور اُس کی کوشش سے تمام قوم پر سے نئے حسی اور عدم توہمی کا الزام دور ہو جائے گا۔

قطعات تاریخ و فتا

ہمارے اپنے زمانے میں بڑے لوگوں کی وفات پر جیسے جیسے ہنگامے برپا ہوتے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کرنا کچھ بیجا نہیں کہ حافظ الملک جیسی تاریخ ہند کی عظیم المرتبت شخصیت کی تہلکہ خیز شہادت پر کیسا کچھ اظہار رنج و غم نہ کیا گیا ہوگا چنانچہ اس رنج و غم کا کچھ حال تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی کا اظہار اس زمانہ کے بکثرت نامی و گرامی شعرا کے لائقہ و قطعات تاریخ و وفات سے ہوتا ہے جو کتابوں اور لوگوں کے حافظہ میں اب تک محفوظ ہیں۔ چند قطعات بطور مشتمل نمونہ از خروار سے درج ذیل ہیں۔

از نواب محبت خاں ابن حافظ الملک
اذا مات خان النصیر الکبیر سَلَمْنَا مِنَ اللّٰهِ تَارِیْخِہٖ
عَلٰی سَنَةِ الْمَصْطَفٰی عَالِیُّ فَقَدْ قَالَ "فِی جَنَّتِیْ دَاخِلٌ"
سَلَمْنَا

تاریخ پشتو لا اعلیٰ

آں حافظ جاں حافظ دین بعد شہادت چوں رفت سوئے غلہ بریں بہر تماشا
رضواں پئے تعظیم زجاہست وہی گفت در معنی تاریخ کہ "خانہ دل را شا"
سَلَمْنَا

"تاریخ فارسی لا اعلیٰ"

شہادت یافت نواب فلک قدر بضر بگولہ توپے علی الصدر
زبس در جنگ آں شیر زربہ دلاور بد سپر بنود سپینہ
خطابش حافظ الملک ست مشہو باکناف جہاں نزدیک وہم دور
قلم سالش بطر ز نور قسم کن دوا نگشت از چہار انگشت خم کن
سَلَمْنَا

دیگر لا اعلیٰ

چو از لفظ ظفر، تاریخ جُستند پئے باقی سحر حافظ بریدند

دیگر لا اعلیٰ

چو شد حافظ الملک راہی بہنت بشوق بہشت از جہاں کرد پدیدود
شدم طالب سال تاریخ فوٹش بگفتا خرد حافظ ہومن ہوا بود
سَلَمْنَا

از غلام محی الدین اویسی

رحمت رشت حافظ ملک و نصیر جنگ چوں کرد سوئے غلہ زوار الفنا سفر
روز شہادت وی و تاریخ ماہ و سال آں روز شنبہ یازدہم بود از صفر

تاریخ اردو لا علم

حافظ کہ جو رحمت میں وہ مستغرق ہے اس کے غمِ گ سے دل اپنا شق ہے
از بس کہ وہ حافظ کلام حق تھا تاریخ بھی حافظ کلام حق ہے
۴۸

(۳۵)

حافظ الملک کی شہادت کے بعد

روہیلوں کا استیصال

حافظ الملک کے شہید ہونے اور روہیلہ فوج کی پوری پوری شکست ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین نے تین روز تک میدان جنگ ہی میں قیام کر کے تیج پہل کھنڈر کا انتظام کیا اور اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے چاروں طرف روانہ کر دیے۔ سواروں کے ایک دستے نے بریلی پر قبضہ کر لیا اور باقی فوج دوسرے اضلاع - قصبات اور دیہات میں پھیل گئی۔ اس فوج نے شجاع الدولہ کے حکم سے سارے ملک میں ہل چل ڈال دی۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کا طوفان عظیم برپا کر دیا۔ ایک ہزار سے زائد گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دیے۔ ہزاروں مکانات اور سیکڑوں مشہور عمارتیں توڑ پھوڑ کر مسمار کر ڈالیں۔ اس موقع پر مشہور انگریز مورخ مسٹر نل لکھتا ہے کہ۔

”تمام ملک وزیر کے رحم و کرم پر تھا۔ فتحپوری کے حقوق کا اس سے پہلے شاید ہی کسی نے ایسا خشیا نہ استعمال کیا ہو۔ نہ صرف غونوارانہ غارت گری کا بد بخت باشندوں پر بازار گرم کیا گیا بلکہ جیسا کہ وزیر کا ارادہ تھا اور جس کا کہ بارہا انگلش گورنمنٹ سے اس نے اظہار بھی کر دیا تھا کہ وہ روہیلوں کا استیصال کر دے گا۔ اُس کے حکم سے ہر شخص جو روہیلہ کہلاتا تھا یا تو فوج کر دیا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا۔“

کرنل چیمپین ان مظالم کا مخالف تھا۔ لیکن شجاع الدولہ اور ہسٹنگز کے احکامات کے سامنے عاجز و لاچار تھا چنانچہ وہ اپنے تاثرات کو اس طرح قلمبند کرتا ہے کہ۔

”اس ملک کے سابق حکمرانوں اور ان کے اہل خاندان کے ساتھ جس بے رحمی اور ذلت

کا برتاؤ کیا گیا ہے وہ ان اطراف میں ہنھن جانتا ہے..... مجھ سے ایسی
عظیم المثال تباہی پر ترس کھائے بغیر نہ رہا گیا اور میں نے وزیر سے نرمی کرنے کی
بکثرت درخواستیں کیں۔ لیکن یہ درخواستیں ایسی ہی بے سود ہوئیں جس طرح
گانوؤں کو جلانے سے باز رکھنے کے میرے ہر ہر گھنٹہ کے مشورے بیکار ثابت ہوئے
تھے..... اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ رحمت خاں کی شکست کے بعد سے
اس وقت تک ایک لاکھ سے زیادہ باشندگان روہیل کھنڈ اپنے اپنے مکانات
کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔“

ترک وطن کرنے والوں میں بعض بڑے بڑے روہیلہ سردار اور نواب فیض اللہ خاں بھی تھے
جو اپنے اہل و عیال مال و دولت اور میدان جنگ کی ہزیمت خوردہ فوج کے ایک بہت
بڑے حصہ کو ساتھ لے کر حدود روہیل کھنڈ سے باہر ایک مقام مخو ظلال ڈانگ میں پونجی آباد
سے آٹھ کوس کے فاصلے پر گڑھوال کی ترائی میں گھنے جنگل میں واقع تھا۔ چلے گئے۔

شجاع الدولہ کا پہلی بھیت میں
داخلہ اور خاندان حافظ الملک
پر نظام

حافظ الملک کے صاحبزادے نواب محبت خاں وغیرہ
شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے ارادہ ہائے بد اور
دست دراز یوں سے مطلع ہونے کے باوجود میدان

جنگ سے واپس ہو کر بریلی و پہلی بھیت سے باہر نہ نکلے اور حافظ الملک کی وصیت کے
موافق دامن کوہ میں جانے کی بجائے حد درجہ نا فہمی اور نا تجربہ کاری کو کام میں لاکر شجاع الدولہ
سے راہ و رسم پیدا کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ سلاطین ملک گیر کا
شیوہ ہے کہ جب زیر دست اور بنیم لوگ ان کے پاس ملتی بنکر حاضر ہوتے ہیں تو اپنے مقصود
میں کامیاب ہوتے ہیں..... کیونکہ ملک گیری سے مقصود طلب اطاعت ہوا کرتا ہے

نہ زیر دستوں کو ملک سے خارج کرنا۔

چنانچہ اسی خام خیالی کی بنا پر یہ لوگ خاندانی عظمت و خود داری کو بالائے طاق رکھ کر اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینے کی بجائے اس کے حضور میں زبردست و یتیم بن کر انظار اطاعت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ نواب ذوالفقار خاں بریلی سے اور نواب محبت خاں پہلی بھیت سے شاہ ابو الفتح کی ہراہی میں شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے کو روانہ ہو گئے۔ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے ازخود بغیر بلائے شجاع الدولہ کے لشکر میں پہنچ گئے تو وہاں انکا آنا بہت غنیمت سمجھا گیا اور جب ایک دن اور ایک رات کے انتظار کے بعد ان کی شجاع الدولہ کے حضور میں پیشی ہوئی تو وہ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور باعزائم تمام معانقہ کے فرمایا کہ۔

میرا ارادہ جنگ کا ہرگز نہیں تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ شکل ظہور پذیر ہو۔ لیکن حافظ الملک کے مشیروں نے ہم دونوں میں صلح نہ ہونے دی چونکہ مرضی آئی اسی طور سے تھی مجبوری ہے آپ کچھ اندیشہ نہ کریں میں آپ کے ساتھ ایسا سلوک کر دنگا کہ آپ اپنے والد کی وفات کو فراموش کر دیں گے^{۱۵}۔

اپنے اس قول کی تائید میں شجاع الدولہ نے قسم سو کہ کھائی اور دونوں بھائیوں کے لئے خلعت منگائے اس پر محبت خاں نے عرض کیا کہ۔

اگر ہماری سرفرازی منظور ہے تو کل جبکہ آپکا دائرہ دولت پہلی بھیت میں داخل ہوگا تو وہاں پہنچ کر خلعت سرفرازی عطا فرمائیے تاکہ اس امر کو مشاہدہ کر کے خوش و بیگانوں کی پریشانی دور ہو۔

شجاع الدولہ نے بعد شکر یہ پہلی بھیت آنے کی دعوت قبول کی اور محبت خاں کو مکان جانے کی اجازت مرحمت کر کے کہا کہ۔

”اپنے تمام لواحقان و متوسلان اور اپنے والد مرحوم کے ملازمان و غیرہ کی تسلی و تسفی کیجئے
لیکن اس امر کا خیال رکھئے کہ کوئی شخص شہر چھوڑ کر کسی طرف کو جانے نہ پائے۔ میں پریوں
وہاں پہنچ کر آپ کو خلعت دوں گا۔“

محبت خاں کو رخصت کر کے اور نواب ذوالفقار خاں کو اپنے پاس ٹھہرا کر شجاع الدولہ نے اپنے
جیشی غلام شیدری بشیر کو جو پہلی بھیت کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھا تحریر کیا کہ۔
”محبت خاں حضور سے رخصت ہو کر پہلی بھیت کو جا رہا ہے۔ مکر و حیلہ کے ساتھ
اس کو اپنے پاس ٹھہرا کر صبح کو اپنے ہمراہ پہلی بھیت کو لے جانا۔ اور اپنی سپاہ کو
شہر سپاہ کے دروازوں پر تعین کر کے یہ انتظام کر دینا کہ کوئی شخص شہر سے باہر نہ جاسکے“

شیدری بشیر نے قبیل حکم کر کے ۲۶۔ اپریل ۱۷۷۷ء کو پہلی بھیت کا محاصرہ کر لیا۔ باشندگان
شہر میں سے جو لوگ اس محاصرہ سے قبل باہر نکل گئے تھے ان کا مال و متاع تو محفوظ رہا۔ لیکن جو
لوگ حافظ الملک کے صاحبزادوں کی نادانی کا شکار ہو کر ان کے بھروسے پر اب تک ٹھہرے
رہے تھے۔ سب کے سب گرفتار دام بلا ہو گئے۔ ۲۸۔ اپریل کو شجاع الدولہ اپنے لشکر کر نل
چیمپین و مسٹرڈ لٹن اور انگریزی فوج کے ہمراہ پہلی بھیت پہنچ گئے۔ اور دریائے دیوبا کے کنارے
خیمہ افکن ہو کر انھوں نے منادی کرادی کہ تمام سپاہی اپنے اپنے ہتھیار اور گھوڑے سرکاری
محصلوں کے حوالے کر کے خود شہر سے باہر چلے جائیں اور کوئی شخص زور و جواہر اور مال و متاع کو
پوشیدہ نہ کرے۔ حکم کے موافق باشندگان شہر نے مجبوراً اپنے آلات حرب اور مال و متاع کو
کارپردازان شجاع الدولہ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد باشندگان شہر میں سے بعض کو جو ضعیف
و بیمار تھے ان کے مکانات پر چھوڑ دیا۔ کثیر التعداد اشخاص کو جو خطرناک و سربراوردہ تھے قید کر لیا اور
بقیہ کو مع زن و فرزند مفلس و کنگال کر کے بہ یک بینی و دو گوشت شہر بدر کر دیا۔ جن لوگوں نے

تقیل حکم میں ذرا بھی چل وچلت کی انہیں نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر کے خاک و خون میں لٹا دیا۔ اہالیانِ شہر کی لوٹ مار اور قتل و غارت سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ نے محبت خاں کے پاس کھلا بھجاکہ اپنے والد کے خزانوں اور دفینوں کا پتہ بتلائیے۔ محبت خاں نے جنگی اکھڑ سے اب غفلت کے پردے اٹھ چکے تھے آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ۔

”بجز یاد پدہ ہمارے پاس کوئی دولت نہیں ہے۔ اگر خزانے اور دفینے ہوتے تو آج یہ نوبت نہ پہنچتی۔ اسباب اور عورتوں کے زیورات ضرور موجود ہیں جو آپ لے سکتے ہیں۔“

اس پر حکم پہنچا کہ۔

”ایک دور وز کے واسطے مجلس کو خالی کر کے مع متعلقین لشکر میں چلے آئیے اسباب اور زیورات کے زیورات جیسے کے تیسے وہیں چھڑ دیجئے۔ تاکہ خزانے اور دفینے وغیرہ تلاش کر لئے جائیں بعد تلاش آپ کو دوبارہ گوناگوں مراحم و عنایات کے ساتھ مجلس کو واپس کر دیا جائے گا۔“

اس حکم کے مطابق نواب محبت خاں اپنی والدہ محترمہ۔ بہنوں اور ان تمام بھائیوں اور دیگر متعلقین کو ہمراہ لے کر جو پہلی بھیت موجود تھی تن کے کپڑوں کے علاوہ ہر قسم کا سامان مکانوں میں چھوڑ کر مجلس سے باہر نکل آئے اور ایک فوجی ہاتھ میں لے کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے تو ان کو ایک ڈیرے میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور بسنت علی خاں خواجہ سمرانے اپنے دستہ فوج سے ان کے ڈیرے کو حراست میں لے لیا۔ اس حال میں تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسن رضا خاں نے محبت خاں کو شجاع الدولہ کا یہ پیغام پہنچایا کہ۔

”وزیر الممالک نے بعد دعا ارشاد فرمایا ہے کہ میں چاہتا تھا تم کو آج بلا کر خلعت سرفرازی عطا کروں لیکن گزشتہ رات سے ایک دو قبل نکل آیا ہے درو کی شدت کے باعث نہیں بلا سکتا ہوں جوں ہی دو ایک روز میں افاقہ ہوگا ایفادہ وعدہ کر دیا“

شجاع الدولہ کی علالت کا حال سن کر محبت خاں وغیرہ کو حقیر کی پیشین گوئی یاد آئی جو اس نے حافظ الممالک سے ان کی شہادت کے ایک روز قبل کی تھی۔ اور ایک شخص کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ شجاع الدولہ کے ڈیرے کے قریب سپہنہل کا درخت موجود ہے۔ اس وقت سے سب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شجاع الدولہ اس مرض سے جاں بربت ہو سکے گا اور فتح روپیل کھنڈ کی بہار نہ دیکھ سکے گا۔

روح آئی جو بدن میں تو قضا بھی آئی

جب یہ چونکھ ہوئی روشن تو ہو بھی آئی

خاندان حافظ الممالک کی گرفتاری کے بعد شجاع الدولہ کو ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی بھیت کی لوٹ میں بقول کرنل چیمپین کم از کم پچاس لاکھ روپیہ کے جواہرات۔ زیورات۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ اونٹ اور دوسری قیمتی چیزیں انبار در انبار ہاتھ لگیں جو سب کی سب شجاع الدولہ نے اپنے قبضہ میں کر لیں اور انگریزی فوج کو ان میں ہاتھ نہ لگانے دیا۔ کیونکہ ان کے حق الحنت کے چالیس لاکھ روپیہ پہلے ہی سرکارِ بکنی کو دئے جانا طے ہو چکے تھے۔ اس پر انگریزی فوج شجاع الدولہ کے سخت خلاف ہو گئی اور اس نے مطالبہ کیا کہ نصف مال غنیمت کے وہ مقدار ہیں۔ شجاع الدولہ نے اس مطالبہ کو پورا نہ کیا تو انگریزی فوج کے سپاہیوں نے ان کے کچھ افسروں کو لوٹ لیا۔ اس واقعہ سے صورت حال سخت نازک ہو گئی۔ اور انگریزی فوج کی عام بغاوت کے خوف سے شجاع الدولہ کو بدقت دس لاکھ روپیہ دیگر اپنی جان چھڑانی پڑی۔ اس قضیہ سے نجات پا کر اور پہلی بھیت میں اپنا کام ختم کر کے شجاع الدولہ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اور نواب دوندے خاں مرحوم کے دارالحکومت بسولی کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر

کے ہمراہ محبت خاں اور ان کے بھائیوں کے علاوہ حافظ الملک مرحوم کی اہلیہ محترمہ - نواب غنایت خاں مرحوم کی بہوہ اور دوسری بیگمات اور بچوں کو بھی شیدی نشیر نے کشاں کشاں سخت نے حرکتی اور رسوائی کے ساتھ پیدل اور بار برداری کے چھکڑوں پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ مئی کا مہینہ جو روہیل کھنڈ میں سخت گرمی اور دھوپ کا زمانہ ہوتا ہے شمرع ہو گیا تھا اور ان ناز پروردوں کو بیسیوں کوس چٹیل میدانوں میں اسی دھوپ اور لوہ میں پیدل یا چھکڑے پر تمام دن کا سفر کرایا جاتا تھا۔ تمام قیدی ایک دوسرے سے رسیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ جھموں پر میلے کپڑے نہایت کثیف اور بوسیدہ ہو گئے تھے۔ کئی کئی وقت بھوکے پیاسے رکھے جاتے اور کوئی نہ پوچھتا کہ تم نے کیا کھایا اور کیا پیا۔ اگر دوسروں کو کھانے پیتے دیکھ کر یہ لوگ خود کچھ مانگتے تو لشکر کے وحشی سپاہی ان پر تھپتھپے لگاتے اور جھڑک کر خاموش کر دیتے۔

کرنل چیمپین نے خاندان حافظ الملک کے قابل احترام افراد بالخصوص عورتوں اور بچوں کی ان درد انگیز تکالیف کو دور کرنے کی حتی الامکان بہت کوشش کی لیکن شجاع الدولہ نے اپنی سخت گیری میں کوئی کمی نہ کی۔ مجبوراً اس صورت حال سے کرنل موصوف نے ہیسٹنگز کو مطلع کیا اور لکھا کہ۔

”..... میں قلب صمیم سے یقین کرنے پر مجبور ہوں کہ بورڈ کو یہ گمان ہرگز نہ ہوا ہوگا کہ ان کے احکام کا ایسا برا انجام ہوگا جیسا کہ واقعہ ہوا۔ انھوں نے یہ پیش بینی بھی نہ کی ہوگی کہ ایک پوری قوم کا ایسا اچانک اور مکمل زوال و اخراج عمل میں آجائے گا۔ انھوں نے یہ خیال بھی نہ کیا ہوگا کہ انگریزی فوج سے امداد پانے والا ایک بڑا شخص ایک برٹش کمانڈر کے صلاح و مشورہ کی اس قدر کم وقعت کرے گا۔ اور نہ یہ تصور کرنے کا امکان تھا کہ ایک ایسا شخص جو خود بھی مصائب و آلام کا آبِ تلخ چکھ چکا ہو ان لامحدود ورنے مثل غنائتوں کو جو اس کے ساتھ کی گئی تھیں قطعی خاموش کر کے دوسروں کے ساتھ تھوڑی سی مہربانی کرنے سے بھی انکار کر دے گا..... میں کہہ سکتا

ہوں کہ گو ظلم و تعدی کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے تنہا ذواب ہی مجرم ہے لیکن پھر بھی تمام ایشیا والے جانتے ہیں کہ انگریزوں نے اسے یہ قوت دی ہے..... کیا ایسی صورت میں وہ یہ نتیجہ نہ نکالیں گے کہ ان کے ایجنٹ کے ہاتھوں جو مظالم ہو رہے ہیں وہ انہیں کی چشم پوشی کے باعث ہیں..... میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ حافظ الملک کے اہل و عیال کو شجاع الدولہ سے آزاد کرا دیا جائے بلکہ ذواب پر یہ اثر اندازی کی جائے کہ وہ ان کی خاندانی حیثیت کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرے۔ ان لوگوں نے خود یہ التجا کی تھی کہ ایک یا جس قدر لڑکے ذواب چاہے اپنی قید میں رکھے لیکن بیگم صاحبہ یا دوسری مستور است کی نے حتمی نہ کرے اور ان کو اپنے لشکر کے بد معاشوں کے ہنسی مذاق اور دوسری سخت ذلیل حرکتوں کا شکار نہ بنائے.....“

اسی طرح ایک اور خط میں لکھا کہ۔

”یہ گرفتاران بلا عاجز و لاچار ہو کر قوت لایموت خریدنے کے لئے مجھ سے اور میرے متعلقین سے بھیک مانگنے اور غیرات لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور تو اور پینے کے پانی کے لئے ان کا گڑ گڑانا اور ہر ایک کی یہ کوشش کہ پہلے اُسے دیا جائے..... نا قابل برداشت مناظر ہیں“

اپنے خطوط کے ساتھ کرنل چیمپین نے اسی زمانہ میں حافظ الملک مرحوم کی بیگم کا ایک خط بھی گورنر ہیسٹنگز کے پاس کلکتہ بھجوایا۔ جس میں مظلوم و مصیبت زدہ بیگم نے اپنی داستان غم اس طرح قلمبند کی تھی کہ۔

۱۔ رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۸ و ۲۹ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

۲۔ رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۸ و ۲۹ منقول از ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار۔

”..... حافظ رحمت خاں نے چالیس سال تک اس ملک پر حکومت کی اور ان کی بہادری سے جنگل کے درندے تاک کا پتہ نہ تھے۔ حکم آئی سے کون سرتابی کر سکتا ہے وہ شہید ہو گئے اور ان کے بچوں کے پاس کوئی رتی بھر چیز نہیں رہی ہے۔ یہی نہیں بکیرنگا کر کے انہیں خانہ بدر کیا گیا ہے۔ دھوپ اور چلتی ہوئی ریت کی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ تھوڑے سے چاولوں اور پانی کے لئے تڑپ رہے ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہائے میں اپنا حال کیا بیان کروں اور کیسے لکھوں۔ میری آہ سوزاں روشنائی کو خشک کئے دیتی ہے اور کاغذ کو جلانے ڈالتی ہے۔ کل میں ایک لاکھ آدمیوں کی ملکہ مٹی آج ایک پیالہ پانی کو ترستی ہوں۔ کل میں حکومت کرتی تھی آج بھیک مانگ رہی ہوں۔ اسے فلک کج رفتار توبے و فاسے۔ تو بلند کو پست اور پست کو بلند کرنا ہے۔ لیکن میں توبے خطا ہوں۔ اگر کوئی خطا مٹی تو حافظ کی مٹی۔“

یہ بچے کیوں ستائے جا رہے ہیں۔ باپ کی خطاؤں پر بچوں کو سزا۔ آہ۔ ایک جانور کی طرح چنڈا ڈالکر مجھے لیجا یا جا رہا ہے۔ نہ رات کو قیام میر ہے اور نہ دن کو سایہ نصیب ہوتا ہے جو ذرا تو آرام کر لوں۔ صرف آپ سے رحم و انصاف کی امید باقی ہے۔ میں ایک پرندے کی مانند مجوس نفس ہوں۔ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا کر مرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ پھری مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری حالت زار پر توجہ فرمائیں گے ورنہ میری مصیبتیں دوچند ہو جائیں گی۔ اب کاغذ ختم ہو گیا۔ میری اس تحریر کو معاف فرمائیے۔۔۔۔۔“

کرنل چیمپین کی در دا انگلیز اسپلوں اور بیگم حافظ الملک کی جگر خراش التجاؤں کا ہیٹنگر اور انگلش گنرٹ پر کیا اثر ہوا ذیل کے ایک جواب سے ظاہر ہو جائے گا۔

”..... آج کل ہمارا وزیر سے یہ معاملہ ہے کہ کمپنی کے لئے ایک رقم کے معاوضہ میں ہم نے ایک خاص کام کے لئے اُس سے پشت پناہی اور امداد کا عہد کیا ہے۔ جب وہ کام ختم ہو جائے گا تو مفتوحہ ملک۔ اُس کی دولت اور اُس کے باشندے وغیرہ محض وزیر کے رحم و کرم پر ہونگے۔ ہمیں اپنے معاہدے کی پابندی کرنی ہے اور ذیل دینے کا حق نہیں ہے۔“

اسی طرح مسٹر جان مارے نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب ان مظالم کو ہیٹنگر کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے بڑے اطمینان خاطر سے جواب دیا کہ مشرقی جنگ و جدال میں یہ معمولی باتیں ہیں۔

محاصرہ لال ڈانگ اور نواب فیض اللہ خاں سے صلح

کئی ہفتے مسلسل کوچ پر کوچ کرنے کے بعد انگریزوں اور شجاع الدولہ کا لشکر بریلی اور آنولہ ہوتا ہوا بسولی پہنچا اُنٹائے راہ میں اول الفکر مقامات پر بھی شجاع الدولہ نے پہلی بھیت کی طرح دل کھو کر قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا حتیٰ کہ اس قتل و غارت میں اُن غدار و کج بھی نہیں چھوڑا جنہوں نے حافظ الملک سے نکاح حرامی کی تھی۔ اور شجاع الدولہ سے اس کے صلے کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ جس وقت شجاع الدولہ بسولی میں داخل ہوئے فتح اللہ خاں اور محب اللہ خاں پسران نواب دونوں نے خاں مرحوم اپنے معاہدات سابقہ کے اعتقاد پر سرفرازی کے امیروار ہو کر اور اُس قرآن شریف کو جس پر اپنے مطالب لکھ کر ان لوگوں نے شجاع الدولہ کی تہنیت کرائی تھی بطور شفیع ہمارے کے حاضر خدمت ہوئے۔ شجاع الدولہ نے مطلق التفات نہ کیا اور دونوں بھائیوں اور اُن کے تمام متعلقین کو

قید کر کے اُن کا تمام نقد و جنس جو ساہا سال کا انہ و ختنہ تھا نہایت سختی کے ساتھ چھین کر ضبط کر لیا۔ اس لوٹ کھسوٹ سے فارغ ہونے کے بعد سیولی میں شجاع الدولہ کو خبر ملی کہ فیض اللہ خاں کے زیر قیادت لال ڈانگ میں افغانوں کا اجتماع روز بروز بڑھ رہا ہے اور چونکہ وہ دُنیل جبکی ابتدا پہلی بھیت سے ہو گئی تھی۔ دن بدن زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ اس لئے شجاع الدولہ نے جلد وطن واپس ہونے کے ارادے سے فیض اللہ خاں کے معاملے میں اب زیادہ توقف نہ کیا۔ اور اسی وقت حافظ المملک اور نواب دومندے خاں کے اہل خاندان زن و مرد وغیرہ وکلان کو دوسرے کثیر التعداد ممتاز اسیران روہیل کھنڈ کے ساتھ سالار جنگا کے ہمراہ الہ آباد کو وہاں کے قلعہ میں قید رکھے جانے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ قیدیوں کی طرف سے اپنا اطمینان کر کے شجاع الدولہ نے یہ عجلت تمام انگریزی لشکر کے ساتھ لال ڈانگ کی جانب کوچ کیا۔

لال ڈانگ میں اس وقت نواب فیض اللہ خاں کی سرداری میں افغانوں کی ایک بھاری جمیعت مجتمع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ بخشی سردار خاں کے بیٹے۔ فتح خاں خانداساں کی اولاد۔ محمد حسن خاں ابن ملا حسن خاں۔ عبدالجبار خاں ابن عبدالستار خاں سیف الدین خاں ابن پرہول خاں۔ ملا میر باز خاں اور محمد متقی خاں وغیرہ دوسرے بڑے بڑے رسالدار بھی موجود تھے جنہوں نے حافظ المملک کے کسی لڑکے کی وہاں عدم موجودگی کے باعث نواب فیض اللہ خاں کو جنھیں حافظ المملک نے شہادت کے روز اپنا وصی بھی بنایا تھا سردار تسلیم کر کے شجاع الدولہ کے مقابلہ میں مدافعت جنگ کی پوری پوری تیاری کر رکھی تھی۔ لال ڈانگ کا موقع بھی ایسا تھا کہ وہ چاروں طرف گھنے جنگل اور دشوار گزار پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور غنیم کا دہاں پہنچنا شدید مشکلات سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ جب شجاع الدولہ کا لشکر لال ڈانگ کے قریب پہنچا تو ۲۰ اکتوبر ۱۷۸۷ء تک چاند ماہ کا طویل زمانہ اس جنگل کے درخت کاٹنے میں لگ گیا۔ پھر بھی افغانوں کی جائے پناہ تک پہنچنے میں ابھی ایک سائیکل کا فاصلہ باقی تھا اور افغانوں کی سرکردہ فوج کا یہ عالم تھا کہ درخت کاٹنے

دالوں پر برابر حملے کرتے تھے اور ایک ایک درخت کے پتھے دس دس آدمی اپنی گردنیں کٹا دیتے تھے۔ افغانوں کے اس قدر سخت مقابلہ نے شجاع الدولہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ علاوہ بریں دُنبل کی تکلیف ہر قسم کے علاج کے باوجود دن بدن ناقابلِ برداشت ہوتی جاتی تھی۔ ادھر برسات شروع ہو گئی تھی جس کے باعث ان کے لشکر میں وبا پھیل رہی تھی۔ مرہٹوں کے حملے کی افواہیں گرم ہو رہی تھیں اور سب پر طرہ یہ کہ اپنے اور انگریزی فوج کے غیر معمولی اخراجات نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان سب باتوں نے ملکہ شجاع الدولہ کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دیا اور اب وہ دل تنگ ہو کر افغانوں سے آمادہ مصالحت ہو گئے۔

نواب فیض اللہ خاں اور محمد مستقیم خاں وغیرہ اکثر بڑے بڑے افغان سرداروں کو اضافی مناصب و جاگیرات کے وعدے لکھ کر بھیجے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کو شجاع الدولہ کی بے اعتباری حد سے سوا ہو گئی تھی۔ اس لئے کسی نے یقین نہ کیا اور محمد مستقیم خاں نے جواب دیا کہ۔
”پہلے حافظ الملک کے اہل خاندان کو قید سے رہائی دیکر سرفراز فرمایا جائے اس کے بعد ہم سب مطیع و منقاد ہیں۔ ورنہ جس وقت تک جسموں میں جان باقی ہے جنگ و جدال سے دست کش نہ ہونگے۔“

لیکن محمد مستقیم خاں کا سادو ٹوک جواب نواب فیض اللہ خاں نہ دے سکے کیونکہ ان کے پاس شجاع الدولہ کی جو تحریر آئی تھی اُس کی نوعیت دوسری تحریروں سے بالکل مختلف تھی اس میں لکھا تھا کہ۔

”اگر آپ فوراً میرے پاس حاضر ہوں تو آپ کی جاگیر قریبی میں کچھ اور اضافہ کر کے آپ کو عطا کیا جائیگا۔ نہیں تو میں محبت خاں کو الہ آباد سے بلا کر سرفراز کر دوں گا۔ اس وقت اس کے باپ کے جتنے رسالہ راجو بالفعل آپ سے متفق ہیں اس کے شریک ہو جائیگی اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔“

ساتھ ہی شجاع الدولہ نے ایک شفقہ الہ آباد کے قلعہ دار کے نامِ محبت خاں کو طلب کرنے کے بارے میں ارسال کر دیا اور قلعہ دار مذکور نے محبت خاں کو اپنے لوگوں کے ہمراہ لال ڈانگ کی طرف روانہ بھی کر دیا۔

اندریں حالات نواب فیض اللہ خاں نے یہی مصلحت دیکھی کہ پیش کشِ صلح کو منظور کریں۔ لیکن چونکہ وہ نہایت ذکی و فہیم تھے اس لئے انھوں نے پچھلے تجربات کی بنا پر اپنے معاملات میں شجاع الدولہ کے مواعید پر یقین کرنے اور ان سے کوئی معاملہ کرنے کی بجائے کرنل چیمپین کو جدید شرائط کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ۔

”اگر تمھکو پورے روہیل کھنڈ پر قبضہ دلا دیا جائے تو میں تین سال کے عرصہ میں سرکار کمپنی کو اتنی لاکھ روپیہ دوں گا۔ اور اگر یہ رقم وزیر ہی کو دینا پسند کی جائے تو میں روپیہ ادا ہو جانے کے وقت تک اپنے لڑکے کو انگریزوں کے ہاتھ میں کفالت میں دوں گا تاکہ انگریز وزیر کی دیانت داری کی ضمانت کر سکیں۔ یا بصورت دیگر تیس لاکھ روپیہ سالانہ میں وزیر کو اور پچیس لاکھ کمپنی کو اس شرط پر دوں گا کہ وہ مجھے میرے ملک پر قبضہ دلا دیں اور صلح نامہ کی پابندی کی ضمانت کر لیں۔“

علاوہ بریں نواب فیض اللہ خاں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ہزار ہزار فوج سے ہمہ وقت انگریزوں اور شجاع الدولہ کی امداد کے لئے تیار رہیں گے۔

نواب فیض اللہ خاں کی مندرجہ بالا تجاویز کو کرنل چیمپین نے بہت پسند کیا اور نواب شجاع الدولہ اور گورنر ہیسٹنگز سے ان کو منظور کرنے کی پُر زور سفارش کی۔ لیکن آخر الذکر حضرات نے ان کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ فیض اللہ خاں کو پورا روہیل کھنڈ والڈ شت کر دینے سے روہیلہ جیسی بہادر و جری قوم کے مکمل استیصال کا مقصد حاصل نہ ہوتا تھا۔ بالآخر کافی

گفت و شنید اور وکلاءِ طرفین کی بہت کچھ آمد و رفت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے کرنل چیمپین کی وساطت سے شجاع الدولہ سے خود ملاقات کرنے کا ارادہ کیا۔ جس وقت نواب فیض اللہ خاں انگریزی کیمپ کو روانہ ہونے لگے تو محمد مستقیم خاں بھی ان کے ہمراہ جانے پر مستعد ہو گیا۔ لیکن نواب فیض اللہ خاں نے اس کو ساتھ لے جانا پند نہ کیا اور کہا کہ۔

”آپ کو شجاع الدولہ کے سو مزاج کا حال خوب معلوم ہے کہ غداری کرنے میں کوئی ہلکا نہیں کرتا۔ اس لئے میرا آپ کا شکریہ رہنا ضروری ہے تاکہ کوئی امر خلاف امید واقع نہ ہو۔ چونکہ میں بضرورت جا رہا ہوں آپ کو شکریہ میں ٹھہرنا چاہئے تاکہ شکریہ دلجی رہے۔“

محمد مستقیم خاں نے جواب دیا کہ۔

”میں حافظ المملک کے خاندان کی رہائی اور ان کے واسطے جاگیرات کے تقرر کے واسطے جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ بچہ وعدہ کریں کہ ان لوگوں کے معاملات کی درستگی کے بغیر صلح نہ کریں گے تو البتہ شکریہ میرا رہنا مناسب ہے۔“

اس پر نواب فیض اللہ خاں نے قسم کھا کر وعدہ کیا اور مستقیم خاں کا اطمینان خاطر کر کے چند مصاحبین خاص کی معیت میں کرنل چیمپین سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ احتیاطاً محمد مستقیم خاں نے اپنے ایک معتد کو بھی نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ کر دیا۔ جس کو ہمراہ لے کر پہلے وہ کرنل چیمپین سے ملے اس کے بعد تنہا کرنل چیمپین کے ساتھ شجاع الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شجاع الدولہ نے نواب فیض اللہ خاں سے نہایت گرم جوشی سے ملاقات کی اور ان کے تشریف لانے کو بہت غنیمت خیال کیا کیونکہ دُنبیل کی تکلف نے ان کو جان بلب کر دیا تھا اور شدتِ ورد سے بھلی کی طرح تڑپ رہے تھے۔ کچھ دیر رسمی باتوں کے بعد گفتگوئے مصالحت شروع ہوئی اور پچیس لاکھ روپیہ سالانہ

۲ مدنی کا علاقہ ٹراپور نواب فیض اللہ خاں کو دیا جانا قرار پا گیا۔ فوج کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ پانچ ہزار سے زائد سپاہی نواب فیض اللہ خاں ملازم نہ رکھ سکیں گے اور بوقت ضرورت تین ہزار آدمیوں تک سے شجاع الدولہ کی امداد کرنی ہوگی۔ باقی سپاہیوں کو جن کی تعداد اس وقت بیس ہزار سے متجاوز تھی ملک سے لنگا پار نکال دینا طے ہوا۔ ان مراعات کے بدلے میں نواب فیض اللہ خاں نے پندرہ لاکھ روپیہ نقد بھی شجاع الدولہ کو دینا منظور کیا۔
شرائط معاہدہ کی تکمیل کے بعد کرنل چیمپین نے نواب صاحب کو یاد دلایا کہ۔

”حافظ الملک کی اولاد کے متعلق بھی تصفیہ کر دیجئے تاکہ اس کے بعد عہد نامہ لکھا جائے“

نواب فیض اللہ خاں نے جواب دیا کہ۔

”ان کے معاملہ میں وزیر الملک خود جیسا مناسب سمجھیں گے عمل کریں گے میں کیا کہوں“

یہ جواب سن کر کرنل چیمپین تو خاموش ہو گیا مگر شجاع الدولہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے فوراً عہد نامہ پر اپنی مہر کے اور کرنل چیمپین کی تصدیق کر کے نواب صاحب کے حوالے کر دیا۔ اور اس طرح ۷۔ اکتوبر ۱۷۸۷ء کو شمالی ہند کی مشہور اسلامی ریاست ٹراپور معرض وجود میں آگئی۔ عہد نامہ لے کر نواب فیض اللہ خاں لال ڈانگ کو واپس آئے اور محمد مستقیم خاں سے فرمایا کہ۔

”بالفعل شجاع الدولہ حافظ الملک کی اولاد کی رہائی وغیرہ پر راضی نہیں ہوئے اور

میں نے یہ مناسب نہ جانا کہ اپنے معاملہ کو تعویق میں ڈالوں لہذا میں نے صلح

کر لی“

صلح کے اس واقعہ کے بعد ہی شجاع الدولہ نے دامن کوہ سے کرنل چیمپین کے ساتھ فیض آباد کی طرف کوچ کیا اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۷۸۷ء کو نواب فیض اللہ خاں بھی حسب معاہدہ صرف پانچ ہزار روپیہ

ملے مذکورہ علاقہ میں دفناً دفن کیا تاہم خیر مزید اضافہ بھی ہونا رہا ہی اور ریاست ٹراپور کی موجودہ سالانہ آمدنی ایک کروڑ روپیہ کے

قریب بتائی جاتی ہے ۱۷۸۷ء ہسٹنگز اینڈ دی روہیلا دار ۱۷۸۷ء گل جہت ۱۷۸۷ء گل جہت

کو اپنے ہمراہ لے کر راجپور کو روانہ ہو گئے۔ باقی بیس ہزار سے زائد روہیلہ سپاہی اور اُن کے سردار بھیڑ بکریوں کی طرح حدودِ روہیلہ کھنڈر سے باہر ناک دئے گئے جو طول و عرض ہندوستان میں مدتوں خانماں برباد مارے مارے پھرتے رہے۔ اکثر نے کچھ عرصے کے بعد اپنے ہم قوم ضابطہ خاں کے ملک میں داخل ہو کر خانِ مذکور اور اُس کے بیٹے و عہد القادر روہیلہ کی ملازمت اختیار کر لی اور بعض نواحِ ٹونک و بھوپال میں جا کر بس گئے۔

دورانِ واپسی میں جس وقت شجاع الدولہ سنہل پہنچے نوابِ محبت خاں ابنِ حافظ الملک جو اُن کے حسبِ الطلب قلعہ الہ آباد سے لائے جا رہے تھے ان کو ملے۔ شجاع الدولہ نے محبت خاں کو اپنے ساتھ لے لیا اور اثنائِ راہ میں چند مرتبہ حضور میں طلب کر کے تسلی و دلاسا دیا اور وعدہ کیا کہ فیض آباد پہنچ کر ان کے بارے میں جو کچھ تجویز کی گئی ہے عمل میں آئے گی۔ جب فیض آباد پہنچ گئے تو مرض کی شدت کا ذکر درمیان میں لا کر ایفائے وعدہ سے معذوری ظاہر کی۔ صرف ان کی ذات کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہوار مقرر کر کے اجازت دی کہ خاص اپنے مشفقین کو الہ آباد سے طلب کر لیں اور جب وہ لوگ آجائیں گے تو ایک ہزار سو اکر سالہ عنایت کیا جائے گا۔ نوابِ محبت خاں کی غیرت نے یہ تقاضا نہ کیا کہ ان کی والدہ ہمنیں۔ بھائی اور دوسرے عزیز و اقارب تو قید میں رہیں اور محض اُن کے بیوی بچوں کو رہائی مل جائے اس لئے اس امر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تنہا اپنے بھائی نواب ذوالفقار خاں کے ساتھ جو ابتدا سے شجاع الدولہ کے لشکر میں نظر بند تھے رہنے لگے۔

۱۷۰۹ء وہی عہد القادر روہیلہ ہے جس نے شاہِ عالم بادشاہ کی آنکھیں نکال لی تھیں اور جس کی اس مذہبِ حرکت کی بنا پر تمام روہیلہ قوم کو نادر افغان لوگ غلطی سے ظالم و جاہل خیال کرتے ہیں۔

(۳۶)

شجاع الدولہ کی ایک خواب پریشان

اوروفات

اس دوران میں شجاع الدولہ کے مرض نے غیر معمولی ترقی کی۔ یہاں تک کہ ہلاکت کی نوبت آگئی۔ جب صحت یابی کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو انہیں ایام میں ایک روز انکی والدہ گریہ و زاری کرتی ہوئی سرہانے آئیں اور فرمایا کہ۔

”اے لحنت جگر اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ تم اپنی صحت کی نیت سے پٹھانوں کے خاندان کو چھوڑ دو اور ان کی مدد معاش کے لئے وظیفے اور کفالت مقرر کرو تا کہ بیوہ عورتیں اور چھوٹے بچے جو رات دن آہ و نالہ کرتے ہیں اور شام سحر تھکاتے ہیں درگاہ رب العزت میں بددعا کرتے ہیں اپنی بددعا کا سلسلہ موقوف کر دیں۔“

بئرس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کروں

اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

شجاع الدولہ نے دل پر درد سے ایک آہ سر دیکھ کر جواب دیا کہ۔

”قابلِ افغانہ کے فید رکھنے میں بڑی مصلحت ہے اس سے فساد عظیم رکا ہوا ہو اگر

یہ لوگ چھوڑ دئے جائیں تو فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ جھکوا اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں

اگر میں اس وقت پٹھانوں کو چھوڑ دوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ شخص موت سے ڈر کر عاجزی

کرنے لگا اور یہ بات شجاعت و حمیت سے بعید جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مرض میرے مرنے کا جہانہ ہے۔ اس لئے کہ کل رات میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک صحرائے لقی و دق میں میرا پاؤں کچھڑ میں پھنس گیا ہے۔ میں نے بہت زور لگایا اور کوشش کی کہ کل جاؤں لیکن نہ کل سکا اور نہ اس وقت کوئی مددگار پایا..... وہ واقعہ کے خوف و ہول سے میری آنکھ کھل گئی..... اب میرا اس جہان فانی سے سفر ہے۔“

اپنی والدہ سے خواب بیان کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے دوسرے معتد لوگوں کو جو اس وقت حاضر خدمت تھے وصیت کی کہ میرے بعد میرے بیٹے آصف الدولہ کو سند نشین کیا جائے اور انگریزوں سے جو برتاؤ میں کرتا تھا وہی میرے بعد کیا جائے۔ فوج کی کثرت پر مغرور ہو کر اُن سے مخالفت نہ کی جائے۔ لیکن اُن کو اپنے ملک و مال میں دخل بھی نہ دیا جائے کیونکہ انکا قدم جم جانے کے بعد اکھڑنا سخت دشوار ہے۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری وصیتیں کرتے کرتے روز پنجشنبہ چار گھڑی رات باقی رہے ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۸۶۸ء کو بصرہ ۴۴ سال وفات پائی۔ ۲۳-۲۴ برس کی عمر میں سند نشین ہوئے اور ۲۱ سال حکومت کی۔

مولف سیر المتاخرین شجاع الدولہ کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

”شجاع الدولہ۔ نوجوان و آرزو مند دنیا سے گزرے جس قدر انھوں نے اقتدار پایا تھا اُس سے بجز بی ارمان نہ نکلا اور حسرت و یاس لے کر دنیا سے چلے گئے۔ اگرچہ اوصاف حمیدہ بھی اُن کی ذات میں تھے لیکن بعض باتیں ایسی بھی اُن سے سرزد ہوئیں کہ جن کی پاداش میں حق تعالیٰ نے عین جوانی میں دولت و ثمت سے لذت اٹھانے کی

تمہلک نہ دی اور ہزاراں ہزار افسوس کے ساتھ رہ کر اُسے ملک عدم ہوئے۔
میر قاسم علیجاہ کے ساتھ بدر عہدی کی گوجان مذکور اس کا سزاوار تھا۔ لیکن شجاع الدولہ کو
یہ لازم نہ تھا کہ جو کوئی پناہ میں آئے اور جس کے ساتھ کلام الہی انبیا اور ائمہ طاہرین
کی قسموں کا واسطہ کر کے عہد و پیمان کیا جائے اُسی کے ساتھ بدر عہدی کر کے ذمہ داری
کرے اور لوٹ مار کر کے ایسے امیر با تو قیر کو تنگ دھڑنگ نکال دے۔

اپنے مالک محروسہ کے وظیفہ خواروں سے ایسے بدگمان ہوئے کہ اس جماعت کو
جولاہوں سے زیادہ بھی ایک قلم روزینہ اور وجہ معاش سے محروم کر دیا۔ انکی آراء و
اور دیہات کو ضبط کر لیا جس کے نتیجہ میں خلق اللہ ایسی تنگ ہوئی کہ بعض نے تو
غیرت کے مارے اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے شرم سے منہ نہ دکھایا
اور جان دیدی اور بعض نے کاسہ گدائی ہاتھ میں لے کر در بدر بھیک مانگنی شروع
کر دی۔ ممکن ہے دس بیس لے کوئی خطا کی ہوگی پس مناسب یہ تھا کہ صرف مجرمین
کو سزا دی جاتی اور اس سے بھی بہتر یہ تھا کہ ان سے بھی انعام فرمایا جاتا جیسا کہ حق تعالیٰ
کسی نیک و بد کی روزی کبھی بند نہیں فرماتا۔

عموماً اپنے خاص آدمیوں اور ماتحتوں کے تنگ و ناموس کا پاس و لحاظ بہت کم کرتے
تھے اور نہ ان کی عرض و معروض پر توجہ کرتے تھے۔

اپنے مکانات کے بنوانے میں کسی محل اور بھونڈے کی پرواہ نہ کرتے تھے اکثر لوگوں کے
مکانات مع مال و اسباب بیلداروں کے ہاتھ سے گھد واڈالے اور اپنی عمارات
خاطر خواہ بنوائیں اس ظلم و بے داد کی بجز خدا کے اور کون سزا دے سکتا تھا؟

۱۰ میر قاسم کی سزاواری غلط ہے۔ دیکھو راز آف دی کریمین پاور ان انڈیا۔

۱۱ یہ لٹنا خیرین۔

اسی طرح مولف تاریخِ اودھ لکھتے ہیں۔

”روہیلوں کو نہایت قساوت اور بے رحمی کے ساتھ ہمال کر دیا۔ ہزاروں امراء، علماء، فضلا، مشائخ اور گوشہ نشینوں کی جاگیریں اور ملکیں ضبط کر کے نان شبینہ کو محتاج کر دیا اور ان میں سے ہزاروں کو نہایت مصائب کے ساتھ قید کیا۔ ان کی عبادت گاہوں کو خراب و برباد کر دیا۔ ان کی عورتوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملایا۔ ان کے گاؤں میں آگ لگوا دی۔ بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کرایا۔ لاکھوں آدمیوں کو گھر سے بے گھر کر دیا اور ان کو قتل کر کے ان کی لاشیں چیل کوؤں کو کھلوائیں ان کے ساتھ اللہ و رسول کی قمیص کھائیں۔ بھجن اور قرآن کا درمیان میں واسطہ کیا اور پھر دھوکا دیا اور کسی وعدہ کا لحاظ نہ کیا۔ غرض کہ روہیلوں کے ساتھ شجاع الدولہ نے ایسی بیرحمی کی کہ ان بے کسوں کی مظلومی سے غیرت الکی جوش میں آکر شجاع الدولہ سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئی۔ اور جن لوگوں نے ان کے خون سے ہاتھ رنگے تھے انکے گھروں میں سے ایک لخت حکومت و ثروت مستاصل ہو گئی۔ نیز منتقم حقیقی نے مکافات میں ایسی سادات برتنی کہ شجاع الدولہ نے جو روہیلوں کی بیکس عورتوں پر زور مال کے لئے تشدد کیا تھا اس سے زیادہ تشدد و خدائوں کی بیوی اور ماں وغیرہ پر پانچ چھ ہی برس کے عرصہ میں ظہور میں آگیا۔“

دورانِ بقا چو باد صحرا بگدشت تلخی و خوشی و زشت و زیبایگدشت
پنداشت ستمگر کہ بجا بر ما کرد برگردن او بہاند و بر ما بگدشت

(۳۷)

ہیسٹنگز کے طرز عمل پر بعض انگریز مصنفین کا تبصرہ

شجاعت شعار و محدلت گسار روہیلہ قوم کی خوفناک تباہی اور ان کے محبوب و ہر دل عزیز سردار کی حسرت ناک بربادی پر جس طرح ہم لوگ شجاع الدولہ کی ناعن شناسی اور ظلم و تعدی کی مذمت کرتے ہیں اسی طرح کچھ درد مند اور ایمان دار انگریز محققین اور مدبرین نے بھی اپنے ہم قوم گورنر ہیسٹنگز پر جو اس ظالمانہ جنگ کا بانی مبنی تھا بہت سخت لعنت ملامت کی ہو جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسٹر بیک ممبر پارلیمنٹ ”اس بڑے نیلام کنندہ سے ہیسٹنگز نے لڑائی کی بغیر کسی معقول وجہ کے اپنی بلند بانگ فرض شناسی و اصول پروری کے باوصف اُسی شجاع الدولہ کے ہاتھ دوسرا نیلام تمام روہیلہ قوم کا کر ڈالا۔ اور چالیس لاکھ روپیہ لے کر مخلوق خدا کو مکمل استیصال کے لئے بیچ ڈالا۔ ہماری جانب سے معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی گئی۔ اور روہیلوں کے ممتاز ترین سردار اور اپنے عہد کے سب سے بہادر انسان حافظ رحمت خاں پر جو تمام ایشیا میں اپنی دلیری کی طرح اپنی عمدہ شاعری میں بھی شہرت عام رکھتا تھا انگریزی بریگیڈ اور ایک لاکھ فوج سے حملہ کر دیا۔ یہ شخص اپنے پاس نسبتاً کم فوج رکھنے کے باوجود اپنے ملک کی حفاظت میں نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے مارا گیا۔ اس کا سر کاٹ ڈالا گیا اور روہیلہ کے بدلے میں ایک انسان نما درندے کو دیدیا گیا۔ حافظ رحمت خاں کی عظیم المرتبت بیوی اور بچے انگریزی کیمپ میں ٹھہری ہوئی ہوں کی بھیک مانگتے دیکھے گئے اور پوری روہیلہ قوم باستثنائے معدودے چند

ناقابلِ ذکر افراد کے یا تو ہلاک کر دی گئی اور یا ملک بدر کر دی گئی۔ تمام ملک نذرِ آتش و شمشیر کر کے اجاڑ ڈالا گیا۔ اور وہ سرزمین جس میں ایک خود مختار موروثی حکومت کی خوشگوار برکات و خوشائیاں تھیں۔ اور جو مزدوروں کی حفاظت، جان و مال اور ایک منتخب مرکزِ زراعت و مشیاء و خورد و نوش کے ہونے کے لحاظ سے دوسری بہت ساری سرزمینوں میں بہت ممتاز تھی اب ایک لٹ و دق بھیا ملک ویرانہ ہے جس میں خود و درخت۔ کانٹے دار جھاڑیوں اور وحشی درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں کی فراوانی ہے۔ اُس انگریز افسر نے جو وقت شدہ مخلوق کو بکریوں کی طرح قصاب خریدار کو حوالے کرنے کے کام متعین تھا اپنی خدمت کی بجائے اور یں کچھ رنج و قلق محسوس کر کے اُن بے پناہ مظلوم کو جو عمل میں لائے جا رہے تھے کم کرانے کے لئے پارلیمنٹ بنگال کو آمادہ کیا تو ایک سول گورنر نے اس کو سخت ملامت کی،

لارڈ میکالے اس کے بعد روہیل کھنڈ کی سرسبز و شاداب وادی اور خوبصورت شہر خوشاک جنگ و جدال کا شکار بنائے گئے۔ تمام ملک آتش کدہ فرو د بنا ہوا تھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اپنے مکانات چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ ان لوگوں نے بھوک۔ وبا اور بھیڑیوں کے منہ میں پڑنے کو اس شخص کے مظلوم پرتوجہ دی جس کے ہاتھ ایک جیسانی گورنمنٹ نے ان کی جان و مال اور بیوی اور لڑکیوں کی عزت و آبرو بیچ ڈالی تھی۔ کرنل پیمپین نے ان مظلوم کی نواب وزیر سے شکایت کی اور فورٹ ولیم میں اپنا سخت احتجاج لکھ کر بھیجا۔ لیکن چونکہ گورنر نے وزیر سے معاہدہ کے وقت فاتح وزیر کو مفتوح روہیلوں پر اپنے مجوزہ مظلوم عمل میں لانے سے باز رکھنے کے متعلق کوئی شرط نہیں کی تھی۔ اس لئے اس نے بجز اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے اور

اور کسی بات سے واسطہ نہ رکھا..... مسٹر ہسٹنگز کا کام تو اپنی خاص فوج سے صرف ان بے گناہ لوگوں کو کچلوانا تھا جو نہایت بہادری کے ساتھ اپنی آزادی قائم رکھنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ جوں ہی ان لوگوں کی فوجی طاقت کچل گئی اس کا فرض ختم ہو گیا۔ اب اس کو اس کے سوا اور کیا کرنا باقی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سیٹ کر گانوں کے جلنے۔ پچوں کے ذبح ہونے اور عورتوں کی عصمت دری کے تماشے دیکھا کر لے۔“

مانسن۔ کلیورنگ اور فرانسس ممبران کلکتہ کونسل
۱۳۔ اپریل کو متحدہ فوجوں نے روہیلا سرداروں پر مکمل فتح حاصل کر لی۔ اُس وقت سے اس وقت تک کے وزیر کے اقدامات۔ اُس کی غیر ضروری اور ظالمانہ ملک کی لوٹ کھسوٹ۔ قسبیت قیدیوں پر مظالم۔ بالخصوص عورتوں اور لڑکیوں پر جابرانہ سختی وغیرہ کرنل جیمپن کے خطوط سے مفصل طور پر معلوم ہوئے ہونگے..... حضرات، مظالم کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آئیں اگر ہم مسٹر ہسٹنگز سے کرنل جیمپن اور مسٹر ڈلن بیریڈ کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کر لیتے۔ پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا تسلسل شکستہ ہے اور جو نامکمل حالت میں ہیں۔ نیز بکثرت خطوط دانستہ چھپائے گئے ہیں اور ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ ظالمانہ حالات و واقعات دبا دیے گئے ہیں۔“

مسٹر جے کلارک
”وغالباً دنیا میں ایسی دوسری مثال ضبطِ تحریر میں نہیں آئی ہے جیمپن ایک مہذب گورنمنٹ ایک ایسی قوم کو تباہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک

۱۷ مئی ۱۷۷۷ء مانسن۔ کلیورنگ اور فرانسس۔ ہسٹنگز کی کونسل کے ممبران نے پرخا۔ ۳۰۔ نوٹبر ۱۷۷۷ء کو لندن میں کورٹ آف ڈائرکٹرس کو روانہ کیا تھا۔ اس خط کے ضروری اقتباسات ہم نے ہسٹنگز اینڈ دی روہیلا دار سے ترجمہ کر کے نقل کئے ہیں۔

ہوئی ہو جس سے خود اس کا کوئی نزاع نہ ہو۔“

مسٹر ہاؤٹ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہیسٹنگز کے دماغ میں انسانی ہمدردی کے جذبات کا مطلق وجود نہ تھا۔ ایک ایسی تجویز کو جو ہر دوسرے انسان کو ناقابلِ بیان طور پر لرزہ بر اندام کر دیتی۔ اُس کو اُس نے ایک معمولی کاروباری معاملہ کے طور پر قبول کر لیا۔ ہیسٹنگز کہتا ہے کہ: ”دیکھو ہم یہ بھاری قرضہ کا بار ہے جو ایک کروڑ پچیس لاکھ روپیہ تک پہنچ چکا ہے۔ اور اس تجویز (یعنی دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار پر شجاع الدولہ کو فوجی امداد دینے) سے دورانِ جنگ میں تقریباً ایک تہائی فوجی مصارف نکل آنے کے علاوہ نہ صرف چالیس لاکھ روپیہ کی رقم خیرمار سے خزانے میں آجائے گی بلکہ نواب وزیر بھی۔ ایک تکلیف دہ ہمایہ سے نجات پا جائے گا۔ اس خوفناک انسان کے یہ خود اپنے الفاظ ہیں۔ شجاع الدولہ سے سود اپٹ گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے لئے اسے کونسل اور کورٹ آف ڈائریکٹرس سے پوشیدہ رکھا گیا۔ اپنے ایک خط میں جواباً تک موجود ہے۔ ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کو لکھا کہ: ”اگر روپیہ قرضہ کی خلاف ورزی کریں گے تو ہم ان کا مکمل استیصال کر دیں گے اور آپ کو ملک پر قابض کر دیں گے۔ پس چالیس لاکھ روپیہ کاروباروں سے اچانک مطالبہ کیا گیا۔ اور چونکہ اس شرارت آمیز کارروائی میں ہر بات بد معاشی کا پہلوئے ہوئے تھی اس لئے پہلے روپیہوں سے اُن کا مال و متاع اور روپیہ مانگا گیا۔ اُس کے بعد انہیں ہلاک کر ڈالا گیا۔“

مسٹر جان مارلے ”کیا کوئی انگریز جس کو ذرا بھی اپنے ملک سے محبت ہے اس قدر فاصلہ پر بیٹھ کر بھی اس قابلِ نفرت جرم کے حالات کو اپنے کانوں میں سننا ہرٹ محسوس کئے

۱۔ برٹش انڈیا اینڈ انگریز پالیسی ص ۲۵۔

۲۔ منقول از فٹ نوٹ۔ رابرٹ آف دی کریچین پاور ان انڈیا جلد دوم صفحہ ۷۰۔

بغیر پڑھ سکتا ہے؟..... جب ان بد ذاتیوں کو ہیسٹنگز کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے عدیم المثال خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا کہ ”مشرقی جنگ و جدال میں یہ معمولی باتیں ہیں۔ ہم خود دس سال قبل جب اسی نواب اودھ سے جنگ کر رہے تھے تو ہم نے بھی اُس کے ملک کو اسی طرح غارت و نذر آتش کر دیا تھا۔ جس طرح آج اس نے روہیلوں کے ملک کو تباہ و برباد کیا ہے۔ لڑائی میں گلاب نہیں چھڑکا جاتا، لے.....“

(۳۸)

حافظ الملک کا طرز حکومت اور ذاتی حالات

سلطنتِ روہیل کھنڈ جس کی بنیاد اودھ خاں نے ڈالی۔ جس کو نواب علی محمد خاں نے قائم کیا اور جس کو حافظ الملک نے مضبوط و مستحکم اور ترقی پذیر بنایا۔ اٹھارویں صدی کی اُن کثیر التعداد ہندوستانی ریاستوں میں سے ایک تھی جو دہلی کی مرکزی حکومت کے کمزور ہوجانے کے باعث عالم وجود میں آئی تھیں۔ لیکن روہیل کھنڈ کے حکمرانوں نے باوجودیکہ حکومت دہلی کو حتی الامکان کسی قسم کا خرچ نہیں دیا۔ تاہم ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ شاہانِ دہلی سے ان کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ جب کبھی دہلی پر کوئی مصیبت نازل ہوئی یا بادشاہ دہلی کو ان کی امداد کی ضرورت ہوئی۔ یہ حکمران فوراً سینہ سپر ہو کر سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر شجاع الدولہ کی فتنہ پردازیاں اس زمانہ میں کارفرمانہ ہوئیں اور یہ خود غرض لوگ روہیلوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور اُس کو قائم رکھنے کی کچھ بھی فرصت دے دیتے تو ناممکن تھا کہ انکی موجودگی میں سلطنتِ دہلی یا آگے چل کر خود ریاست اودھ کا باآسانی خاتمہ ہو جاتا۔ خان بہادر مولوی مطیع اللہ خاں مرحوم اپنی غیر مطبوعہ تاریخ شاہجہانپور میں لکھتے ہیں کہ۔

”ہندوستان میں اسلامی حکومت کا خاتمہ روہیل کھنڈ میں دراصل حافظ الملک کی شہادت کے دن ہو چکا تھا۔ اودھ کی حکومت رقص بسمل تھی جو بہت جلد سرد ہو گئی۔ اگر شجاع الدولہ نے انگریزی توپوں کے استعمال سے روہیلوں کا خاتمہ نہ کیا ہوتا تو لارڈ ڈلہوزی کی باریک بین نظر کو انڈیا کے نقشہ پر ریاست اودھ بھی بد نما داغ نہ معلوم ہوتی اور وہ اس کو مٹانے میں عجلت سے کام نہ لیتے۔“

۱۔ منقول از تاریخ صبح مولفہ مولوی محمد صبح الدین میاں صاحب شاہجہان پوری مطبوعہ نامی پریس کھنڈ۔

روہیلوں کی یہ طاقت و سلطنت جس کو بداندیش اور خود غرض لوگوں نے اس قدر بے دردی کے ساتھ برباد کر دیا حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی ماتحتی میں بڑے بڑے سرداروں پر علاقوں اور جاگیروں میں بٹی ہوئی تھی۔ مثلاً پچاس لاکھ روپیہ کا علاقہ خاص حافظ الملک کی جاگیر میں اور بقیہ عبداللہ خاں رئیس شاہجہان پور۔ نواب دوندے خاں۔ نواب فیض اللہ خاں۔ فتح خاں خانساہاں اور بخشی سردار خاں وغیرہ پر علی قدر مراتب منقسم تھا۔ یہ تمام روہیلہ سردار گو ایک دوسرے کے تابع فرمان نہ معلوم ہوتے تھے لیکن باطن یک دل اور یک قالب تھے۔ دانش مندی۔ بہادری اور آپس کے اتفاق میں مشہور تھے؛ جس کے باعث جس وقت ہندوستان میں لاہور سے اس کماری تاک کہیں امن وامان نہ تھا اور ہر طرف فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہوئی تھی۔ اس وقت روہیلوں کے ملک میں کہیں پتہ بھی نہ ملتا تھا۔ روہیلوں کے اتفاق کی یہ صورت تھی کہ ضرورت کے وقت اپنے سردار کی ایک آواز پر ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اگر کسی ایک سردار کی ریاست پر کوئی حملہ کرتا تو تمام دوسرے سردار قومی جوش میں آ کر لڑنے مرنے کو مستعد ہو جاتے تھے۔

روہیلہ گورنمنٹ کے قوانین نہایت قابلِ تعریف تھے۔ ان کی عملداری میں چوری۔ ڈکیتی اور ٹھگی ہرگز نہ ہوتی تھی۔ اگر اتفاقاً کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج لگا جاتا؛ دیہات اور شہروں میں مختلف اہل مذاہب کی مخلوط پنچائتیں اور برادریاں ان پیشوں کے اعتبار سے جو انھوں نے اختیار کر رکھے تھے قائم تھیں۔ ان کا ایک سرنچ یا چو دھری ہو کر رہتا تھا۔ جس کا فیصلہ جملہ امور میں سرکاری حکم سے زیادہ وقعت رکھتا تھا۔ ان پنچایتوں میں قسم کے مال اور فوجداری کے مقدمات طے ہونے کے علاوہ بازار میں فروختی مشیار کے نرخ بھی طے ہوتے تھے۔ اور حکومت کے مقرر کردہ عاملوں۔ قاضیوں اور مفتیوں کے پاس پنچائی برادری کے لوگوں کے مقدمات شناؤ و نادری ہی جاتے تھے۔ عوام کی اس اندرونی آزادی و خود مختاری کو حافظ الملک نے عام رواج دینے کی بہت کوشش کی چنانچہ چو دھریوں کی انتہائی

غنت و توقیر کرتے تھے اور اُن کی ہمت افزائی کی تمام ممکن تدابیر عمل میں لاتے تھے۔

تنہا حکومت میں جمہوری حکومت کی برکات تھی لیکن اُس کا انداز اور اُس کے نتائج جمہوریت سے ملتے جلتے تھے۔

امورِ مملکت میں عوام کو دخل اندازی کا زیادہ سے زیادہ حق حاصل تھا جو جمہوری حکومت کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ بڑے سے بڑے مرن سلطنت حتیٰ کہ مسند نشین حکومت کی اولاد تک کی یہ مجال نہ تھی کہ کسی عامی سے عامی مسلم یا غیر مسلم فرد قوم پر بیجا جبر و تشدد کر سکے۔ راعی و رعایا کے درمیان تحفظِ استب خاص کی تبلیغ حائل نہ تھی۔ اخوت اور مساوات و آزادی کا دور دورہ تھا۔ اور جس طرح اللہ کی اس سب سے بڑی نشا و ادب سر زمین پر حکمران جماعت کے لوگ افتخار و سر بلندی کے ساتھ چلتے تھے اسی طرح ایک معمولی دہقان اگر کرا ورسینہ تان کر چلتا تھا۔ سردار قوم کی حریت نوازی کے باعث کسی کی یہ جرات نہ تھی کہ عوام کی آزادی خیال اور آزادی عمل میں رخنہ اندازی کر سکے۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا تو عام اس سے کہ اس کی شخصیت کیسی ہی بڑی سے بڑی کیوں نہ ہوتی ہرگز ہرگز خطا پوشی نہ کی جاتی تھی۔ اس طریقہ حکمرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام میں روح آزادی و حریت فنا نہ ہونے پاتی تھی۔ جو حافظ الملک کو حد درجہ عزیز تھی چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک روز حافظ صاحب کے صاحبزادے حافظ محمد یار خاں نواحِ پہلی بھیت میں بہن کے شکار کے واسطے گئے۔ جب جنگل کے قریب پہنچے تو اپنے ہمراہیوں اور ہاتھی گھوڑوں کو ایک گاؤں میں چھوڑ کر تنہا محمد خاں خلجی کو جو فن شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا ساتھ لیکر جنگل کی راہ لی۔ انٹائے راہ میں چند بہن دکھائی دئے۔ فوراً ان کا تعاقب کیا اور نزدیک پہنچ کر خود تو ایک جگہ تاک لگا کر بیٹھ گئے اور محمد خاں کو بہنوں کے گھیر کر لانے کے واسطے روانہ کر دیا اتفاقاً ایک دہقان بھی اس وقت ادھر آکھلا اور بہنوں کی طرف جانے لگا محمد خاں نے آواز دیکر اُس کو بہنوں کی طرف جانے سے منع کیا لیکن وہ آواز سننے کے باوجود اپنا قدم اٹھائے آگے ہی چلا گیا۔ محمد خاں نے بار بار آوازیں دیں لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی یہاں تک کہ

اس کے پیروں کی آہٹ سے ہرن دہشت کھا کر دوسری طرف بھاگ گئے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس پر محمد خاں غضب ناک ہو کر اس کی طرف جھپٹا۔ وہ دہقان بھی لوٹ پڑا۔ محمد خاں نے اس کو گالی دے کر کہا کہ۔

’دبھکو کیا ہو گیا تھا جو تو نے میری بات نہیں سنی اور میرا شکار کمال دیا‘

گالی کے جواب میں دہقان نے بھی محمد خاں کی شان و شوکت ظاہری کا لحاظ کئے بغیر گالی دی اور کہا۔

’میں تمہارے واسطے کیوں اپنا راستہ چھوڑ دیتا۔‘

اس جواب پر محمد خاں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ دہقان طمانچہ کھا کر ایک طرف کوچہ قدم بھاگا اور سات اور دہقانوں کو جو اپنے پھکڑوں پر جنگل سے لکڑیاں لا کر لا رہے تھے بلا لایا اور آتے ہی اپنے ساتھیوں کے بھروسے پر ایک لاشی محمد خاں کے سر پر مار دی۔ محمد خاں قوی الجذہ شخص تھا دہقان کو لپٹ گیا اور زمین پر پٹک کر اس کی چھاتی پر بیٹھ گیا۔ اسی داروگیر میں حافظ محمد یار خاں بھی وہاں آپہنچے اور انھوں نے غصہ میں بھر کر اپنی چھتری نکال کر محمد خاں کے ہاتھ میں دیدی۔ عنقریب تھا کہ محمد خاں دہقان کا چھتری سے کام تمام کر دے کہ دوسرے دہقانوں نے اپنے ساتھی کو بچا لیا اور سب کے سب محمد خاں اور حافظ محمد یار خاں کو لات گولنوں سے مارنے لگے۔ محمد خاں نے حتی الوسع اپنی اور حافظ محمد یار خاں کی بہت مدافعت کی لیکن ایک پیش نہ گئی مجبوراً محمد خاں نے کہا کہ۔

’اے کافرو یہ حافظ الملک کے صاحبزادے ہیں ان کی خدمت میں کچھ بے ادبی نہ کرو۔‘

لیکن ان مغلوب الغضب لوگوں نے محمد خاں کی بات کا یقین نہ کیا اور دل میں یہ خیال کر کے کہ بھلا حافظ الملک کا بیٹا کیوں اکیلا حیران و پریشان جنگلوں میں مارا مارا پھرے گا مار پیٹ سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ اتنے میں حافظ محمد یار خاں کے پیادے اور سوار جو ویر ہو جانے کے باعث انکی ملاش میں نکلے تھے اس طرف کو آتے دکھائی دئے۔ دہقانوں نے اس شکر کو دیکھ کر

یقین کر لیا کہ محمد خاں سچ کہتا تھا۔ واقعی یہ حافظ الملک کا لڑکا ہے اور اب اُس کی پہلی فوج آ رہی ہے۔ بدحواس اور خوف زدہ ہو کر جنگل میں بھاگ گئے اور منتشر ہو کر درختوں کی آڑ میں پوشیدہ ہو گئے۔ جب سوار اور پیادے وہاں پہنچے تو صاحبزادے صاحب کے حکم سے حملہ آور دہقانوں کی تلاش شروع کی گئی۔ ہر چند ڈھونڈھا مگر ایک شخص ہاتھ نہ لگا۔ آخر کار ان کی گاڑیاں کھینچ کر پہلی بھیت لے آئے۔ چند روز کے بعد دہقان مذکور از خود شہر میں داخل ہو کر ملک سید خاں خٹک عامل پہلی بھیت کے پاس آئے اور کہا کہ۔

”کوئی شخص ہماری گاڑیاں جنگل سے ہانک کر پہلی بھیت لے آیا ہے“

جب ملک سید خاں نے اُس شخص کا نام دریافت کیا تو کہا کہ نام ہم حافظ الملک کے حضورِ قدس میں بتائیں گے ملک موصوف نے اس واقعہ کو حضورِ قدس میں عرض کیا جس پر ان لوگوں کو حجاز ہونے کا حکم صادر ہوا۔ جب وہ حضور میں حاضر ہوئے حافظ الملک نے اپنے نزدیک بلا کر بکشاوہ پیشانی اُن سے حقیقت حال بیان کرنے کا حکم دیا۔ اُن لوگوں نے عرض کیا کہ۔

”حضور کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے ہمارے گاڑی پل جنگل سے

لے آئے ہیں“

ارشاد ہوا کہ۔

”اس کا سبب کیا تھا اور ہمارے بیٹوں میں سے کس نے یہ کام کیا ہے“

چونکہ یہ لوگ قصور وار تھے اس لئے حافظ الملک کے بار بار اصرار کے باوجود صاف صاف نہ بتلا سکے۔ اس پر حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”نائبت ہو تا ہے کہ قصور تھا رہے لیکن میں تمہارے قصور کو معاف کرتا ہوں۔ اب تم

بتلاؤ کہ کون تمہاری گاڑیاں زبردستی لے آیا ہے اور اس کا سبب کیا تھا“

جاں بخشی اور معافی قصور کا اطمینان ہو گیا تو دہقانوں نے کہا کہ

”مخدوند زادے حافظ محمد یار خاں ہماری گاڑیاں اور پل جنگل سے لے آئے ہیں اور

ان کے گاڑی خانہ میں اب ناک موجود ہیں ۛ

حکم ہوا کہ حافظ محمد یار خاں کو مع گاڑیوں اور بیلوں کے حاضر کیا جائے۔ جب وہ حضور میں حاضر ہوئے تو بکمال تہ و غضب اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔

”ان بے گناہوں نے کیا گناہ کیا تھا کہ ان کی گاڑیاں اور بیل تم زبردستی یہاں پکڑ لائے ہو؟“
حافظ محمد یار خاں نے عرض کیا کہ اس کا سبب انہیں لوگوں سے دریافت کیا جائے۔ حافظ الملک نے دوبارہ نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ

”اس وقت مدعی اور مدعا علیہ دونوں موجود ہیں۔ واقعہ بے کم و کاست بیان کرو۔ عدالتی

معاملات میں ہمارے نزدیک اپنے اور بیگانے سب برابر ہیں ۛ

تب اُن لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حافظ محمد یار خاں کو حکم ہوا کہ تم ہی اس واقعہ کا اظہار کرو۔ بوجب حکم حافظ محمد یار خاں نے اصل واقعہ کو مفصل عرض کیا اور اپنا ہاتھ اور اپنی پیٹھ جواب تک زخمی تھی کھول کر دکھائی۔ ساتھ ہی محمد خاں خلجی کو بھی حضور میں حاضر کر کے اس کا تمام جہم جو زخموں سے چور چور ہو گیا تھا مشاہدہ کرایا۔ حافظ الملک نے تمام حال سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔

”ان بے چارے بے خبر لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم خود اس تکلیف و صعوبت کے

سزاوار ہو..... خبردار آئندہ پھر اس قسم کی حرکت ناپسندیدہ کے قریب نہ جانا.....

ان نے خبر لوگوں سے نادانستگی کے عالم میں اس قسم کی حرکت وقوع میں آئی ہے۔ اس وجہ

سے ان سے کوئی مواخذہ اور باز پرس نہیں ہو سکتی۔ جاؤ ان لوگوں کی گاڑیاں اور بیل مع

ان تمام چیزوں کے جو ان میں ہوں ان لوگوں کے حوالے کر دو اور ان کو رضامند کرو ۛ

حافظ محمد یار خاں جو حافظ الملک کے غصہ اور غضب سے سہمے ہوئے تھے اس حکم کو غنیمت سمجھ کر دوبار سے اٹھ کر چلے گئے اور مطابق حکم علاوہ بیلوں۔ گاڑیوں اور ان چیزوں کے جو ان میں تھیں کچھ روپیہ بھی اپنے پاس سے دے کر ان لوگوں کو حضور اقدس میں روانہ کر دیا۔ تاکہ یہ لوگ خوش ہو کر

حافظ الملک کو اُن کی طرف سے مطمئن کر دیں۔

عدالت و انصاف حافظ الملک کے عہدِ فرضِ مہدی میں رعایا اور برابرا دولت مند یا گدا گئے بے نوا کوئی ظلم و ستم کا نام نہ جانتا تھا۔ زبردست لوگ اُن کے انصاف کے ڈر سے کمزوروں اور زیر دستوں پر ظلم کرنے کی بجائے مسکینوں اور ناتوانوں کی امداد کرتے تھے۔ اور باز پرس کے خوف سے خصائلِ ذمہ اور افعالِ شنیعہ سے تائب ہو گئے تھے۔ اُن کے انصاف کی کچھری میں وضع و شریف۔ خور و بزرگ۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب کے ساتھ ایک سلسلہ کیا جاتا تھا۔ اور قانون کے اجرا میں جو مطابق شریعت اسلام ہوتا تھا۔ امر کے پیٹوں۔ عزیزوں اور دیگر عوام الناس میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔ خطا کاروں۔ گنہگاروں اور مجرموں کی سزا دہی میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کیا جاتا تھا اور حکومت کی جانب سے بڑے سے بڑے اشتعال کے موقع پر بھی حق و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا تھا۔ خود حافظ الملک کی ذات پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا اور مجرم کو صرف اس قدر سزا دینا گوارا کرتے جس قدر کہ قانون شریعت اجازت دیتا۔ یہ نہیں کہ اپنی شخصیت کو فوق الممول تصور کر کے غیر معمولی سزا دیتے۔ نواب عبداللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں نے اپنے مکان میں حافظ صاحب کو بلا کر قتل کرانا چاہا تو اس کی سزا انھیں صرف یہ دی گئی کہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے ملک بدر کر دئے گئے۔ اسی طرح ایک اور اہم واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک روز حافظ الملک بریلی میں اپنی مجلسِ مبارک محل میں مقیم تھے۔ رات کے وقت موافق معمول نمازِ تہجد کے واسطے اٹھے اور حسبِ قاعدہ کسی اہل حرم یا ملازم کو بیدار کئے بغیر جب پہلے بیت الخلاء تشریف لے گئے تو اُس کے دروازے پر انھیں پاؤں کی آواز معلوم ہوئی۔ خیال کیا کہ اہل حرم میں سے کوئی اندر ہے۔ کچھ دیر توقف کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسی سی ہٹ

لہ گلستانِ رحمت۔

لہ مبارک محل نام کی ایک پُرانی عوامی محلہ چھٹی ٹولہ متصلِ اہلِ بی بی میں موجود ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ چوٹی حافظ صاحب کی مجلسِ رات تھی۔ حافظ صاحب کی مجلسِ اعلیٰ شہرِ کمنہ میں مرزا ابی باغ کے قریب واقع تھی جس کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔

معلوم ہوئی جیسے کوئی بیت الخلاء کے اندر سے باہر نکلتا ہے لیکن وہ آہٹ دروازے تک پہنچنے کے بعد منوقوف ہو گئی۔ اس پر حافظ الملک کو شبہ ہوا کہ شاید کوئی چور ہے۔ بلا پس و پیش اندر داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قوی الجشہ شخص ایک بہت بڑا چھڑا ہاتھ میں لئے ایک گوشہ میں کھڑا ہے۔ اس شخص کو بعض نامعاقت اندیش سرداروں نے روپیہ کالا لچ و دیگر حافظ الملک کو قتل کرنے کی غرض سے بھیجا تھا اور یہ شخص پہرے والوں اور دربانوں کی آنکھ بچا کر یہاں تک پہنچے ہیں کامیاب ہو گیا تھا۔ حافظ الملک نے اُس کے ارادہ بد کو محسوس کرنے اور اپنے پاس کوئی ہتھیار نہ ہونے کے باوجود نہ تو قدم پیچھے ہٹایا اور نہ کسی ملازم کو آواز دی بلکہ فوراً ایک ہاتھ سے اُس شخص کے چھڑے والے ہاتھ کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر ایسے زور سے طمانچہ مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد اُس کو کھینچ کر اندرون مکان سے باہر لے آئے اور دربانوں کو سپرد کر کے فرمایا کہ اپنے اس دوست کو پکڑو، پاس بان اور دربان اس حال کو مشاہدہ کر کے بدحواس ہو گئے اور سب کو یقین ہو گیا کہ اُن سب کی زندگی ختم ہو جائے گی لیکن حافظ الملک اس شخص کو اُن لوگوں کے سپرد کر کے مجلس میں تشریف لے گئے۔ اور نماز تہجد اور ورد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے روز بطریق معمول جب دیوان عام میں تشریف لائے تو راویہاٹنگ دیوان اور دوسرے سرداروں نے اُس واجب القتل کے قتل کا حکم صادر کرنے کی التجا کی۔ حافظ الملک کو چونکہ حد شرعی سے تجاوز ہرگز منظور نہ تھا اس لئے اُن کے معروضہ کو قبول نہ کیا تب ان لوگوں نے عرض کیا کہ۔

”اگر حکم ہو تو اس معاملہ کی حقیقت حال کا استفسار شروع کریں تاکہ یہ معلوم ہو کہ کن کن لوگوں

کے اغواء سے اس شخص نے یہ جرات و جبارت کی۔“

لیکن حافظ الملک نے اس راز سرِ بستہ کی تفتیش اور انکشاف کی بھی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ۔

”اس معاملہ کی تحقیق و تفتیش میں بہت سے خطرات ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ فتنہ پر دہ شخص

گروہ اشترار کے اغواء سے ہمارے دولت خواہوں اور خیر اندیشوں میں سے کسی کو تنہم کر دے

یاسر داروں میں سے کسی نے گناہ کا نام نہا دے۔ اس صورت میں لازم ہوگا کہ ان لوگوں کے ساتھ واجبی سلوک کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے سخیزندہ لاشوں اور ان کے علاوہ بہت سے بے گناہوں کو نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ شخص جن لوگوں کے نام بنائے ان کو پھر سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ یہ بات آئینِ امارت و ریاست سے بعید ہوگی۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ اس زیاں کا رستہ کسی قسم کی تحقیق و تفتیش نہ کی جائے۔“

اس ارشاد کے بعد حافظ الملک نے مجرم کو صندل خاں شحہ بریلی کے سپرد کر دیا۔ اور بتا کید تمام حکم دے دیا کہ اُس کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف مطلق نہ دی جائے۔ دو تین دن کے بعد صندل خاں مذکور نے دیوان پہاڑ سنگھ وغیرہ ارکانِ دولت کے مشورہ سے اس شخص کی آنکھیں نکلوادیں۔ جب حافظ الملک کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ تھی اور قریب تھا کہ اس کے قضا میں صندل خاں نوربھارت سے محروم کر دیا جائے لیکن دوسرے اعیانِ دولت کی منت و سماجت اور انتہا درجہ کی الحاح و زاری سے مجبور ہو کر بدقت اس کے جرم سے درگزر کی۔ اُس شخص کو محبس سے نکال کر جڑاحوں کے سپرد کیا۔ اور کوششِ بلیغ کی کہ کسی طرح اُس کی آنکھیں ابھی ہو جائیں۔ چنانچہ چند روز کے بعد زخمِ اندامِ پندیر ہو گئے اور حافظ الملک نے ایک روپیہ پوسیدہ اُس کے جیب خرچ کے لئے اور اس کا کھانا اپنے مطبخِ خاص سے مقرر فرما دیا تاکہ ملتِ عمر فارغ البالی کے ساتھ ایامِ گزاری کر سکے۔

زراعت و تجارت [حافظ الملک کے دورِ حکومت میں ان کی تمام مملکت آباد۔ زراعت مکمل اور رعایا خوشنودھی۔ اُفتادہ زمین کی کاشت ہوتی تھی اور مزارعین کو تقاوی کے ذریعہ امداد دیکر

صندل خاں کا بازار بریلی میں قلعہ کے قریب موجود ہے جو صندل خاں کی بنیاد کے نام سے مشہور ہے اور حافظ الملک کے زمانہ کی یادگار ہے۔

کاشتکاری کرانی جاتی تھی۔ مالگزاری صرف چوٹی روپیہ لی جاتی تھی۔ اسی طرح تجارت کی ترقی بھی عظیم الشان تھی۔ ۱۶۹۰ء میں حافظ الملک نے اپنے مقبوضات میں سامان تجارت کی درآمد و برآمد پر ہر قسم کا محصول قطعی معاف کر دیا تھا۔ گو اس حکم کے صادر ہونے پر روہیل کھنڈ کے تمام سرداروں اور اہلکاروں نے سخت احتجاج کیا کیونکہ معافی محصول سے حکومت کو کئی لاکھ روپیہ سالانہ کا نقصان ہوتا تھا۔ لیکن حافظ الملک نے جو امور سیاسی کے ساتھ ساتھ مسائل اقتصادی کے صحیح طور پر سمجھنے میں بھی یکنائے روزگار تھے۔ اور ان معاملات میں اپنے ہم عصروں سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ فوج کے مصارف کثیر اور خرچہ انہ میں روپیہ کی کمی کے باوصف اپنے حکم کو منسوخ نہ کیا۔ اس انتشار و تدبیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آزاد تجارت کی بدولت باسٹندگان روہیل کھنڈ میں استفادہ خوشحالی و فارغ البالی اور اراثیاء خوردنی و پوشیدنی کی اس درجہ فراوانی و ازرائی ظہور میں آئی کہ کسی زمانہ میں نہ دیکھی گئی تھی۔ رعایا کی خوشحالی سے حکومت کی آمدنی اور اس کے استحکامات میں بھی خلافت امیر غیر معمولی ترقی ہوئی۔ مسٹر فرنیکلن نے اُس زمانہ کی ہریلی کو جو اُس وقت بھی روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ۔

”یہ شہر حافظ رحمت خاں کی مخصوص دور بینی کے سبب سے ایک بہت بڑی تجارت گاہ

بن گیا ہے۔“

عمارات حافظ الملک کو مخلوق کی آرام و آسائش اور اپنے مقبوضات کی رونق و خوبصورتی بڑھانے کے لئے عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اُن کا ایک مشغل محکمہ تعمیر تھا۔ جس میں بہت سے ہندوستانی اور ولایتی ماہرین فن تعمیر اور کاریگر بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم تھے۔ چنانچہ اپنے عروج و خوشحالی کے زمانہ میں اس محکمہ کی امداد سے انھوں نے طول و عرض روہیل کھنڈ میں بکثرت گڑھیاں، قلعے، شہر بنائے۔ مجلس ایں۔ مسافر خانے۔ حمام خانے۔ بازار۔ باغات۔ سڑکیں۔ پل۔ نہریں۔ تالاب۔ مدرسے۔ مسجدیں اور مقبرے تعمیر کرائے۔ ہریلی۔ آڈولہ۔ حافظ گنج۔ پٹی بھیت۔ جلال آباد اور بدایوں وغیرہ میں اکثر عمارات تعمیر کرائیں جن میں بعض شکستہ اور بعض ابناک بہتر حالت میں

ہیں۔ بدایوں میں ایک خوبصورت مسجد جس کے احاطہ میں اُن کے والد شاہ عالم خاں کی قبر موجود ہو اور حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ والد حضرت نظام الدین محبوب الہی بدایونی ثم دہلوی کی درگاہ جو آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے اُنھیں کی تعمیر کردہ ہے۔

آنولہ میں نواب علی محمد خاں کا خوشنما مقبرہ اور پہلی بھیت میں ایک نہایت خوبصورت اور رفیع الشان جامع مسجد خاص طور پر اُن کے شوقِ تعمیر کی شاہد ہے۔ جامع مسجد کے علاوہ پہلی بھیت میں دو اور مسجدیں اور دریائے کھلکھلے کا پُل آج تک اُن کی یادگار باقی ہیں۔

خاص بریلی کی عمارت میں مبارک محل۔ دیوان عام۔ دیوان خاص۔ اور قلعہ تھا۔ جن کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شجاع الدولہ نے ان کو مسار کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا یہاں تک کہ اُن کی صحیح جائے وقوع کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ مولوی ابوالحسن صاحب ہجوڑی جرنلسٹ اس واقعہ کی تائید میں لکھتے ہیں کہ۔

”والیان ملک کے صنایع و عہد کے آثار ہزار ہا سال تک قائم رہتے ہیں۔ جن کو مٹانے کے لئے ادوار لیل و نهار کو قزاقوں تک مصروف جدوجہد رہنا پڑتا ہے لیکن مقامِ حیرت ہے کہ حافظ رحمت خاں کے عہد کو صرف ڈیڑھ سو سال گزرے ہیں مگر اُن کے گھر بار کا کوئی شکستہ اور ریختہ کھنڈ بھی اب کہیں نظر نہیں آتا۔ کیا اس سے والی اودھ کی بربریت کا پتہ نہیں چلتا کہ اُس نے اپنے غضبِ انتقام سے حافظ الملک کے محلات کو مسار کر کے گدھوں کے ہَل چلوا دئے جس کا پتہ پہلی بھیت کی سڑکوں کی کھرچنے والی لکھوری اینٹیں بزبانِ حال دے رہی ہیں۔ البتہ اُن کے دیوان ریاست کے عالی شان وسیع محل کا کھنڈر پہلی بھیت میں اوکڑھانزائے کابلند پھاٹک بریلی میں باقی ہے یا ایک حمام کی شکستہ عمارت مرحوم کے غم میں گرم گرم آنسو بہاتی نظر آتی ہے۔ کیا اس کثیر العیال والی کٹھیر نے اپنی اولاد کی بود و باش کے لئے خس پوش مٹی کے چند جھونپڑے ہی بنوائے تھے جو چند ہی سال میں آندھیوں کے طوفان سے اڑ گئے اور بارشوں میں بہ گئے۔ مشہور ہے کہ بریلی میں حافظ الملک کے محلات

(مبارک محل وغیرہ) مرزائی مسجد کے جانب شمال مشہور مرزائی باغ کے وسیع قطعہ پر واقع تھے۔ اور اس باغ کی سطح مرتفع سے پتہ چلتا ہے کہ مکانات کے انہدام سے یہ جگہ بلند ہو گئی ہے۔ اور نواب اودھ کے جوش انتقام کی نوحہ خواں ہے وہ تو نہ ہی نصرت اور شورش عام کا خوف مانع تھا ورنہ یہ خدا ترن شخص حفظ الملک کی تعبیر کردہ جامع مسجد کو بھی گرا کر اس کے ملبہ سے چالیں لاکھ کے تاوان کا ایک جز ضرور وصول کر لیتا۔“ (منقول از دروازہ اخبار پری)

یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بریلی شہر کمبہ میں مرزائی مسجد و باغ جو اس وقت موجود ہیں انھیں کے قریب مبارک محل وغیرہ واقع تھے۔ رہا قلعہ وہ شہر کے جانب غرب واقع تھا اور آج بھی ایک پورا محلہ اس نام سے موسوم ہے۔ رحمت خانی عمارت کا پتہ نہیں یہاں تاک کہ قلعہ کے موجودہ دروازے بھی مسٹر جان انگلس کلکٹر ضلع کے عہد کی تعمیر ہیں۔

حافظ الملک کے عزیزوں اور سرداروں نے بھی ان کے عہد میں بکثرت محلات اور مساجد تعمیر کیں جن میں سے آؤلہ میں بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خاناماں اور بیگم کی مسجدیں۔ بریلی میں بی بی جی کی مسجد جو حافظ الملک کی ہمیشہ تھیں۔ اور بسولی میں نواب دوندے خاں کا قلعہ مسجد اور حمام وغیرہ اب بھی باقی ہیں۔ حافظ الملک کو فی عمارت بتواتر تو ان کے اس ارادے میں نواب عقیلی اور رفیع رسائی خلق اللہ کی نیست ضرور شامل ہوتی تھی۔ بلکہ کچھ عمارتیں تو بنوائی ہی اس غرض سے گئیں کہ ان کی تعمیر کے سلسلہ میں ضرورت مند اور مفلوک الحال لوگوں کو روزی کمانے کا موقع ملے۔ مثلاً ۱۷۷۷ء میں راجپوتانہ میں بڑا سخت قحط پڑا۔ جس کی وجہ سے کثیر تعداد مارواڑی اور بیوانی اپنا وطن چھوڑ کر دارالامن روہیل کھنڈ میں آنے لگے۔ حافظ الملک نے براہِ غبا نوازی ان کے لئے روزینہ کے طور پر کچھ رقم مقرر کر دی۔ لیکن جب ان لوگوں کی تعداد حد سے متجاوز ہو گئی تو محض ان کو ذریعہ معاش ہم پہنچانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ان لوگوں کو پہلی بھیت کے گرد اگر دھنپاہ خام بنائے کا حکم دیا۔ جب ۱۷۷۳ء میں شہر نہاہ ندر کو بن کر تیار ہو گئی اور پھر بھی یہ ضرورت باقی رہی کہ جو امداد اس تعبیر کے سلسلے میں غریبوں کو مل رہی تھی وہ جاری رہے تو حکم دیا کہ اسکو توڑ ڈالا

جائے اور از سر نو پختہ بنایا جائے۔ پختہ شہر پناہ کی ۶۹ء میں تکمیل ہوئی۔ حافظ الملک کی اس عظیم المثال فیاضی کی بدولت تمام ماڈرواڑی اور میواتی جو نہایت غریب اور تنگ دست تھے مالدار ہو گئے۔ اور روپیہ جمع کر کے زراعت و تجارت میں مشغول ہو گئے۔ آئندہ کے لئے انھوں نے روہیل کھنڈ ہی میں مستقل سکونت بھی اختیار کر لی۔

جامع مسجد پہلی بھیت کی تعمیر کا واقعہ اس سے بھی زیادہ سبق آموز ہے گو اس کی نوعیت ایک حد تک مختلف ہو۔ بریلی و بدایوں کی طرح پہلی بھیت میں کوئی جامع مسجد نہ تھی اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز ایک جگہ جمع ہو کر ادا کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ عام مسلمانوں کی اس تکلیف کا احساس کر کے حافظ الملک نے ۶۹ء میں اپنے حکم کی تعمیل کے خاص خاص کارپردازوں کو جمع کیا اور جامع مسجد دہلی کے نقشے کے مطابق ایک عالی شان مسجد بنانے کا حکم دیا۔

جگہ کا سوال بہت پیچیدہ تھا۔ حافظ الملک کی خواہش تھی کہ دیوان خاص و عام اور محل مسرا سے قریب کوئی مقام ہو لیکن یہاں مجلس سے شمال روپیہ بجز ساگر نال نامی ایک بہت بڑے اور نہایت گہرے تالاب کے کوئی دوسرا میدان نہ تھا۔ حافظ الملک نے اس تالاب ہی کو پاٹ کر مسجد بنانے کی خواہش ظاہر کی منظرین نے عرض کیا کہ۔

”اس تالاب کے پاٹنے میں بے شمار روپیہ صرف ہوگا۔ اگر اس کی بجائے کوئی دوسری

جگہ پسند کی جائے تو مناسب ہوگا تاکہ ایک عالی شان مسجد بھی بن جائے اور اس قدر روپیہ

بھی صرف نہ ہو۔“

حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”ہمارا انتشار یہ ہے کہ مسجد دیوان عام و خاص سے قریب بنے۔ تاکہ اکثر اوقات نماز

جامع مسجد میں ادا کی جائے۔ علاوہ بریں کوئی اور جگہ بھی خالی نہیں ہے جہاں اس عمارت

کو قائم کیا جاسکے۔ بہت سے غریب اور علماء کے مکانات ہیں جن کو ہمدار کر کے مسجد

تیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس بات کو ہماری طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ ہمارے نزدیک

نے شمار روپیہ صرف کرنا آسان ہے لیکن محتاجوں اور سکیٹوں کو تکلیف دینا غیر ممکن ہے۔“
مہتممین تعمیر نے عرض کیا کہ۔

”اگر ان مکانوں کے عوض میں اُن کے مالکوں کو دوسرے مکان سرکار سے تیار کرادئے جائیں تو اس میں اس قدر روپیہ صرف نہوگا جس قدر کہ اتنے بڑے تالاب کو پاٹنے میں صرف ہوگا۔“

حافظ الملک نے جواب دیا کہ۔

”تمہارا مشورہ ہماری خیر خواہی پر مبنی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے مکان کے انہدام پر راضی نہ ہوگا اگرچہ اس کے عوض میں اس سے بہتر ہی مکان اس کو بنوا دیا جائے۔“

کارپردازوں نے عرض کیا کہ۔

”ان غریب کو ہم راضی کر لیں گے۔“

ارشاد ہوا کہ۔

”یہ لوگ کمزور ہیں زبردستی کے خوف سے خواہ مخواہ راضی ہو جائیں گے اور ان کی اس طرح مجبورانہ رضامندی ہیکوہرگز منظور نہیں ہے۔ یہ امر عدالت و انصاف سے قطعی بعید ہے۔“

اس آخری جواب کے بعد مزید عرض و معروض کی بالکل گنجائش باقی نہ رہی سب لوگ خاموش ہو گئے اور حکم کے موافق اس عظیم الشان تالاب کو پاٹنے میں تعجیل تمام عمل میں لانے لگے۔ تالاب پٹ گیا تو حافظ الملک نے بنا سنگ بنیاد کی رسم کے روز روہیل کھنڈ کے تمام علماء۔ فضلا۔ فقرا۔ شیوخ اور قضاۃ کو مدعو کیا جب یہ تمام بزرگ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے ایک ممبر پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کی کہ۔

”اے بزرگانِ ملت اس مبارک تقریب کے موقع پر میں نے آپ صاحبوں کو عرض

سے جمع کیا ہے کہ آپ میں سے کوئی ایک ایسے بزرگ جنہوں نے کبھی اپنی آنکھ اپنا ہاتھ اور اپنا قدم حرام کی طرف نہ اٹھا یا ہو وہ اس خانہ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں تاکہ اس کی برکت سے یہ پاک عمارت تا ابد آباد قائم و دائم رہے۔
ان الفاظ کو سن کر تمام حاضرین پر سکنہ کا سا عالم طاری ہو گیا اور سب نے اپنی اپنی گردنیں کھینچ کر تھوڑی دیر توقف فرمانے کے بعد حافظ الملک نے پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ۔
”الحمد للہ مجھے عاجز فقیر نے مدت العمر اپنی آنکھ۔ اپنا ہاتھ اور اپنا قدم حرام کی طرف نہیں اٹھایا ہے۔ اس لئے مجبور آئیں ہی اس خانہ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھتا ہوں۔ خدا میری مدد کرے“

اس کے بعد حافظ الملک نے اپنے دست حق پرست سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسی روز سے تعمیر کا کام جاری ہو گیا اور ایک مدت کے بعد جامع مسجد دہلی کے نمونہ کی ایک بہت خوبصورت اور وسیع و عظیم الشان مسجد جس میں بکثرت حجرے۔ دالان۔ لابی چوڑا حوض ایک بڑا گھر کنواں اور بہت سے سقاویے اور غسل خانے وغیرہ شامل ہیں بن کر تیار ہو گئی۔ ملا حافظ سعد اللہ خطیب اور ملا موسیٰ مؤذن مقرر ہوئے۔ ایک عالم نے اختتام تعمیر کی تاریخ حدیث بنوی سے یہ نکالی تھی۔

۲۔ المسیر بیت المتقین

۸۱ ۱۱ھ

تعمیر میں تین لاکھ اور چند ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ اس مسجد اور جامع مسجد دہلی میں بے حد مطابقت ہے۔ چند چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضرور فرق ہے۔ اول یہ کہ دہلی کی مسجد بلند کرسی پر بنائی گئی ہے جس سے اُس کی شان و دہلا ہو گئی ہے۔ پہلی بھیت کی مسجد شبلی عکے میں واقع ہونے کے باعث نیچی کرسی پر بنائی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ دہلی کی مسجد سنگ سُرخ و سفید سے نہایت استحکام کے ساتھ اور کمال وسعت و فراخی کے ساتھ بنی ہے اور اس کے دروازے بھی

زیادہ بلند ہیں۔ پہلی بھیت کی مسجد چھوٹی اینٹ اور گچ سے نسبتاً کم وسعت اور مقابلتا نیچے دروازے کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے۔ تیسرے یہ کہ دہلی کی مسجد کا دالان بمقابلہ صحن بلند ہے اور اگلی محراب بہت بڑی ہے۔ پہلی بھیت کی مسجد کا دالان اس کے صحن سے قریب قریب ہموار ہے۔ اور سامنے کی محراب مختصر ہے۔ چوتھے یہ کہ جامع مسجد دہلی کے چاروں طرف ایک طویل بازار واقع ہے۔ جامع مسجد پہلی بھیت کے چاروں طرف بازار نہیں ہے۔

ترویج و اشاعتِ علوم حافظ الملک کے عہد حکومت میں روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علما اور فضلا مساجد و سرکاری مدارس میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ ہر ایک عالم یا فاضل کی اُس کے علم و فضل کے موافق تنخواہ مقرر تھی۔ تمام مدرسوں میں کتب درسیہ بڑے بڑے علماء کے مشورہ سے حافظ الملک خود مقرر فرماتے تھے اور طالب علموں کو مقرر شدہ کتابیں حکومت کی طرف سے مفت مہیا کی جاتی تھیں ملازمین سرکار کے لڑکوں کے علاوہ تمام طالب علموں کو قیام و طعام کی سہولتوں کے ماسوا فرداؤں اور تنخواہ روپیہ سالانہ بطور جیب خرچ بھی دیا جاتا تھا۔ جب طالب علم فارغ التحصیل ہو کر ذریعہ فضیلت کو پہنچ جاتا تو علما فضلا اور طلباء ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر اور جلوس ترتیب دیکر اس کو حافظ الملک کے حضور میں لے جاتے۔ حافظ الملک ان تمام لوگوں کی دعوت کرتے اور دعوت کے بعد طالب علم مذکور کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستاویز فضیلت باندھ کر اُس کو زمرہ علما میں منسلک کرتے۔ نیز اسی روز سے جس قدر تنخواہ علما کو دی جاتی تھی اس طالب علم کے لئے بھی مقرر کر دی جاتی۔ اور تعلیم و تعلم یا کوئی دوسرا کام جس سے اس کی طبیعت کو موزونیت ہونی اس کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ طالبان علم کی ایسی عظیم النظیر عزت و حرمت اور خاطر داری و ہمت افزائی جیسی کہ حافظ الملک کرتے تھے شاید ہی کبھی کسی حکمران نے کی ہو۔

طالب علموں کی ولداری کرنے میں انھیں جس قدر شغف تھا اس کا ذیل کے ایک نہایت دلچسپ



واقعہ سے اندازہ ہوگا۔

ایک روز ایک طالب علم نے جو دیش طالب علموں پر مجددِ ارقمہ کی کارِ خزانہ میں آکر مہتمم خانہ سے درخواست کی کہ اُسے مبلغ دو ہزار روپیہ بابت تنخواہ اور کچھ روپیہ پیشگی پرگنہ جہان آباد سے دلوا دیا جائے۔ مہتمم خانہ نے پیشگی روپیہ دینا قبول نہ کیا۔ اور صرف ایک ہزار روپیہ جو اس کا اور اس کی جماعت کے دس طالب علموں کا واجب الادا تھا خزانہ جہان آباد سے برآمد کرنے کی تحریر لکھ کر دے دی۔ طالب علم نے اس تحریر کو لینے سے انکار کر دیا۔ اور وہاں سے اٹھ کر اور دو ہزار روپیہ کی عرضی لکھ کر سیدھا حافظ الملک کے حضور میں پہنچا جہاں ہر حاجت مند کو بلا روک ٹوک حاضر ہونے کی اجازت تھی۔ حافظ الملک نے طالب علم کی عرضی ملاحظہ فرما کر اس کی خواہش کے موافق فرمان لکھنے کا اپنے میسرشی کو حکم دے دیا۔ دو ہزار روپیہ اس قدر آسانی سے ملنے لگے تو طالب علم صاحب کو اب دور کی سو بھی اور عرض کیا کہ: ”میرا کام تو پانچ ہزار روپیہ میں نکلے گا، حافظ الملک نے اُس کی اس حرکت پر تبسم کر کے ارشاد فرمایا کہ: ”پہلے تو دو ہزار روپیہ طلب کرتا تھا اب اپنے قول سے تجاوز مت کر، طالب علم نے کہا کہ: ”میں اپنے سابق قول پر پشیمان ہوں، حافظ الملک نے اس کے اس عذر کو قبول نہ کیا اور مجلسِ ایں تشریف لے جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس پر طالب علم نے جھپٹ کر دامن پکڑ لیا اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ: ”میری عرضی پر پانچ ہزار روپیہ کا حکم اپنے قلم سے ارقام فرما دیجیئے“

حافظ الملک جنھیں طالب علموں کی معمولی سی دشمنی بھی گوارا نہ تھی۔ طالب علم کو دامن پکڑنے دیکھ کر خود بھی فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ اور شفقت پدرانہ کے ساتھ اس کی بہت کچھ تسلی و تسکین کر کے پانچ ہزار روپیہ ہی کا حکم درخواست پر لکھ دیا اور طالب علم مذکور کو زیادہ رنجیدہ نہ ہونے دیا۔

حافظ الملک کی اسی حُسنِ نیت اور حُسنِ عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے زمانِ سعادت اتران میں بکثرت شائے مایہ لوگ علومِ ظاہری حاصل کر کے عالمِ باخبر بن گئے۔

جس طرح حافظ الملک طالب علموں کے ساتھ شفقت و محبت کرتے تھے اسی طرح ان کے اُستادوں یعنی علما اور فضلا کا کمال درجہ احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی صحبت سے انتہائی محفوظ و مسرور ہوتے تھے اور ان کی صحبت کے واسطے رات کا وقت مخصوص کر دیا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ۔

”جب سفر سے پہلی صحبت کو وہ اپسی کا اتفاق ہوتا ہے تو مجھ کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ میں ایک ایک فاضل اور عالم کے مکان پر جا کر ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں گا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ لوگ پیش دستی کر کے میری ملاقات کے واسطے خود چلے آئے ہیں اور میرے دل کی خوشی آدھی رہ جاتی ہے۔ اتنا انتظار نہیں کرتے کہ میں ان کے مکان پر جا کر ملاقات کروں۔ صرف شاہ ابوالفتح اور مولوی عبدالرزاق انتظار کرتے ہیں جس سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے“

اخلاق و عادات حافظ الملک نے تمام عمر افتاد پرہیزگاری اور پاکبازی کی زندگی بسر کی۔ ہر قسم کے لہو و لعب سے نفرت تھی۔ مسکراہٹ کا تو ذکر کیا ہے حقہ بھی نہ پیتے تھے اور نہ پان تنباکو سے غربت تھی۔ لباس نامشروع کبھی نہ پہنتے تھے۔ اور کلام فضول اور گالی گلوچ سے سخت نفرت تھی۔ لوگوں کی خطا پوشی اور دل داری اُن کا شیوہ تھا۔ جو دوستیاء رحم و حلم اور عجز و فروتنی کے مجسمہ تھے۔ مہارت شکاری۔ پرہیزگاری۔ حق شناسی۔ دین داری اور صدق گفتاری ان کے کیرکٹر کی خصوصیات تھیں۔ اور عقل و ادب۔ سیاست و تدبیر جن عمل اور حسن کلام کی خوبیاں ان کی ذات والا صفات ہیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

معمولات روزانہ شرع شریف پر پوری استقامت رکھتے تھے۔ ہر وقت با وضو رہتے اور کسی وقت درود شریف یا ادعیہ ماثورہ کے ورد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ سوائے نماز چاروں وقت

کی نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ آخر شب میں اپنے خادموں میں سے کسی کو بیدار کئے بغیر بستر سے اٹھتے اور خود غسل و وضو سے فارغ ہو کر نماز تہجد ادا کرتے اس کے بعد ایک منزل قرآن شریف کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ سپیدہ صبح نمودار ہو جاتا اور اُس وقت تھوڑی دیر کے لئے دوسری دعاؤں اور اوراد میں مشغول رہ کر حرم سرا سے برآمد ہوتے اور مجلس کی مسجد میں نماز فجر باجماعت ادا کرتے۔ بعد نماز مصلے ہی پر بیٹھے بیٹھے اپنے تمام اوراد و وظائف پورے کرتے۔ نماز اشراق پڑھ کر مصلے سے اٹھتے۔ اور دوبار عام میں تشریف لاکر وہاں حاجت مندوں اور مظلوموں کی احوال پرسی اور خلق اللہ کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ اس دربار عام میں دربانوں کو حکم تھا کہ کسی حاجت مند یا دواخواہ کو حضور میں حاضر ہونے سے نہ روکیں۔ چنانچہ ہر شخص بلا روک ٹوک آتا اور اپنی مراد پاتا تھا۔ کچھ دن چڑھے دربار عام کو برخواست کر کے نماز چاشت ادا کرتے اور پھر دوبار خاص میں جا کر معاملات مالی و ملکی میں مصروف ہو جاتے۔ تزیب و پیر دربار خاص سے اٹھ کر کبھی حرم سرا میں تشریف لیجاتے اور اپنی اولاد کے ہمراہ خاصہ تناول فرماتے اور وہیں قیلولہ فرماتے اور کبھی باہر کے خلوت خانے میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ کھانا کھا کر آرام فرماتے۔ تین گھنٹے قیلولہ کرنے کے بعد بیدار ہو کر تنہا نماز نظر ادا کرتے اور دلائل الخیرات، حصن حصین وغیرہ دیگر دعائیں اور اوراد جو ہمیشہ پڑھتے تھے ان میں مشغول ہو جاتے۔ جمعہ کے روز قیلولہ سے جلد بیدار ہو کر دوبارہ غسل فرماتے اور تبدیل پوشاک کر کے نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا کرتے اس کے بعد محتاج لوگوں کو جو جامع مسجد کے دروازے پر جمع ہو جاتے تھے خیرات و عطیات سے بہرہ اندوز کر کے مجلس کو واپس تشریف لانے اور حسب معمول ورد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ اگر پہلی بھیت میں ہوتے تو جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ بلا ناغہ اپنی والدہ ماجدہ کے مقبرہ میں تشریف لے جاتے وہاں سے واپس ہو کر حسب معمول دربار عام میں جلیس کرتے۔ عصر کے وقت روزانہ دوبار سے اٹھ کر علما و مشائخ کے ساتھ خلوت میں بیٹھتے۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر دو گھنٹی چل قدمی فرماتے اُسی چل قدمی کی حالت میں وظائف معمولی بھی ختم کر لیتے تھے۔ اس کے بعد علما و فضلا و مشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر تفسیر و حدیث اور

مسائل فقہ کا تذکرہ ہوتا۔ ایک پہر رات گئے نمازِ عشرِ اولیٰ جاتی جس سے فراغتِ پاکر سادات و علماء کے ہمراہ رات کا کھانا تناول فرماتے تھے اس وقت قوال بھی حاضر ہوتے اور حمد و نعت اور انبیا و اولیاء کی مدح و ثنا میں سوز و گداز کے ساتھ اشعار گاتے تھے۔ کھانے کے بعد قوال رخصت ہو جاتے لیکن علماء حاضر رہتے تھے۔ اور کہیں نصف شب کے قریب حافظ الملک حرمِ سرا میں تشریف لے جاکر آرام کرتے تھے۔ حافظ الملک کا معمول تھا کہ شب و روز میں صرف تین گھنٹے شب میں اور تین گھنٹے دن میں کُل چھ گھنٹے سوتے تھے۔ بقیہ اٹھا رہ گھنٹے کا دستور العمل وہی تھا جو اوپر بیان کیا گیا۔

معمولاتِ ماہِ صیام
وعید الفطر

رمضان المبارک کے مہینے میں سنتوں۔ تراویح اور نوافل میں چند ختم کلام اللہ کرتے تھے۔ جب سے کہ صاحبزادہ حافظ محمد یار خاں نے کلام پاک حفظ کر لیا تھا اول اُن سے کلام اللہ سنتے تھے اس کے بعد اور حافظ ماہر کئے جاتے تھے۔ جماعت کثیر کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے بعد دو تین حافظوں کے ہمراہ خلوت خانہ میں تشریف لاکر نوافل میں خود ایک منزلِ قرآن سُنانے۔ ماہِ رمضان کے عشرہ آخر میں حافظ الملک مسجد میں اعتکاف کرتے تھے اور عید کے دن تمام امیروں اور غریبوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لے جاکر نماز ادا کرتے تھے۔ وہاں سے لوٹ کر دربارِ عام میں جلوس کر کے انعامات و تصدقات لوگوں کو عطا کرتے تھے۔

احترامِ عشرہ محرم
ان ایام میں قانوناً ممنوع تھا۔ ہر روز ہزاروں کی تعداد میں فقرا اور غریبا حافظ الملک کے در و دولت پر حاضر ہوتے تھے اور انھیں صبح و شام نیازِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ بالخصوص ساتویں تا بیسویں تاریخ تک بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ سادات۔ علماء۔ مشائخ اور صلیا کی دعوت عام ہوتی تھی۔ اول سادات کو دیوانِ عام میں طلب فرما کر انواع و اقسام کے کھانے کھلائے جاتے تھے۔ حافظ الملک اپنے ہاتھ میں ٹوٹالے کر ہر ایک سید کے ہاتھ خود دھلائے اور ایک ایک شخص کے سامنے اپنے ہاتھ ہی سے کھانا رکھتے۔ کھانے کے بعد بطورِ نذر نذر بھی پیش کیا جاتا تھا۔ جب سادات رخصت ہو جاتے تو علماء۔ صلیا۔ اُن کے بے مسا کین اور نابینا

وینیم لوگوں کو گروہ درگروہ باری باری سے طلب کیا جاتا۔ اور قسم قسم کے کھانوں سے انکی تواضع کی جاتی۔ اس کے بعد صلائے عام دیدی جاتی تھی۔ بیوہ عورتیں۔ فقیر اور غریب جس قدر بھی حاضر ہوتے انھیں کھانا اور کچھ کچھ زہ نقد دیا جاتا۔ الغرض سات سے دس تک مسلسل چار روز صبح سے لے کر پہر رات گزرتے تک یہی معاملہ رہتا اور حافظ الملک نے شمار روپیہ صرف کر کے نہایت اہتمام و عقیدت کے ساتھ ہر سال حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب کی یادنازہ کرنے لگے۔

حرمیت ماہ ربیع الاول جس طرح حافظ الملک ماہ رمضان المبارک اور عشرہ محرم میں نذر و نیاز اور لاکھوں روپیہ کی خیر خیرات کرتے تھے اسی طرح ماہ ربیع الاول میں دسویں تاریخ سے بارہویں تاریخ تک محافل و مجالس منعقد کر کے بڑی دریا دلی کے ساتھ تقسیم طعام و شیرینی وغیرہ کرتے تھے۔

سادات کے ساتھ عقیدت حافظ الملک کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور سلطان الاولیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بر دست عقیدت و ارادت تھی اس کی وجہ سے سادات عظام کی بے حد عزت و توقیر کرتے تھے۔ اور ان کے پاس خاطر کو اپنے اوپر واجب و لازم سمجھ کر غایت حق شناسی سے سادات کا اس حد تک ادب بجالانے لگے کہ اگر سادات کے بچوں میں سے کوئی بچہ دربار عام یا دربار خاص میں چلا آتا تو دیکھتے ہی اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو کر اس کو اپنے پہلو میں بٹھالیتے تھے اور پرسش احوال کر کے جب تک اس کا کام نہ ہو جاتا دوسرے کام کی طرف التفات نہ فرماتے۔ ہرگز اس امر کو گوارا نہ کرتے تھے کہ سادات میں سے کوئی فرد بے وجہ یا بوجہ رنجیدہ خاطر ہو۔ چنانچہ اسی سلوک کے باعث اطراف و اکناف عالم سے صحیح النسب سادات

۱۔ سرزمین روہیل کھنڈ میں موجودہ زمانے کی سی دھوم دھڑکنے کی محرم داری جس میں باجے تاشے۔ نوبت و علم اور تخت تغزلوں وغیرہ کے جلوس نکالے جاتے ہیں اس کار وہیلوں کے دو رکھوستان یا اس سے قبل کے زمانہ میں جہاں تک تخمین کی گئی وجود نہیں ملتا۔ اس قسم کی تعزیر داری کا سلسلہ بعد شہادت حافظ الملک والیان او دھڑ کے بست و ہفت سالہ عہد سلطنت میں شروع ہوا۔ کالا امام باڑہ اور بریلی میں شیعہ حضرات کی دوسری مقدس عمارتیں بھی اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

کے اکثر قبائل اور صحیح النسب پرزادے دو پہل کھڑے ہیں آکر سکونت پذیر ہو گئے اور حافظ الملک نے ان سب کو بیش قرار دیا۔ جاگیریں اور جوہلیاں مرحمت کیں تاکہ کمال اطمینان سے بسر اوقات کریں۔ مذکورہ سادات کے مستند خاندانوں میں ایک خاندان سید احمد شاہ عرف شاہ جی بابا کا تھا جو سید علی ترندی المعروف بہ پیر بابا کی اولاد ہیں سے تھے اور افغانستان سے بریلی تشریف لائے تھے۔ بڑے نیک خصلت۔ اہل باطن۔ عقل و دانش میں اوسطوں کے زمانہ اور تہور و مردانگی میں پکا نہ روزگار تھے۔ افغانوں کے بہت بڑے پیر تھے۔ ان کا کچھ حال نواب قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کی جنگ میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ سید احمد شاہ کے ایک صاحبزادے سید معصوم شاہ صاحب تھے جن سے حافظ الملک کو کمال درجہ عقیدت تھی اور اسی عقیدت کی بنا پر ان کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ سید صاحب کا بالعموم قلعہ نوحملہ واقع بریلی میں قیام رہتا تھا۔ اس قلعہ کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔ صرف نوحملہ کی عظیم الشان مسجد ضرور باقی ہے جس میں حضرت شاہ جی بابا اور سید معصوم شاہ کے مزارات ہیں۔

حافظ الملک سادات کے فرقہ عالیہ کی جس درجہ قدر و منزلت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کی چند معتبر حکایات سے ہوگا۔

حکایت اول۔ ایک سید صاحب سید خواجہ حسین نامی برفاقت نواب محبت خاں روہیل کھنڈ میں قیام رکھتے تھے۔ ایک روز سید صاحب کی حافظ الملک کے صاحبزادے نواب حرمت خاں سے کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ سید صاحب نے جلال میں آکر حرمت خاں کی گردن پر چھرا مار دیا یہ خبر حافظ الملک کو معلوم ہوئی تو گھبرا کر پوچھا کہ۔

”حرمت خاں زندہ ہے یا مر گیا؟“

لوگوں نے عرض کیا کہ۔

کچھ عرصہ ہوا خان بہادر سردار محمد رحیم داغال مرحوم پٹن عظیم بریلی نے رقم نیز صرف کر کے مسجد نوحملہ کی مرمت کرائی ہے۔

”زندہ ہے زخمی ہو گیا ہے“

اس پر حافظ الملک سجدہ شکر بجالائے اور فرمایا۔

والحمد للہ کہ رحمت خاں بچ گیا۔ ورنہ میں ہرگز ایک غلام زادے کا قصاص شاہزادے

سے نہ لیتا۔

اور اس کے بعد اس واقعہ کا کبھی کوئی تذکرہ بھی سید صاحب مذکور سے نہ کیا۔

حکایت دوم۔ ایک روز ڈوڈا کوؤں نے پہلی بھیت کے قریب ایک مسافر کو قتل کر دیا اور اُس کا اسباب لوٹنے لگے۔ ہنوز غارتگری میں مصروف تھے کہ اُس نواح کے زمینداروں کو خبر ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے آکر ڈوڈا کوؤں کو پکڑ لیا۔ اور مقتول مسافر اور مجرموں کو حافظ الملک کے حضور میں لے آئے۔ مجرموں نے اقرار جرم کیا اور حافظ الملک نے قصاص میں ان کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ جس وقت دونوں شخص قتل گاہ کو بھیجے جا رہے تھے تو زندگی سے مایوس ہو کر ان میں سے ایک نے یہ کہہ دیا کہ۔

”ہم سید ہیں“

یہ بات فوراً حافظ الملک کے گوش گزار کرائی گئی جس پر ارشاد ہوا کہ۔

”چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو سادات سے منسوب کرتے ہیں ان کے قتل میں جلدی نہ کرنی

چاہئے بلکہ حوالات میں بند کر دینا چاہئے“

حاضرین مجلس نے ان دونوں کو اس دعوے میں دروغ گو سمجھ کر عرض کیا کہ۔

”مسادات سے ایسا فعل قبیح کب سرزد ہوا کرتا ہے اور رہنئی کا پیشہ سادات لوگ کب

کیا کرتے ہیں محض جان کے خوف سے ان لوگوں نے سید ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ایسے

شرارت پیشہ لوگوں کا قتل کرنا نہایت ضروری ہے۔“

حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”چونکہ میں ان لوگوں کے حسب و نسب سے واقف نہیں اور سوائے ذاتِ علام الغیوب ان کے جھوٹ اور سچ کا کسی کو علم نہیں۔ اس لئے میں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مولانا علی کا مہترین تلام ہوں مجھ پر لازم ہو گیا کہ میں ان کی تعظیم و تکریم کروں۔“
 ”ناہم چونکہ ان سے بڑا بھاری گناہ سرزد ہوا ہے اس واسطے تھوڑے عرصہ کے لئے ان کو مجلس میں بھیجتا ہوں تاکہ متنبہ ہو کر شاید اس پیشینہ ذمہ سے نائب ہو جائیں۔ میں نے محض ان کے اصلاح حال کے لئے یہ تجویز کی ہے ورنہ میری کیا مجال کہ ان کو مزادے سکوں۔“
 چنانچہ حسب الارشاد مجرم قتل گاہ سے واپس لائے گئے۔ اور جیل خانے میں قید کر دئے گئے۔ ان لوگوں کو قید میں مشکل سے دو چار روز گزرے تھے کہ حافظ الملک نے ان کو اپنے حضور میں طلب کیا اور فرمایا کہ

”اپنے شیوہ نام ضمیمہ سے تو بہ کیجئے۔ اگر رنگا دستی کی وجہ سے آپ ایسا کرتے تھے تو قوری کر لیجئے۔ روپیہ کا لالچ اگر ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہو تو جس قدر چاہئے روپیہ لے لیجئے۔“
 دونوں شخصوں نے تہ دل سے تو بہ کر کے ملازمت اختیار کر لی اور جب تک زندہ رہے حافظ الملک کے لئے سرفروشی کرتے رہے حتیٰ کہ حافظ الملک کی شہادت کے وقت جو معدودے چند لوگ اُن کے ہمراہ رہ گئے تھے اُن میں یہ دونوں شخص بھی تھے۔

حکایت سوم۔ قصیدہ پتھل ضلع بریلی کے سادات زمانہ قدیم سے شاہی فراہم کی رو سے ایک ہزار بیگہ آراضی خام پر قابض تھے۔ حافظ الملک کے دور حکومت میں یہ قصبہ ملک سید خاں خٹک کے پاس مستاجری میں تھا اور اس کا نائب ملا خوشحال خاں اس کی طرف سے بھیجیل وصول کرتا تھا۔ اس وقت سادات نمبر کو رسات ہزار بیگہ آراضی اپنے پاس کاشت میں رکھتے تھے۔ اور اس کا لگان

ہندو سبابتن ادا کرتے تھے۔ ملا خوشحال خاں نے پیداوار زیادہ ہونے کے باعث نئے بند و بست کے بموجب کچھ زیادہ روپیہ طلب کیا تو سادات نے اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر ملا خوش حال خاں نے ملک سید خاں کو لکھ کر درخواست کی کہ۔

”اگر حافظ الملک کا پروانہ خاص قصبہ سیتھل کے سادات کے نام اس مضمون کا صادر ہو جائے کہ بند و بست حال کے بموجب اضافہ کار روپیہ بھی سرکار میں داخل ہوا کرے تو سیدوں سے روپیہ وصول ہو جائے گا“

اس درخواست کی بنا پر ملک سید خاں نے اس معاملہ کو حضور میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ۔
”جدید بند و بست کے موافق سیدوں سے روپیہ وصول کرنا ہمیں منظور نہیں کیونکہ سادات کو اور لوگوں کے زمرہ میں کیونکر شریک کیا جاسکتا ہے“
ملک سید خاں نے پھر عرض کیا کہ۔

”خوش حال خاں اور مسلمانوں کے برابر ہی سادات سے روپیہ طلب کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کے دینے سے بھی انکار کرتے ہیں“
حافظ الملک نے جواب دیا کہ۔

”سادات لوگ اور مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ لہذا عام مسلمانوں کے برابر اس سے روپیہ وصول کرنا آئین عقیدت و ارادت سے بعید ہے“
ملک نے عرض کیا کہ پھر جیسا ارشاد ہو اس کی تعمیل کی جائے۔ حکم ہوا کہ۔
”سادات کے حق میں سادات ہزار ہیکہ کاشت کی معافی کا پروانہ تحریر کر دیا جائے“

جب یہ حکم نامہ ملا خوش حال خاں کو اس کی امید کے خلاف موصول ہوا تو اس نے یہ پروانہ سادات کو نہ دکھایا۔ لیکن ساتھ ہی روپیہ کا مطالبہ بھی ترک کر دیا۔ اور جب سادات لوگ معمول کے موافق اس کے پاس روپیہ لے کر جاتے تو وہ لینے سے انکار کر دیتا اور کہہ دیتا کہ کچھ عرصہ کے بعد جیسی تمھاری خواہش ہے اس کے موافق عمل میں آجائے گا۔ کئی مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو سیدوں کو خوف

ہوا اور آپس میں مشورہ کیا کہ زر لگان نہ لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملا خوش حال خاں نے ہمارے معاملے کو حافظ الملک کے حضور میں لکھا ہو گا وہاں سے جیسا حکم آوے گا اُس پر عمل کرے گا۔ ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ بذاتِ خود حضور میں پہنچ کر اپنے معاملات کو من و عن عرض کر دیں۔ یہ خیال اپنے دل میں مستحکم کر کے اس گروہ میں سے دو تین آدمی پہلی بھیت حاضر ہوئے اور جمعہ کے دن جبکہ حافظ الملک جامع مسجد میں تشریف رکھتے تھے حضوری میں بار بار پاب ہوئے۔ حافظ الملک نے دیکھتے ہی ان سے دریافت فرمایا کہ۔

”آپ صاحبوں نے یہاں تک آنے کی کیسے تکلیف گوارا کی“

ان لوگوں نے عرض کیا کہ۔

”ہم لوگوں نے کئی مرتبہ سابق کارِ مقررہ ملا خوش حال خاں کو دینا چاہا لیکن اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔ اُس کے اس فعل کا سبب ہم کو نہ معلوم ہو سکا۔ اور ہم نے خیال کیا کہ مبادا اُس نے ہمارے متعلق حضور میں کوئی خیر بھیجی ہو تب ہم حاضر ہوئے ہیں تاکہ اپنے معاملات کو خود حضور میں عرض کر دیں“

حافظ الملک نے ارشاد فرمایا کہ۔

”آپ کے یہاں آنے کی صرف اتنی ہی وجہ ہوئی یا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے“

ان لوگوں نے جواب دیا کہ۔

”جو واقعہ تھا ہم نے عرض کر دیا“

فرمایا کہ۔

”اچھا شکر ہے دل میں پہلے ہی یہ بات گذری تھی کہ خوش حال خاں نے آپ کے معاملہ میں کوئی مداخلت کی ہوگی جس کے باعث آپ نے سفر کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی۔ اب آپ وطن کو واپس تشریف لے جائیں اور خاطرِ جمعی کے ساتھ اپنے گھروں پر بیٹھ کر سات ہزار بیگہ آراضی کو اپنی ملکوتہ چھیں اور ایک کوڑی کسی کو نہ ادا کریں۔ یہ سب

معافی ہے

حافظ الملک کا یہ فرمان سُن کر سادات دعائیں دیتے ہوئے خوش خوش اپنے اپنے مکانات کو واپس آئے۔ مذکور الصدر واقعات سے ظاہر ہوا کہ حافظ الملک اگر وہ سادات کے ساتھ کس درجہ مراعاتِ ملاحظہ رکھتے تھے اور ان کی قدرومنزلت میں کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

مشائخ و صوفیہ کرام کے ساتھ ارادت ایک دوسرا گروہ جس سے حافظ الملک کو بہت زیادہ عقیدت و ارادت تھی وہ مشائخ و صوفیہ کا تھا۔ ہمیشہ فقرا اور عرفا کے متلاشی رہتے تھے اور جس شخص میں مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی کی بُو پاتے اس سے حقان کی سلسلہ جنابی کرتے۔ چنانچہ حافظ الملک کے گرد بریلی و پہلی بھیبت میں اکثر مشائخ مثل آخون فقیر صاحب۔ حافظ شاہ جمال اللہ صاحب۔ شاہ ابوالفتح صاحب۔ حافظ صدیق صاحب۔ شاہ کلیم اللہ صاحب اور میاں شاہ عزت اللہ صاحب وغیرہم جمع ہو گئے تھے۔ شاہ عزت اللہ صاحب کو جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے تھے حافظ الملک نے مبلغ چھ ہزار روپیہ سفر خرچ بھیج کر سہروردی شریف سے بلایا تھا۔ شاہ صاحب کو حافظ الملک نے بریلی میں مقیم کیا۔ اور ان کے متعلقین میں سے ہر ایک کے لئے درماہ مقرر فرما دیا۔ اسی طرح حافظ الملک سید احمد صاحب۔ میر احسن صاحب اور سید معصوم صاحب کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں بعض مثل شاہ جمال اللہ صاحب اور آخون فقیر صاحب

۱۔ گلستانِ رحمت -

۲۔ آخون فقیر صاحب کا پورا نام آخون محمد زیارت خاں صاحب تھا شہداء میں بریلی میں انتقال ہوا۔ اور محلہ جوبلی میں دفن ہوئے۔ اُن کا مقبرہ اُن کی قبر میں جو آخون زادے کی مسجد کے نام سے مشہور ہے آج تک موجود ہے مشہور ہے کہ اُن کو جتنا نے دفن کیا تھا۔ اُن کے دو لڑکے تھے ایک آخون زادے ارادت خاں جولا ولد فوت ہوئے۔ دوسرے آخون زادے عباس علی خاں اقتدار الدولہ مصمص جنگ بہادر بن سے ایک لڑکا اور چند لڑکیاں ہوئیں۔ ایک لڑکی جو اُن کی پہلی بیوی سے تھیں وہ علی مردان خاں ابن معظم خاں ابن سعد اللہ خاں سے منسوب ہوئیں۔ دوسرا الذکر دونوں صاحب افغانستان سے آکر بریلی میں سکونت پذیر ہوئے تھے، جن کے بطن سے حافظ محمد عثمان خاں اور محمد عمران خاں پیدا ہوئے۔ ۴۴

بہ سبب اشتغالِ ذکر و فکر دائمی حافظ الملک کے پاس نہ آتے تھے۔ ان لوگوں کی خدمت میں حافظ الملک خود تشریف لے جا کر خائف و معارف کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اہل اللہ کی اسی قسم کی صحبتوں اور بزرگانِ دین کی توجہاتِ باطنی و التفاتِ قلبی نیز ذاتی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی بدولت حافظ الملک نے اس قدر سرمایہ باطنی حاصل کر لیا تھا کہ اُن کے ایک کلمہ ارشاد و ہدایت سے بتدی فتنی ہو جاتا تھا۔ لیکن غایت حق طلبی و خدا جوئی سے اپنے آپ کو معمولی سالک کے طور پر تصور کرتے تھے۔ مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ جو اور فقہ اور مشائخِ روہیل کھنڈ کے جس گوشہ میں بھی تھے حافظ الملک ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے اور ان کا سالانہ مقرر کر دیا تھا جو ان کے مقاموں پر پہنچایا جاتا تھا۔ روہیل کھنڈ سے باہر میاں شاہ لال صاحب رائے بریلوی جن کا وطن و مسکن شجاع الدولہ کے علاقہ میں تھا باوصف بُدِ مکاری اور عدم ادراک صحبت حافظ الملک کی سرکار سے ماہانہ و سالانہ وظیفہ پاتے تھے۔ حافظ الملک نے شاہِ مسیح اللہ صاحب مارہروی کا بھی دو روپیہ یومیہ مقرر فرمایا تھا۔ جو تا قیام حکومتِ روہیل کھنڈ جاری رہا۔ اسی طرح کئی ہزار روپیہ حضرت سلطان المند شیخ الشیوخ خواجہ بزرگ مسیح الملک والدینِ چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ فرید الملک والدینِ حضرت شیخ فرید شکر گنج۔ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی۔ شیخ سلیم چشتی رحمہ۔ اور شیخ ہدیہ الدین دار۔ اور دیگر بزرگانِ دین کہ جو طول و عرض ہندوستان میں مدفون ہیں ان کے مزارات کے مجاورین کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ فی الجملہ حضراتِ اولیاء اللہ کے ساتھ حافظ الملک کو جس قدر عقیدت و ارادت تھی اس کا بیان کرنا حدِ تحریر سے باہر ہو۔

مہم حافظ محمد جہان خاں کے بیٹے محمد رفیع الشان خاں اور اُن کے بیٹے محمد عظیم الشان خاں ہیں جن کا ذکر دیباچہ میں کیا گیا ہے۔ سلطان یہ امر کثرتِ واقعات سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حافظ الملک نہایت زہر دست اہل باطن اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ جو لوگ اس نقطہ نظر سے اُن سے عقیدت رکھتے ہیں ان کو ان کے فیوضِ روحانی سے بہت کچھ فیض پہنچ چکا ہے اور صد ہا مجتہدِ مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔

عورتوں کے ساتھ سلوک حافظ الملک کے عہد حکمرانی میں عورتوں اور مردوں کے ساتھ مساویانہ سلوک ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات عدالتیں عورتوں کی حمایت و طرف داری میں مردوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں۔ جو مرد اپنی عورتوں کے ساتھ بجا مظالم کرتے تھے انکو باز پرس کے بغیر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ محلہ لڑکیوں کے مدارس کھلے ہوئے تھے اور غیر مستطیع اُستانہوں کو حافظ الملک کی سرکار سے وظیفے مقرر ہو جاتے تھے۔ سرکاری اخراجات میں ایک ماہی بھی تھی جس سے غریب لڑکیوں کی شادی کے وقت ان کے والدین کو سامان جہیز وغیرہ کے لئے مدد دی جاتی تھی اور اس امداد کے پہنچانے میں اس قدر رازداری کو کام میں لایا جاتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ حافظ الملک اپنی لڑکیوں کی شادی ہمیشہ شب کے وقت کرتے تھے اور سامان جہیز کو پوشیدہ کر کے دیتے تھے تاکہ غریب لڑکیوں کو حسرت و یاس نہ ہو۔ جنگ کے مواقع پر اہالیان فوج کو تاکید اکید کر دی جاتی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ ماریں اور نہ ان کے سامان کو ہاتھ لگائیں۔ حتیٰ کہ مفتوحہ علاقوں کی اُن عورتوں کے لئے جن کے خاوند مارے جاتے تھے وظائف مقرر کر دئے جاتے تھے۔ چنانچہ اوائلِ شہِ عالم میں پرگناتِ داس کوہ کی فتح کے سلسلہ میں جب ایک مقام کھیرا گڑھ بھی فتح ہوا اور دوسرے مفتوحہ مقامات کی طرح حسب معمول اس مقام کی تمام بیواؤں کے نام بھی وظائف مقرر ہوئے تو گرد و نواح کے غیر مفتوحہ علاقوں کی مفلوک الحال عورتوں نے بھی اپنے آپ کو کھیرا گڑھ کی بیوہ کہہ کر اپنے نام لکھوا دئے اور ان کے نام بھی وظائف مقرر ہو گئے تو اس پر یہ مثل اب تک مشہور ہے کہ

’کہیں کی مرے کھیرا کی رانڈ‘

خود اپنی فوج کے جو سپاہی مارے جاتے تو یہ قاعدہ مقرر تھا کہ ان کی بیواؤں کے خیال سے خالی شدہ آسامیوں پر ان کے بیٹوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ جن کے بیٹے نہ ہوتے ان کی بیواؤں سے بارگاہ طلب کر لئے جاتے تھے۔ جو عورتیں بارگاہ بھی نہ دے سکتی تھیں ان کے نام بطریق خیرات وظائف مقرر کر دئے جاتے تھے۔

ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ طرزِ حکمرانی اور ذاتی حالات کے ضمن میں ہم نے عام رعایا کے ساتھ حافظ الملک کے حسنِ سلوک اور ان کی عطا کردہ مراعات کا ذکر کیا ہے۔ وہ محض مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص نہ تھیں۔ بلکہ ہندو بھی اُن سے مستفیض ہوتے تھے۔ شریعتِ اسلامیہ کے سچے اور سچے پیرو ہونے کے باعث اور اسلام کے پاک اصولوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی وجہ سے حافظ الملک اپنی اُس رعایا کو جو اس پند تھی اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں خلل اندازی نہ کرتی تھی ہر طرح کا آرام پہنچاتا اور اس کے لئے ترقی کی راہیں کھولتا اپنا فرضِ ایمانی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو اپنے فرائضِ مذہبی کی ادائیگی میں پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ آئے دن بڑے بڑے مندروں اور دوسری عبادت گاہوں کی تعمیر ہوتی تھی اور حکومت کبھی کبھی مراحت نہ کرتی تھی۔ مذہبی تہوار بدستور قدیم بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منائے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کی جانب سے کسی طرح کی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔ گائے۔ باجا اور محرم و رام لیلا کے قضیوں کا وجود نہ تھا۔ اور روہیلوں کے ابتداء سے زمانہ حکومت سے انتہا تک کسی ہندو مسلم کا پتہ نہیں ملتا۔ پہلا ہندو مسلم فساد دارا کوٹ بریلی میں ۱۷۳۷ء میں ہوا جبکہ روہیلوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

مخالف و موافق مورخین کی تمام مستند تاریخوں کی ورق گردانی کر جائیے لیکن کوئی ایک ایسا واقعہ نظر سے نہ گذرے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہندوؤں نے اس سرزمین میں اپنی غالب اکثریت کے باوجود من حیث القوم مسلمان حکمرانوں کے خلاف کوئی مذہبی بغاوت کی ہو۔ ہو سکتا ہو کہ طاقتور حکومت کا خوف اس امر میں مانع ہوا ہو لیکن ہنگامہ ۱۷۵۷ء میں تور و ہیلہ سلطنت کو زوال ہوئے عرصہ گزر چکا تھا پھر بھی جب حافظ الملک کے پوتے خان بہادر خاں نے از سر نو روہیلہ حکومت قائم کرنا چاہی تو ان کی تقریباً ساٹھ ہزار فوج میں بہ تعداد کثیر ہندو شامل تھے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ روہیلوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں کس قسم کا سلوک کیا ہو گا کہ جسکی خوشگوار یاد نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

علماء صوفیاء اور مشائخ بطور خود مذہبی تبلیغ کرتے تھے لیکن تبلیغ حکومت کے فرائض میں شامل نہ تھے۔

نہ حکومت کی طرف سے اس کام کے لئے روپیہ دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی اعلیٰ معاشرت کو پسند کر کے با ان کے عمدہ مذہبی اصولوں کو بہتر سمجھ کر اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا خود ہندوؤں میں زمانہ حال کی طرح اُس زمانہ میں تبلیغِ مذہب کا طریقہ رائج نہ تھا۔ ورنہ اس کی یقیناً مانعت نہ ہوتی۔ اور جس طرح عہدِ قدیم میں اسلامی حکومت سے پہلے ہندو راجاؤں نے اپنی اپنی مملکتوں میں عرب کے مبلغِ مذہب تاجروں کو مسجدیں بنانے اور تبلیغِ اسلام کی اجازت دینے میں پس و پیش نہ کیا اسی طرح مسلمان حکمران ہندوؤں کو اپنا مذہب پھیلانے کی اجازت دیدینے میں مطلق تکلف نہ کرتے۔

اگر وہیلے زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بناتے تو آج روہیل کھنڈ میں ہندوؤں کی نہیں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روہیل کھنڈ کے صدر مقام یعنی خاں ضلع بریلی اور دارالاقامہ پہلی بھیت تک میں ہندوؤں کی آج تک زبردست اکثریت ہے اور تمام ضعیف العمر ہندو اپنے تجربہ سے اور اپنے اسلاف کے اقوال سے ہی بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے طرزِ عمل میں ہمیشہ غیر متعصب رہے ہیں اور انھوں نے کبھی ہندوؤں کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔

مذہبی آزادی کے علاوہ ہندوؤں کو زراعت و تجارت میں بھی گراں قدر مراعات و حقوق حاصل تھے۔ بلکہ مسلمان تاجر بالعموم فوجی ملازمت کو زیادہ پسند کرتے تھے زراعت و تجارت تمام و کمال ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ہندوؤں کی بعض قومیں مثل کھتری ٹھاکر اور راجپوت فوج میں نوکری کرتے تھے۔ ویشنؤ راجپوت کے عہدوں کے لئے سوزوں سمجھے جاتے تھے۔ اور کالیسم اہل قلم ہونے کے باعث حکومت کے تمام دفاتر میں ملازم تھے۔ سفارت کے اہم اور نازک فرائض بھی بالعموم ہندو و متقدمین کے سپرد کئے جاتے تھے۔ چنانچہ حافظ الملک نے نشی ٹیکہ چند اور نشی چتر بھوج کو بارہا بڑی بڑی اہم سفارتوں پر بادشاہِ دہلی۔ مرہٹوں۔ جاٹوں۔ شجاع الدولہ اور انگریزوں کے پاس روانہ کیا۔

دیوان کا عہدہ جو مدارالہام یا وزیر اعظم کے برابر سمجھا جاتا تھا خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا۔ پہلے راجہ مان رائے حافظ الملک کے دیوان رہے اور ان کے بعد راؤ پہاڑ سنگھ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے جن کی جاگیر میں کم و بیش ۷۰ گاؤں تھے۔ ان لوگوں کے حافظ الملک سے نہ صرف برادرانہ اور عزیز دارانہ تعلقات تھے بلکہ یہ لوگ ان کے جملہ مالی و ملکی معاملات میں سیاہ و سپید کے مالک اور غیر معمولی اختیارات کے حامل تھے حافظ الملک کی مجلس مشاورت جس میں اہم معاملات طے پاتے تھے اُس میں ہندو اعیان و دولت بھی شریک ہوتے تھے جن کی موجودگی کے بغیر بالعموم کوئی مجلس انعقاد پذیر نہ ہوتی تھی۔ اور ان کی رائے کو بڑی وقعت دی جاتی تھی۔

حافظ الملک کی نظر میں اللہ کی تمام مخلوق یکساں طور پر عزیز تھی۔ جب وہ بذل و احسان کرتے تو یہ نہیں دیکھتے تھے کہ کون ہندو اور کون مسلمان ہے۔ شہرِ پناہ پہلی بھیت کی تعمیر کا واقعہ لکھا جا چکا ہے۔ میوانیوں اور مارواڑیوں کے واسطے جن میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو تھے محض وجہ معاش متیا کرنے کے لئے انھوں نے کس طرح ایثار و قربانی سے کام لیا۔ اسی طرح ۱۷۶۵ء میں آتش زدگی اور زلزلہ سے شہرِ پناہ پہلی پر تباہی آئی تو انھوں نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا وہی ہندوؤں کے ساتھ کیا۔ ایک اور واقعہ ہے کہ حافظ الملک جب صاحبزادہ ارادت خاں کی شادی کر کے شاہجہاں پور سے لوٹ رہے تھے۔ تو پہلی منزل پر کسی رسالدار کا ایک ہندو ملازم کا پر دازان رسد کے پاس آیا اور اس نے بیس سیر آٹا اور بیس سیر گھی طلب کیا۔ کار پر دازوں نے اس سے دریافت کیا کہ تم تنہا ہو یا بھاری ہمراہ اور لوگ بھی ہیں۔ تم کس امیر کے ملازم ہو اور کیا کام کرتے ہو۔ اس ہندو نے اپنے رسالدار کا نام بتایا اور کہا کہ میرے ساتھ دس اور آدمی ہیں اور یہ گھی رسالدار صاحب کے گھوڑوں کے واسطے لئے جاتا ہوں۔ میں خود رسالدار کے کماروں میں ملازم ہوں۔ اتفاقاً جس رسالدار کا نام لیا گیا اُس کے ملازم اُسی وقت تمام اشیاء مطلوبہ لیجا چکے تھے۔ لہذا

کا پرہیزوں کے دل میں شک پیدا ہوا اور انہوں نے تحقیق احوال کے لئے ایک شخص کو اس رسالہ دار کے پاس بھیجا۔ تحقیق کے بعد اس ہندو ملازم کا بھوٹ اور فریب کھل گیا۔ چنانچہ اس کو فوراً پکڑ کر حافظ الملک کے حضور میں لے گئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ حافظ الملک نے حکم دیا کہ اس شخص کو پچیس سیر آٹا اور پچیس سیر گھی دیا جائے۔ اور فرمایا کہ ”اس قسم کی تحقیقات سے جو غریب لوگوں کے واسطے موجب خجالت ہوتی ہے آئندہ پرہیز کیا جائے۔“

حافظ الملک کی اسی رحمدلی۔ بیدار مغزی۔ روشن خیالی۔ بے تعصبی اور انصاف پسندی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہندو رعایا نے بھی اپنے قابل احترام آقا کے لئے وفاداری کی مثال قائم کر دی۔ جس وقت تمام مسلمان عزیز و اقارب اور سرداروں نے حافظ الملک کی جان بچانے کے لئے روپیہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا اس وقت دیوان پہاڑ سنگھ کا چالیس لاکھ روپیہ کا پیش کش کرنا اور حبس سخت بے سروسامانی میں حافظ الملک نے وطن عزیز کی خاطر جنگ آزادی کے لئے علم جہاد بلند کیا اس وقت جوت جوت راجپوتوں کا اگر شرکاب حال ہونا ایسے واقعات نہیں ہیں جن کو دنیا جلد فراموش کر سکے گی۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن کو تاریخ عالم میں ہمیشہ آبرور سے لکھا جائے گا۔

سیرچشمی حافظ الملک کی ایک مشہور و معروف صفت سیرچشمی تھی جس نے ان کی شخصیت کو اپنے ہم عصر حکمرانوں میں بہت ممتاز کر دیا تھا۔ عام ملکی واقعات میں دوسروں کی غلطیوں نے ایشارہ قربانی اور سیرچشمی کی جو عظیم النظیر مثالیں قائم کیں ان کے دوبارہ اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ روزمرہ کے نجی معاملات میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی امیر یا فقیر اگر اپنی بڑی سے بڑی خواہش و ضرورت کو ان کے سامنے پیش کرتا تو سوائے حرف قبول دوسرا کلمہ زبان سے نہ سنتا۔ ساتھ ہی لوگوں کی آواز و پس پوری کرنے کے بعد ان کی یہ عادت تھی کہ حد درجہ غرور خواہی کرتے اور جس پر احسان کرتے اس قدر احسان مانستے گویا کہ خود

ان پر احسان کیا گیا ہے ۔

اپنے یہاں کی تقریبات میں ایسی الوالعربی اور سیہنشی کا ثبوت دیتے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی بالخصوص لڑکوں کی شادیوں میں تمام ہندو مسلمان غریب و امیر اہل شہر کی دعوت کرتے اور جملہ سرداروں اور اہل سپاہ اور ان کے ملازموں کو جن کی تعداد اکثر ایک لاکھ تک ہو جایا کرتی تھی ایک ایک ہینہ جمان رکھتے تھے ۔ اور اتنے کثیر آدمیوں کی اس طویل بہانداری کے لئے اس قدر سامانِ خور و نوش فراہم کرتے کہ صرف ہوجانے کے بعد بھی باقی بچ رہا کرتا تھا ۔ مثلاً ۔ صاحبزادہ ارادت خاں کی شادی میں تقریباً ایک لاکھ برایتوں کے ساتھ شاہجہاں پور سے براتِ رخصت کرا کر واپس ہوئے اور پہلی بھیت کے قریب پہنچے تو کارپردازانِ مطبخ سرکاری نے عرض کیا کہ سامانِ خور و نوش میں جو ضیافتِ شکر کے وسط ہمراہ تھا اس میں سے بہت زیادہ اشیاء باقی بچ رہی ہیں پہلی بھیت میں جو سامان جیسا ہر وہ اس کے علاوہ ہے ۔ حافظ الملک نے حکم دیا کہ کل جب ہم پہلی بھیت میں داخل ہوں تو باقی ماندہ سامان کو اکٹھا کر کے ہمیں دکھانا ۔ بموجب حکم تعمیل کی گئی ۔ اور دوسرے روز صبح کے وقت حافظ الملک سوار ہو کر اُس جگہ جہاں سامان جمع تھا تشریف لے گئے ۔ سامانِ مذکور کو ملاحظہ فرما کر اہل شکر اور شہر میں منادی کرا دی کہ ان ذخائر میں سے جس شخص کو جس قدر سامان درکار ہو لے جائے ۔ تمام اہل شہر و لشکر ہی انہوہ در انہوہ ٹڈی دل کی طرح جملہ سامان پر ٹوٹ پڑے تمام دن لوٹ جا رہی رہی ۔ لیکن پھر بھی شام کے وقت پانچ ہزار بھیڑ بکریاں ۔ کئی سو سن آٹا اور اسی تناسب سے چاول ۔ دال ۔ گھی ۔ شکر اور نمک سالہ وغیرہ بچ رہا ۔ دنگ لوٹے لوٹے تھک گئے مگر سامان ختم نہ ہوا ۔

شادیوں کے موقع پر محلِ خاص کی بیگمات کی مجالس بالغوم نصف شب تک رہا کرتی تھیں اس کے بعد جب بیگمات وہاں سے اٹھ کر آرام کرتی تھیں تو خدماتِ فرش اٹھا کر تقسیم سے بھیجی ہوئی الاپچی اور سپاری وغیرہ جمع کر لیتی تھیں ۔ اور یہ سامان اس کثرت سے ان کے پاس جمع ہو جاتا

تھا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے پختہ عمارتیں اور طلائی زیورات تیار کرالیا کرتی تھیں۔
حافظ الملک کی سیر چشمی اور ان کے زمانِ سعادت اقراران کے دراصل یہی وہ فوائد تھے جنہوں نے مخلوق کے دلوں میں ان کی یاد کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔

مسٹر ایٹ حافظ الملک کی شہادت کے چالیس سال بعد بریلی میں کچھ عرصہ قیام کر کے کہتے ہیں کہ۔

”یہاں حافظ رحمت خاں کو لوگ انتہائی عزت و احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں“

زندہ جاوید گشت ہر کہ نگو نام ز بستان

کز عقبش ذکر خیر زندہ کند نام را

شجاعت و شہامت معرکہ ہائے حرب و میدان کارزار میں حافظ الملک سے جو شجاعت و شہامت ظہور میں آتی تھی۔ اس کا مختلف لڑائیوں کے بیان میں بالتفصیل ذکر آچکا ہے۔ حافظ الملک کی دلیری و مردانگی ضرب المثل تھی اور وہ اپنے زمانہ میں ہندوستان کے سب سے زیادہ بہادر سردار خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مستند حکایت ہے کہ سرہند کے معرکوں میں جب اُن سے غیر معمولی بہادری ظہور پذیر ہوئی تو جمال خاں بالیری نے جو رستم پنجاب کے لقب سے مشہور تھا اپنی تلوار کمر سے کھول کر حافظ الملک کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ۔

”میں نے اس وقت تک اس مرتبہ کی شجاعت کسی شخص میں نہیں دیکھی پس اپنے ہاتھ

سے میری کمر سے تلوار باندھ دیجئے تاکہ آپ کے دست مبارک کی برکت سے

میں بھی شجاعت کے اس درجے کو پہنچوں جس سے آپ ممتاز ہیں“

ایک اور معتبر حکایت ہے کہ ایک مرتبہ حافظ الملک بریلی سے پہلی بھیبت شریف لئے جاتے تھے۔ چند مخصوص اہل صحبت اور کچھ اہل فوج بھی ہمراہ تھے۔ اتفاقاً یہ کاری با تھیوہل میں

سے ایک ہاتھی جو سرکشی اور ہستی میں اپنا نظیر و ثانی نہیں رکھتا تھا اور بہت سے فیل ہاؤں اور دوسرے لوگوں کو ہلاک کر چکا تھا کسی گاؤں سے پہلی بھیت کو آ رہا تھا۔ دریائے دیوباکے کنارے حافظ الملک کی سواری سے اس کا مقابلہ ہو گیا۔ فیل بان نے بہت ہوشیاری سے اسکو سواری خاص سے ایک نیر کے فاصلہ پر کر لیا اور پیچھے پیچھے چلنے دیا۔ اس حال میں تھوڑا ہی راستہ طوہنے پایا تھا کہ ہاتھی مذکور نے سرکشی پر آمادہ ہو کر بددعویٰ اور سرتابی شروع کر دی اور حافظ الملک کی سواری کی طرف رُخ کیا۔ فیل بان نے ہر چند چاہا کہ اس کا منہ کسی اوپر طرف پھیر دے مگر نہ پھیر سکا اور وہ بہت آنکس کے بکثرت زخم کھا کر بھی اپنی کجروی سے باز نہ آیا۔ مجبوراً فیل بان نے چلا کر آواز دی کہ یہ دیو صفت بدخصلت میرے قبضہ و اختیار میں نہیں رہا ہے سب لوگوں کو اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس آواز کو سنتے ہی حافظ الملک کے تمام ساتھی پیادے اور سوار اُس کوہِ رواں کو دیکھ کر جس کا جدھر کو منہ اٹھا فرار ہو گئے۔ بالکی خاص کے کما بھی بالکی لے کر بے جلت تمام ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ہاتھی بالکی کے قریب آ گیا اور کما لوگ بھی بالکی کو زمین پر رکھ کر بھاگ گئے۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے حافظ الملک جو اب تک بہت اطمینان اور سکون سے بالکی کے اندر تشریف فرما تھے نہایت تکلیف دو قرار کے ساتھ بالکی سے برآمد ہوئے۔ بڑا اصفہانی چھرا ہاتھ میں تھا جس کا قبضہ طاہر کے ہوتے تھے۔ ایک پاؤں بالکی میں اور ایک پاؤں باہر زمین پر جا کر نیم قد سینہ اُبھار کر کھڑے ہو گئے تاکہ ہاتھی حملہ کرے اور وہ اس کے سر سے بھیجا نکال لیں۔

ادھر وہ فیل مست بالکی سے چار پانچ گز کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گیا۔ ایک دو منٹ حافظ الملک کو غور سے دیکھا پھر منہ پھیر کر کسی دوسری طرف کو چلکھائیں مارتا ہوا بھاگ گیا۔

اس عرصہ میں حافظ الملک بڑے استغفال کے ساتھ تنہا اُسی شان سے نیم قد کھڑے رہے۔ اس موقع پر صرف یار محمد خاں خشک حافظ الملک کے پاس اس طرح ٹھہرا ہوا کہ اُس کے اور ہاتھی کے درمیان بالکی حائل تھی۔ حافظ الملک نے پہلی بھیت پہنچ کر یار محمد خاں خشک کو پیادوں کے

زمرہ سے نکال کر جمعداری کے منصب پر سرفراز کیا۔ اور ایک گھوڑا خاص عنایت کیا۔
علم فضل عام مورخ حافظ الملک کی علمی قابلیت کے بارے میں خاموش ہیں۔ گلستانِ رحمت سے ضرور اتنا پتہ چلتا ہے کہ حافظ الملک ذہین و ذکی تھے طبع رسا رکھتے تھے۔ اور سائل ضروریہ فقہ پر مدتِ قلیل میں عبورِ کلی حاصل کر لیا تھا۔ ایٹ پائی مورخین کی اسی افسوسناک خاموشی کا نتیجہ ہے کہ بعض یورپین مستشرقین اور محققین نے ان کو سرے سے جاہل مطلق ہی سمجھ لیا۔ اور جب ہیسٹنگز پر انگلستان واپس ہونے کے بعد اس کے ہندوستانی مطالعہ کی بنا پر پارلیمنٹ میں مسٹر ہرک وغیرہ نے مقدمہ چلوا یا تو اس کے وکیل مسٹر لائن نے ہیسٹنگز کی صفائی میں جو تقریر کی اُس کے دوران میں نہ صرف حافظ صاحب کی شاعری سے انکار کیا بلکہ اُن کو جاہل مطلق ثابت کرنے میں کسر ٹھانہ رکھی اور اُن کو شاعری ماننے والوں کے دعوے کی یہ کہکر تغلیط کی کہ حافظ رحمت خاں سے جو اشعار منسوب کئے جاتے ہیں وہ اُن کے نہیں بلکہ حافظ شیرازی کے ہونگے۔ مسٹر لا فرماتے ہیں۔

”و حافظ رحمت خاں پر مظالم کا خاص طور پر اظہار افسوس کیا گیا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ کوئی خاندانی شاہزادہ تھا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بہت بڑا بہادر تھا۔ اپنے بیس ہا ہیانہ صفات رکھتا تھا اور شاعر تھا۔ میں نے حال ہی میں اس موضوع پر ایک دلچسپ رسالہ پڑھا ہے۔ جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ تمام مشرق میں نہ صرف اپنی بہادری بلکہ اپنی پاکیزہ شاعری کے لئے بھی مشہور تھا۔ حافظ شیرازی ضرور ایک بہت بڑا شاعر تھا لیکن شخص حافظ رحمت خاں شاعر تو شاعر اگر وہ صلحاً (مثلاً آباد) پر دستخط نہ کرتا تو مجھے شبہ ہوتا کہ آیا اُس کو اپنا نشان انگوٹھا بھی لگانا آتا تھا یا نہیں؟“
 اسی طرح حافظ الملک کے ”حافظ“ ہونے میں مسٹر لائن نے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے کہتے ہیں۔
 ”وہ حافظ اس وجہ سے کہلاتے تھے کہ اُن کو نواب علی محمد خاں نے اپنے لڑکوں کا حافظ (گاہ جین) مقرر کیا تھا۔“

حافظ الملک کے حافظ قرآن ہونے سے انکار کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے وہ صرف برائے نام حافظ نہ تھے بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ہر سال ماہ صیام میں تراویح میں کلام مجید سناتے تھے۔ اب رہی ان کی شاعری کی بحث اس کے متعلق برک جیسے محقق کے اس فرمانے پر کہ ”روہیلوں کا وہ مقتدر سردار..... جس نے اپنی ادبی تصنیفات اور لطیف شاعری

سے حافظ کا نام زندہ کیا“

مسٹر لاکا یہ کہنا کہ حافظ رحمت خاں شاعر نہ تھے بلکہ شاعر حافظ شیرازی تھے ایک مضحکہ خیز نظر یہ ہو حافظ شیرازی کا زمانہ چودھویں صدی عیسوی کا ہے اور ان کا کلام اس قدر مشہور و معروف ہو اور ان کا ایک ایسا مخصوص رنگ ہے کہ کوئی معمولی عقل و فہم کا شخص بھی اُس کو کسی اور کا کلام نہیں کہہ سکتا حافظ الملک کا زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے اور جس قدر ان حافظین کے عہد میں تفاوت ہے اُسی نسبت سے ان کے کلام میں بھی امتیاز ہونا لازمی ہے۔ افسوس کہ ہمیں حافظ الملک کا کچھ کلام دستیاب نہ ہوا ورنہ ہم چودھویں صدی اور اٹھارویں صدی کے ان ہردو شاعروں کے کلام کا موازنہ کر کے مسٹر لاکا کی عقل سلیم کی داد دیتے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے کہ حافظ الملک پشتو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔

سرحان اسٹریچی نے اپنی کتاب ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار میں ”حافظ رحمت بحیثیت ایک شاعر، ایک باب لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ۔

”ایم ڈاؤس ٹیٹر اپنے راپور جانے کی کیفیت اس طرح بیان کرتا تھا کہ جب وہ وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو اُس کو ایک روہیلے نے حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلا سرداروں کا ایک فنی مجموعہ کلام دیا۔ یہ مجموعہ جو اس کو راپور میں دیا گیا اور جواب برٹش عجائب خانہ کے مشرقی نوشتہ جات میں محفوظ ہے اس میں بہت سے دوسرے افغان سرداروں کی غزلیات کے علاوہ پشتو زبان کی ایک نظم حافظ رحمت خاں کی بھی ہے جس کا مضمون پٹھانوں اور مغلوں کی موروثی عداوت ہے۔ پیشہ کرنے کی کوئی چھ

نہیں معلوم ہوتی کہ یہ حافظِ رحمت خاں ہی کی تصنیف ہے اس نظم کے علاوہ ایم ڈائرس ٹیٹر نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ -

”گو حافظِ رحمت خاں کا دیوان میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن تعلیم یافتہ افغانوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ ایک دیوان چھوڑے تھے - مجھے امید ہے کہ وہ دیوان اب بھی ہندوستان میں ہوگا لیکن خود مجھے نہ مل سکا - رامپور اور بریلی میں تو اب اس کے وجود تک کا لوگوں کو علم نہیں ہے“

سر جان اسٹرنز کی لکھتے ہیں کہ -

”بہر حال جب یہ کتاب پریس میں جا رہی تھی تو مجھے ہندوستان سے چار فارسی کی غزلیں موصول ہوئیں جن کی بابت یہ لکھا گیا تھا کہ وہ حافظِ رحمت خاں کی ہیں - بحالت موجودہ میں اس بیان کی صحت و عدم صحت کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن وہ لوگ جن کی رائے اس بارے میں بہت وقعت رکھتی ہے کہتے ہیں کہ بہت ممکن ہے یہ غزلیں ضائع شدہ دیوان کا ایک جزو ہوں“

ان تاریخی شہادتوں سے یہ صریح نتیجہ نکلتا ہے کہ حافظ صاحب صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ دیوان شاعر تھے - خود جس شخص کا یہ قول ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہو کہ

”ایک سردار یا سپاہی کی شہرت اُس وقت تک نامکمل رہتی ہو جب تک وہ صاحبِ دیوان نہ ہو“

تو پھر یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ انھوں نے اپنا دیوان نہ چھوڑا ہو - حافظ المکاک نے جو زمانہ پایا تھا اُس عہد کی یہ خصوصیات تھیں کہ اُس زمانہ کے اہل سیف اہل قلم بھی ہوتے تھے اور اُن کا قلم نہ صرف ملکی و مالی گتھیوں کے سلجھانے کے لئے وقف ہوتا تھا بلکہ علم و ادب کے نکات (شاعری کو جس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا) حل کرنے میں بھی مددگار رہتے تھے -

ہر شخص جن کو علم تاریخ سے تھوڑا سا لگاؤ ہے جانتا ہے کہ احمد شاہ درانی

جیسا بہادر شاعری کا بھی مرد میدان تھا اور صاحب دیوان تھا۔ اُس کے اکثر جانشین بھی شاعر تھے جن میں شاہ شجاع کا نام زیادہ مشہور ہے۔
سر جان اسٹریچی حافظ المملک کے اہل ذوق اور اہل علم ہونے پر مزید روشنی اس طرح ڈالتے ہیں کہ۔

”حافظ رحمت خاں کے پاس ایک بڑا ذخیرہ کتب تھا جس کو ان کی شکست و شہادت کے بعد شجاع الدولہ لکھنؤ لے گئے اور جو بجا کوٹا ہان او دھ کے شاہی کتب خانہ کی زینت بنا۔ ڈاکٹر اسپرنگ نے ان کتابوں کی فہرست ترتیب کی تھی جس کی ایک جلد ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ”مجھے اسلحہ خانے میں چالیس صندوق خراب و خستہ حالت میں رکھے ہوئے ملے اُن میں حافظ رحمت خاں کا تمام علمی خزانہ موجود تھا۔ کتابوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض پشتون کی تصانیف تھیں جو بڑی کامیابی کے ساتھ کمال حسن و خوبی بہادر اور صاحب علم و فضل روہیلہ مردانہ کے لئے لکھی گئی تھیں؛ شاعر کے ہنگامہ میں لکھنؤ کا کتب خانہ ٹٹ لٹا کر برباد ہو گیا لیکن پھر بھی کافی تعداد میں اس کی کتابیں وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہی ہیں“

حافظ المملک کی کتابوں میں ایک کتاب سسٹم بہ خلاصۃ الانساب ہے۔ جو مولف اوراق ہذا کو بڑی کوشش سے دستیاب ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنے بزرگوں کے نام و نسب و غیرہ کے تفصیلی حالات تحقیق کر کے لکھے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں بھی محفوظ ہے۔ ایک اور کتاب موسوم بہ ”تواریخ رحمت خانی“ ہے۔ جس میں یوسف زائیوں کے کابل پر قبضہ کرنے اور ہندوستان آنے کے تاریخی واقعات مفصل اور مشروح طور پر درج ہیں۔ یہ کتاب ابتداء ۱۲۲۶ھ میں

پشتو زبان میں کھی گئی تھی اور اس کا حافظ الملک نے شائع میں آسان اور بامحاورہ فارسی میں ترجمہ کرایا تھا۔ اب یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری لندن میں مل سکتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کی بہت پرانی نقول خدائیش لائبریری پٹنہ اور ہمارے ایک دوست سید عترت علی صاحب کے پاس آگرہ میں موجود ہیں۔

(۳۹)

خلاصہ کلام

حافظ الملک حافظ رحمت خاں جن کی بابت نواب صفدر جنگ کا یہ قول تھا کہ میں نے ولایت افغان کے لوگوں میں کبھی کوئی شخص اس لیاقت و فہمید کا نہیں دیکھا اور جن کو بزرگ جیسے مشہور عالم عالم و محقق نے اپنے عہد کا سب سے بہادر انسان تسلیم کیا تھا۔ ایک مطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود عوام میں روح آزادی کو برقرار رکھنے کے حامی تھے۔ انصاف کے برتنے میں اپنے پرانے کا اقتدار جائز نہ رکھتے تھے۔ زراعت و تجارت کی ترقی کو رعایا کی خوش حالی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ عمارات کا نہایت شوق تھا اور اپنے اس شوق کو پورا کرنے میں نواب عقیلی اور نفع رسانی خلافت کے دو گونہ مقاصد مد نظر رکھتے تھے۔ شادی بیاہ اور مذہبی تقاریب میں جو کچھ خرچ کرتے اُس سے فقرا سوا با۔ یموں اور بیواؤں کی امداد مقصود ہوتی تھی۔ اور علوم و فنون کی ترقی کی غرض سے طلباء اور علماء و فضلا کی امداد میں کمال دیا دلی لاکھوں روپیہ صرف کرنا اُن کی عادت میں شامل تھا۔

انتظام ریاست سے قطع نظر کر کے ایک انسان کی حیثیت سے اُن کی زندگی انتفا۔ پرہیزگاری۔ پاکبازی سیرتیں اور رحم و کرم کا نمونہ تھی۔ مذہبی حیثیت سے وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔

ساوات کے ساتھ عقیدت اور اُن کا احترام اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ مشائخ و صوفیائے کرام کے ساتھ ارادت اُن کی خدا طلبی کی دلیل تھی۔ صفت نازک کے ساتھ حسن سلوک اُن کا مخصوص شیوہ تھا۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری۔ نئے تعصبی اور انصاف پسندی اُن کے بہت بڑے کارنامے ہیں۔ شجاعت و بہادری کی مثالیں اُن کے عہد کے معرکوں سے ظاہر ہیں۔ علم و فضل کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حافظ الملک علم دوست اور علم پرور ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ شاعر۔ ادیب اور زبردست عالم تھے۔



ضمیمہ نمبر ۱ خاندانِ حافظِ الملک کی اسیری و رہائی اور عطائے وظائف و معافیات

ایام اسیری حافظ الملک کے جلا افراد خاندان زن و مرد خورد و کلاں با ستثناء نواب محبت خاں۔ ذوالفقار خاں اور ارادت خاں قلعہ الہ آباد میں قید کر دیے گئے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے متعلقین کے علاوہ بکثرت علماء۔ فضلاء اور شرفاء روہیل کھنڈ بھی محبوس تھے۔ شجاع الدولہ کی وفات کے بعد جب آصف الدولہ سند نشین ہوئے تو انھوں نے روہیل کھنڈ کے کچھ مسکین قیدیوں کو بطور تصدق قید سے رہا کر دیا مگر حافظ الملک اور نواب دوندے خاں مرحوم کے متعلقین کو بدستور قید و بند میں بنلا رکھا۔ اسی طرح نامور مشاہیر و سرداران روہیل کھنڈ مثل عرب خاں بھڑنچ۔ خان محمد خاں کمال زائی۔ رحمت خاں۔ عالم خاں غرغشی۔ ملا حسن خاں۔ ملا عالم خاں۔ ملا عبد الواحد خاں۔ قاضی محمد سعید خاں۔ منو خاں خاںساں اور اختیار خاں چلیہ کو بھی رہا نہ کیا اور چاہا کہ ان کے ذریعہ پہلے ان کے متعلقین سے روپیہ وصول کر لیا جائے۔ اپنے جلوس کے چند ماہ بعد آصف الدولہ نے نواب محبت خاں کو بھی الہ آباد بھیج دینا چاہا لیکن سالار جنگ کے بھائی مرزا علی خاں نے سفارش کی اور کہا کہ۔

”بادشاہ اور امیر لوگ جلوس کے وقت قیدیوں کو رہا کیا کرتے ہیں۔ بے گناہوں کو قید نہیں کرتے اگر آپ کو اپنے والد مرحوم کے مواعید کے موافق محبت خاں کے ساتھ نیک سلوک منظور نہیں ہے تو کم از کم بدسلوکی ہرگز نہ کرنی چاہیے۔“

مرزا علی خاں کا یہ انتباہ موثر ہوا اور آصف الدولہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ لیکن پھر بھی بعض حسد پیشہ

مصاحبوں کے اغوا سے پوشیدہ طور پر حافظ الملک کے صاحبزادوں اور متعلقین کی تخریب و ایذا رسانی کے درپے رہے۔ محبت خاں کا جو درماہہ مقرر تھا بند کر دیا گیا۔ الہ آباد کے قیدیوں پر بھی پابندیاں اور سختیاں بڑھا دی گئیں۔ اور نواب شجاع الدولہ کے وقت سے جو سو روپیہ یومیہ قیدیوں کو خوراک کے پستے ملتا تھا اس میں عذرات چند در چند پیش کر کے کاٹ چھانٹ شروع کر دی۔ مختصر یہ کہ قیدیوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا حتیٰ کہ بچپن سے زیادہ قیدی تکلیفیں اٹھانے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔ ارکانِ دولت میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ ان گرفتارانِ ہلاک کا ذکر بھی کر سکے سفارش تو بڑی بات تھی۔ رہائی لیکن اس حال میں کچھ زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ قدرت نے اسیرانِ روہیل کھنڈ کی رہائی کا خود بخود ایسا انتظام کر دیا کہ جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا یعنی حکومتِ اودھ کی حلیف۔ گورنمنٹ انگریزی اپنی مخصوص مصلح کی بنا پر ان کی ہمدردی پر آمادہ ہو گئی اور جو لوگ کل تک دشمن تھے آج دوست نظر کرنے لگے۔

انگریزوں کی اس غیر متوقع عنایت کی وجہ یہ ہوئی کہ روہیل کھنڈ فتح ہو جانے کے بعد اب ان کی 'باریک ہیں' ٹھکانوں کو انڈیا کے نقشہ پر ریاستِ اودھ ایک بدنامہ داغ، معلوم ہونے لگی تھی اور انھوں نے ہندوستانی مفاد کے لئے اپنا یہ فرض سمجھا کہ جس طرح بھی ہو اس بدنامہ داغ، کو جلد از جلد مٹا دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نیک مقصد کی تکمیل کے لئے شجاع الدولہ کا انتقال ہونے ہی آصف الدولہ کو ایک 'پیامِ محبت و مودت' بھیجا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

”آپ کے والد شجاع الدولہ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے حکومتِ اودھ سے ہم اپنے تمام سابقہ معاہدات کو کالعدم قرار دیتے ہیں صرفاً مندرجہ ذیل امور کا ضرور لحاظ رکھا جائیگا۔
نمبر ۱۔ تمام پچھلے فرسے وصول کئے جائیں گے۔

نمبر ۲۔ انگریزی فوج متینہ اودھ کے اخراجات میں پچاس ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ کیا جائے گا۔

نمبر ۳۔ راجہ چیت سنگھ کی ریاست بنارس بجائے تمھارے ہماری سرپرستی میں رہے گی

اور راجہ سے بائیس لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ دی جائے ہم وصول کیا کریں گے ۱۷
آصف الدولہ کو اپنے محسن، انگریزوں کے اس پیامِ محبت کو قبول و منظور کیے بغیر چارہ ہی کیا تھا۔ کیا وہ
اس بچھوٹے سے مطالبہ کے واسطے اُن سے لڑتے اور اگر لڑتے بھی تو ان کے پاس کیا اپنا توپ خانہ
تھا جس سے مقابلہ کرتے یا ہادر و سرفروش روہیلوں کا وجود باقی تھا جو ہر قسم کی زیادتیوں کے باوجود
محض جذبہ اخوتِ اسلامی سے مسحور ہو کر مدد کو آ جاتے۔

آصف الدولہ کی انہیں کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر اُن سے مطالبات کئے گئے اور یہ یقین کر کے کئے
گئے کہ وہ کبھی کسی کی نظر سے گزر کر رائے نہیں لے سکیں گے۔ لیکن ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ اس قسم کے اقدامات
کرنے وقت سرکارِ کمپنی بہادر کا اُس زمانہ میں بالعموم یہ طرزِ عمل رہتا تھا کہ وہ والیانِ ریاست کے
جذبات کا تو نہیں۔ ہاں اُن کی رعایا کے جذبات کا ضرور پاس کرتی تھی۔ اور ان کی تالیفِ قلوب کا
تھوڑا بہت سامان پہلے سے ہتھیار کیا کرتی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر بھی راعی کو تکلیف دینے والے
تین مطالبات کے ساتھ ہی ساتھ دو مطالبے رعایا کی پسند کے بھی شامل کر لئے گئے جو حسب ذیل تھے۔
اولیٰ۔ یہ کہ آصف الدولہ نے اپنی والدہ کو بہت تنگ دست کر رکھا تھا اور اس سے ہالیان اودھ
بہت ناراض تھے لہذا آصف الدولہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے باپ کا دو ملین اسٹرلنگ کے قریب
خزانہ اور کچھ قیمتی اضلاع جاگیریں ان کے حوالے کریں ۱۸

دوم۔ یہ کہ اسیرانِ روہیل کھنڈ کی تکالیف اور ان کے مصائب نے رعایائے اودھ و روہیل کھنڈ میں
غم و غصہ کی ایک عام لہر دوڑا دی تھی اس لئے آصف الدولہ کو طوعاً و کرہاً اس امر پر راضی کیا گیا کہ وہ انکو
قید سے رہا کریں اور ان کے واسطے وظیفہ مقرر کریں ۱۹

۱۷ ہیڈنگز اینڈ دی روہیلادار صفحہ ۲۷۱۔

۱۸ ہیڈنگز اینڈ دی روہیلادار۔

۱۹ تاریخِ سیلابی۔

آخر الذکر کارروائی میں ایک فائدہ یہ بھی مشہور تھا کہ آصف الدولہ کے مقابلہ میں خاندان حافظ الملک کے ساتھ انگریزوں کی طرف سے احسان و سلوک ہونا علاقہ روہیل کھنڈ کو آمیزہ حکومت انگلشیہ میں شامل کرتے وقت "وقت ضرورت" کام آئے گا۔ چنانچہ کام آیا اور ستمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے روہیل کھنڈ کو اودھ والوں سے لے لیا تو نہ صرف حافظ الملک کے اہل خاندان نے بلکہ تمام اہالیان روہیل کھنڈ نے بھی اپنے آقا زادوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کو احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ بغیر کسی مزاحمت کے اور بلا پس و پیش انگریزی حکومت کو قبول کر لیا اور اس کو ابر رحمت بھگت اس کے زیر سایہ آ گئے۔

امیران روہیل کھنڈ کی رہائی ساٹھ شعبان المعظم ۱۲۷۹ھ مطابق ستمبر ۱۸۵۷ء کو بروز شنبہ عمل میں آئی اور یہ سب لوگ پہلے الہ آباد سے لکھنؤ لائے گئے جہاں ان مصیبت زدوں کی ملاقات نواب محبت خاں ارادت خاں اور ذوالفقار خاں سے دریائے گومتی کے کنارے برٹش ریزیڈنٹ کی کوشی میں ہوئی۔

ملاقات کا منظر نہایت در د انگیز اور ساتھ ہی بہت مسرت بخش تھا۔

خوشاوتیے دھرم روزگار سے

کہ بیکہ برغور دار وصل یار سے

وظائف و معافیت چند روز کے بعد برٹش ریزیڈنٹ نے حافظ الملک اور نواب دوندے خاں کے اہل خاندان کو آصف الدولہ کی جانب سے آزادی کامل کے احکام اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے وظیفے کی خوشخبریاں سنائیں وظیفے کی تقسیم اس طور پر کی گئی کہ پینسٹھ ہزار روپیہ حافظ الملک کے خاندان کے لئے اور پینسٹھ ہزار روپیہ نواب دوندے خاں کی اولاد کے لئے مقرر ہوئے۔ دوندے خاں کے بیٹوں نے اس قلیل رستم کو قبول نہ کیا اور نواب فیض اللہ خاں کے پاس راہپور چلے گئے جنہوں نے ان کی تحواہیں مقرر کر دیں۔ حافظ الملک کے لڑکوں نے باستثنائے نواب عظمت خاں۔ حرمت خاں اور اکبر خاں اپنے اپنے حصہ کے روپے لینے میں کوئی عذر نہ کیا اور جس نے جہاں چاہا سکونت اختیار کر لی۔ نواب محبت خاں اور دیدار خاں نے لکھنؤ میں قیام کر لیا۔ ارادت خاں نے شاہجان پور میں اور باقی سب بریلی میں جا کر بس گئے۔

ضمیمہ نمبر ۲ حافظ الملک کی ازواج و اولاد

حافظ الملک کی ازواج حافظ الملک نے پہلی شادی ملک شادی خاں ابن شہزاد خاں ابن محمود خاں ابن سونئی بابا کی صاحبزادی کے ساتھ کی تھی ان کے بطن سے صرف دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں بعد ازاں دوسرا عقد ملک خداداد خاں کی صاحبزادی سے کیا جن سے عنایت خاں - محبت خاں اور عظمت خاں تین فرزند پیدا ہوئے زوجہ ثانیہ کا انتقال ہوا تو ان تینوں فرزندوں کو زوجہ کلاں نے پرورش کیا باقی تمام لڑکیاں اور لڑکے ہندوستانی بیویوں سے تولد ہوئے۔ ہندوستانی بیویوں کی صحیح تعداد اور نام نہ معلوم ہو سکے۔

حافظ الملک کی زوجہ کلاں جن کا ایک بیٹا ونگیر خط اس سے قبل درج کتاب کیا جا چکا ہے نہایت قوی پٹھانی تھیں جب کسی کینیز یا خواص سے ناراض ہوئیں تو ایک ہاتھ سے اس کا شانہ یا گردن پکڑ کر زمین سے اٹھا لیتی تھیں اور غصہ میں فرماتیں کہ۔

”کیوں۔ شرمانی بکھت اب تجھے زمین پر پٹاک دوں الملک۔“

بحران الفاظ کے اور کسی قسم کا برا بھلا کہنا مطلق نہ جانتی تھیں۔

ایک مرتبہ حافظ الملک سے کہا کہ۔

”خان مجھے کچھ روپیہ دو۔“

حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”اچھالے لو لیکن جس قدر کہ ایک مرتبہ تم اٹھا کر بالا خانہ پر لے جا سکو۔“

چنانچہ سات ہزار روپیہ ایک لگن میں بھر کر پیگم صاحبہ بے تکلف بالا خانہ پر اٹھا کر لے گئیں۔

ان کا ایک اور واقعہ ہے کہ دوران سفر میں رات کے وقت دو چور کسی صورت سے جہم کی فٹات چاک کر کے

اندر آ گئے۔ ایک پلٹنگ پر حافظ الملک اور دوسرے پر پیگم صاحبہ آرام فرما تھیں چور جو جہم میں داخل ہوئے تو

بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی فوراً ان کے پیچھے دوڑ پڑیں ایک چور تو قنات میں سے باہر نکل گیا دوسرا کھٹنا چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ نے بھیسٹ کر اس کی گردن پکڑ لی ہر چیز تڑپا پھڑکا لیکن بھلا ان کی گرفت سے کب آزاد ہو سکتا تھا اسی دار و گیر میں حافظ الملک بھی بہرا ہو گئے یہ مناسبت دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوئے اور ہنسنے لگے چور کو بیگم صاحبہ کے ہاتھ سے چھڑا کر سپاہیوں کے حوالے کیا۔

بیگم صاحبہ کا اس شہ زوری کے ساتھ بھولے پن کا یہ عالم تھا کہ جب خواصوں اور کنیزوں کو روپیہ چرانا منظور ہوتا تو ان سے یہ عرض کرتیں کہ۔

”حضور برسات کی وجہ سے روپیہ سیل کر خراب ہو جاتا ہے اگر حکم ہو تو دھوپ دیں“

حکم ہوتا کہ اچھا دھوپ دے دو۔ چنانچہ ترازو سے تول کر روپیہ چھتوں پر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ قریب شام دوبارہ تول کر صند دھوپ میں رکھا جاتا تو اس تول کے وقت سیروں کم ہوجاتا اس پر کنیزوں پر خفا ہو کر دریافت فرماتیں کہ یہ روپیہ کم کیوں ہو گیا۔

کنیزیں عرض کر دیتیں کہ۔

”حضور روپیہ سیلا ہوا تھا دھوپ میں خشک ہو گیا“

اس جواب سے بیگم صاحبہ مطمئن ہوجاتیں اور پھر کچھ باز پرس نہ فرماتیں۔

حافظ الملک کے چودہ صاحب زادے لڑکے تھے جن میں سے دو یعنی نواب عنایت خاں اور نواب ہمت خاں کا توان کی زندگی ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ اور بارہ اپنے والد کی شہادت کے بعد بقید حیات رہے جنہوں نے حوادث روزگار اور نیرنگی لیل و نہار کا مشاہدہ کیا۔

نواب عنایت خاں نے جو سب میں بڑے اور سب میں نامور تھے اور جن کا حال جابجا کتاب ہذا میں مذکور ہو چکا ہے ^{۳۳} اللہ تعالیٰ مطابقت کے عین بھرتیس سال انتقال کیا اور بریلی میں جانب غرب مدفون ہوئے ان کی قبر حافظ الملک کے مقبرہ سے جنوب و مغرب میں سڑک پار واقع ہے اس مقام پر ایک باغ ہے جو بلخ عنایت خاں کے نام سے موسوم ہے۔ باغ کی پیرایاں مشہور ہیں۔ حافظ نیاز حسین صاحب موجودہ متولی کی خاص نگرانی کی وجہ سے قرب تک محفوظ ہو۔ عنایت خاں کی شادی نواب فیض اللہ خاں کی حقیقی ہمیشہ کے ساتھ ہوئی تھی جس کا دلچسپ حال گلستانِ حیات میں اس طرح درج ہے کہ۔

”آنحضرت کی رائے عالم آرائے جویع سنت جناب رسالت بھی اُس کا اقتضا ہوا کہ اپنے بڑے صاحبزادے عنایت خاں بہادر کی جن کا سن بارہ سال کا ہو گیا تھا کسی عفت منش عور ووش صاحبزادی کے ساتھ شادی کر دیں۔ بعد فکر بلخ اس دولت گراہی کا قرعہ نواب علی محمد خاں مرحوم و منفور کی صاحبزادی کے نام پڑا۔ اہلکاروں کو حکم دیا کہ اس جشنِ خجستہ آئین کی تیاری کریں اور خوش بلیغ کر کے جس قدر جلد ممکن ہو انتظامات مکمل کریں۔ کارپر داران عقیدت کیش نے نام لواذمار شادی مہیا کر لئے تو آنحضرت سے عرض کیا۔ آنحضرت نے بشورہ فضا و مسادات۔ علما و فضلا ساعت سعید متعز فرما کر بطریق شہان والا شکوہ صاحبزادہ عالی تبار کو ہاتھی پر سوار فرمایا تمام سرداران فوج دارکان دولت ہمراہ رکاب ہوئے۔ آنحضرت خود بھی بنفس نفیس اس ہنرخدہ آئنا روشاہ کی سواری کے آگے آگے ایک دوسرے ہاتھی پر روانہ ہوئے بریلی کا ہر ایک کوچہ و بازار دو طرفہ چراغاں سے جس کو بطرز عجیب و غریب ترتیب دیا گیا تھا روشن

منور تھا۔ مشعلوں کی کثرت سے دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتا تھا۔ زمین روشنی کی کثرت سے روز روشن کی طرح چمکتی تھی اور آسمان و نور آتش بازی سے کرۂ آفتاب سے زیادہ تاباں و درخشاں تھا۔ مطربان خوش نوا سنا کر کباہ کے ترانے گاتے ہوئے اور وادناط و انساط دیتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔ نقارہ تہنیت کی آواز سے فضائے آسمانی گونج رہی تھی۔

اس شان و شوکت اور عظمت و اہمیت کے ساتھ بارہا رات قلعہ سے دیوان مان رائے کی جوہلی میں پہنچی جہاں آنحضرت نے نواب علی محمد خاں مرحوم کے متعلقین کو آواز سے بلا کر اہل مبارک تقریب کے واسطے مقیم کیا تھا۔ طرف ثانی سے اس کا بغیر کی میر سامانی نواب فیض اللہ خاں کر رہے تھے۔ مکلف دعوت کے بعد نصف شب کے قریب بموجب شرع شریف اس مسطورہ طالع مندر سعادت پیوند کو اس نہال برومند گلشن حشمت کے عقد نکاح میں دیا اور صبح کے وقت مبارکی و فرخندگی کے ساتھ واپس ہو کر تسلیتیں داخل ہوئے۔ اس جشن مبارک کے موقع پر کثیر التعداد فقراء۔ غریبا۔ مساکین اور محتاجین کو ان کی خواہش اور تمنا سے کہیں زیادہ نقد و جنس عطا کیا گیا اور اکثر باریاں فغان انجن سرور اور اکثر ان اہل و عیال کو جو دولت حضور سے دور تھے حسب مراتب خلعت و منصب عطا ہوئے۔

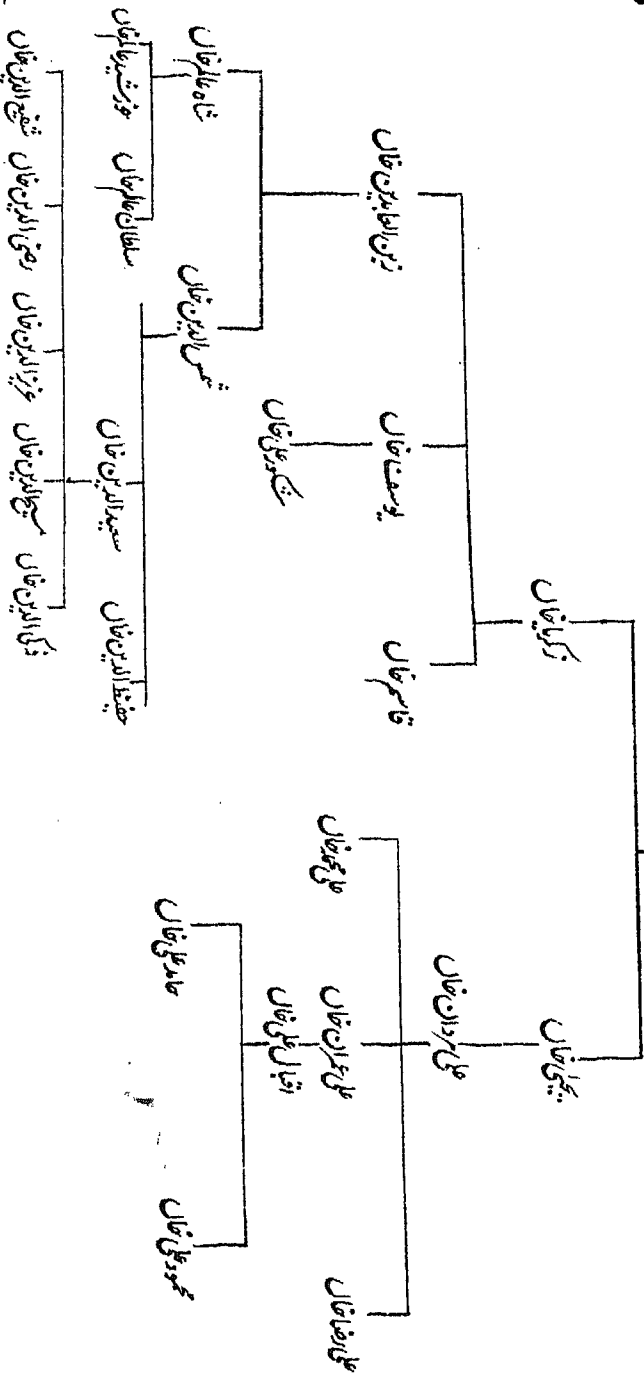
نواب عنایت خاں کے دو بیٹے یحییٰ خاں اور زکریا خاں ہوئے ان لوگوں کو بعد زوال سلطنت رومیل کھنڈ وظیفہ سرکاری میں سے کچھ نزل سکافروٹ جاگیرات و معافی کے کچھ حصے سے بہر اوقات کرتے تھے۔



۱۵ عنایت خاں کی اولاد میں ایک صاحب نواب اقبال علی خاں ابن علی عمران خاں ابن علی مردان خاں ابن یحییٰ خاں سخت عسرت و تنگ دستی کی حالت میں بریلی میں رہتے ہیں اور بازار میں گشت کر کے جفت فروشی کرتے ہیں۔

نواب عنایت خاں کا بسا یا ہوا ایک محلہ بذریعہ عنایت گنج شہر کہنہ بریلی میں موجود ہے۔

سلسلہ نواب غیاث خاں



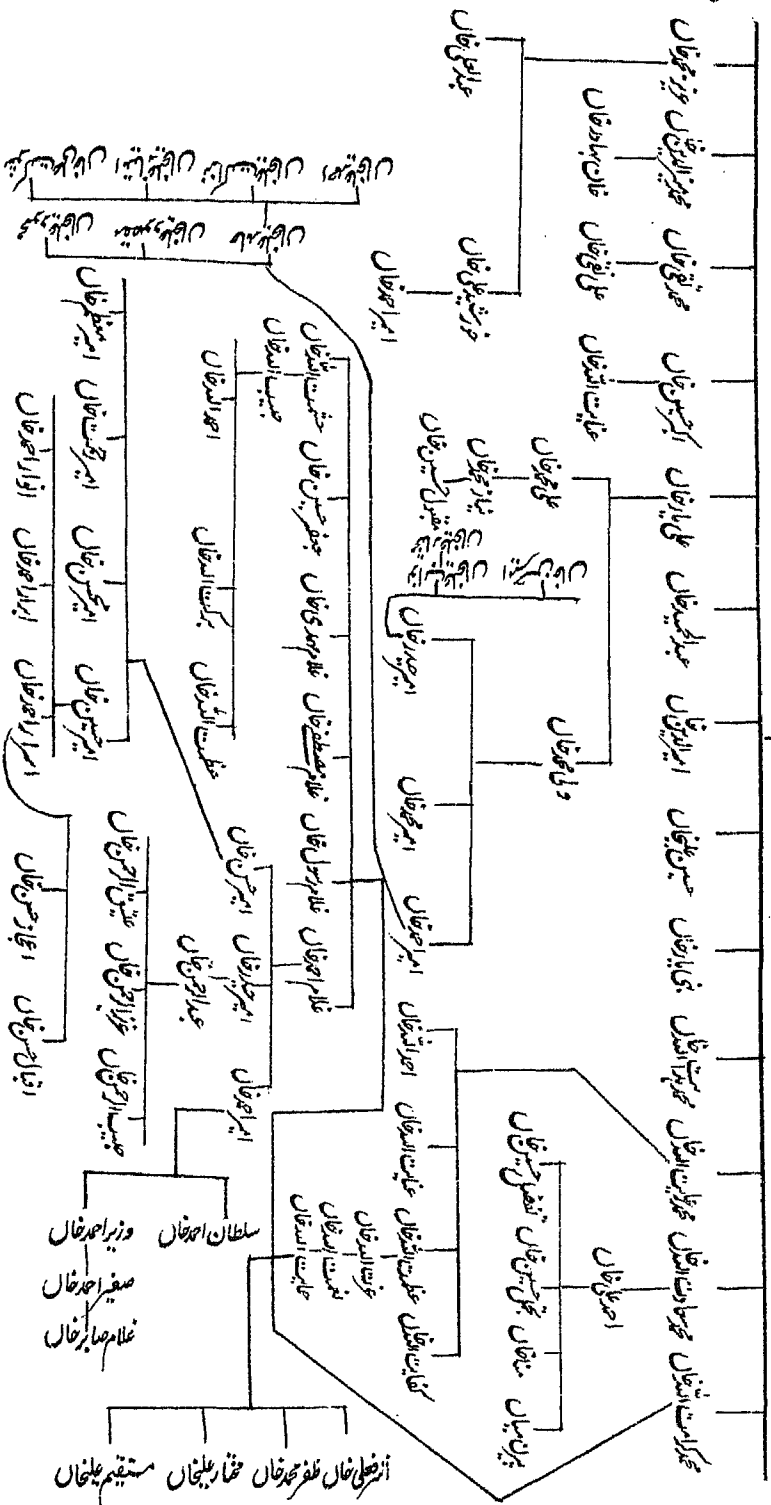
نواب ہمت خاں

ہمت خاں نواب عنایت خاں کے بعد سب بھائیوں میں بڑے تھے ۱۷۴۷ء مطابق ۱۲۷۷ھ میں بھرپور سال کہ ہنوز ۱۵ دی بھی نہ ہونے پائی تھی انتقال کیا اور پہلی بھیت میں مدفون ہوئے۔ حسن صورت میں نے نظیر اور تہذیب و اخلاق میں یکتا تھے۔ باوجود خورد سالی آثارِ رشد و بزرگی ان کی پیشانی سے ظاہر و باہر تھے۔

نواب ارادت خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت چوبیس سال اور چند مہینے کے تھے اور اس کے بعد پینیس سال اور نو مہینے اور زندہ رہ کر دسویں ماہ رمضان المبارک روزِ دوشنبہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں بھرپور سال اور چند ماہ وفات پائی اور شاہجہان پور میں دفن ہوئے۔ مکرم آداب۔ محاسن اوصاف۔ فتوتِ جبلی اور مردِ ست ذاتی کے مالک اور بہت صاف دل تھے۔ نمود و نمائش کے امور سے منفر رہتے تھے۔ کردار موافقِ گفتار اور فعل موافقِ قول تھا۔ علم مجلسی میں شہرہ آفاق اور فنِ تاریخ میں مہارت تام رکھتے تھے۔

نواب عبداللہ خاں حاکم شاہجہان پور کی لڑکی کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ اس تقریب میں جانبین سے اس قدر اولوالعزمی کو کام میں لایا گیا تھا کہ نواب عبداللہ خاں نے تو اپنا سارا اند وختہ خرچ کر ڈالا اور ایک سو پانچ گاؤں لڑکی کو ہمیز میں دئے۔ حافظ الملک نے بھی لاکھوں روپیہ صرف کر دیا تھا۔ کڑے کی لڑائی میں عبداللہ خاں نے شجاع الدولہ کا ساتھ دے کر ارادت خاں کی حفاظت جان و مال کا وعدہ لے لیا تھا جس کے باعث وہ قید و بند سے محفوظ رہے۔ انقلابِ حکومت کے بعد ہزار چھ سو چوبیس روپیہ چھ آنہ سالانہ سرکارِ ممبئی کے خزانہ سے ملتا تھا۔ آراضیات معافی اور دیہات اس کے علاوہ تھے۔ نواب ارادت خاں کے چودہ لڑکے تھے۔ بعض نے بریلی میں اور بعض نے شاہجہان پور میں سکونت اختیار کی۔



نواب محبت خاں

عنایت خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ اور والد کی شہادت کے وقت چوبیس سال کے تھے۔ پینتیس سال اور زندہ رہ کر اٹھ سال کی عمر میں ۱۱ صفر ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۹۱ء بمقام کھنؤ وفات پائی متصل وزیر باغ قریب کشور گنج دفن ہوئے۔ ان کو سترہ ہزار ایک سو اکتیس روپیہ چند آنے وجہ مقررہ سے اور دس روپیہ یومیہ اس کے علاوہ رزیدنٹ کھنؤ کے خزانہ سے ملتے تھے۔ آٹھ ہزار چھ سو چالیس روپیہ سالانہ حافظ الملک کے سرداروں کا بھی انہیں کے اختیار و تصرف میں تھا۔ حافظ الملک کی یمن توہمات سے علوم عربیہ میں جلد علماء عصر سے گئے سبقت لے گئے تھے فارسی میں تہذیب کے اُستاد تھے نیز زبان سنسکرت میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ذہن و ذکا اور طبع رسا میں عبدیم النظیر تھے اہل استعداد ہمیشہ ان سے اساتذہ متقدمین کا کلام سمجھنے آیا کرتے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ پشتو اور اردو میں بکثرت کلام یادگار چھوڑا جو ہنگامہ ۱۲۵۷ء میں تلف ہو گیا کہیں کہیں شعرا کے تذکروں میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ ان کی ایک ثنوی ’اسرار محبت‘ بہت مشہور تھی۔ فارسی قواعد کا ایک ’آدم نامہ‘ اور ایک بہت بڑی لغت بھی ترتیب دی تھی۔

نواب محبت خاں محبت کی طبع موزوں اور قابلیت علمی کا کسی قدر اندازہ ان کے کلام سے ہوگا جس کا مزوری انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

کلامِ اردو

ہوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبت کا دے اسکو خداوند توجہ کام محبت کا

تجھ کو چھوڑا بہت مغرور نہیں جانے کا جاول تو پر تجھے مقدور نہیں جانے کا
روزاٹھ جاوے ہی وہ شوخیوں ہی دم دیکر ابھی آنا ہوں میں کچھ دُور نہیں جانے کا

دلو کرتا ہی تھا غارت کہ جگر دیکھ لیا آہ اُس نرک نے اب یہ بھی نگہ دیکھ لیا
یار و غارت گردل وہ نگہ پنہاں ہے چور تو مجھ سے پھپا میں نے ہی پردیکھ لیا

بولتا جو وہ نہیں یار و کسی کی بات پر
یہ نہ سمجھو تم تکبر سے نہیں دیتا جواب
بسکہ تنگی کے سبب اس کا دہن ہلتا نہیں
جیسا ناپیدا ہاں ہی ویسا ناپیدا جواب
اس کے در پر تھی محبت کی یہ قدر و منزلت
جب گیا مجھ سے کو در پر دہی تھا جواب

بیٹھے نہ ایک ساعت گھر کو چلے ابھی سے
انما تو جلد مست تم گھراؤ میرے صاحب
کا کل میں ہے کہ خط میں پیارے دلِ محبت
کس جا چھپا رکھا ہے بتلاؤ میرے صاحب

بہت آیا ہوں تنگ اس دل کے میں فریاد دنا لے سے
کسی کو حق نہ ڈالے ہمدرد ہمارے صحبت
ہوا صحبت سے بلبل اور گل کی جھپہ یوں ظاہر
نہ مفلس کی بنے ہرگز کسی زردار سے صحبت
شبِ فرقت کا مجھ سے حال مت پوچھا کرو یار و
کبھی تہی ہی در سے اور کبھی دیوار سے صحبت
خدا چیتا بچا دے آج اس کو تو غنیمت ہے
محبت کو بڑی ہواک بہت خوشوار سے صحبت

نے زریہاں نہ زور نہ یار آشنا کا نام
رکھتے ہیں اپنے پاس صنم ہم خدا کا نام
ظالم کھوں میں یا کہ ستنگا ہم بدو
کیا پوچھتے ہو مجھ سے تم اس بیوفا کا نام

کلام عربی

اِذَا الْمُبِقُّ فِي الْاِسْلَامِ اَنَارَ
جَرَى مِنْ مَقْلَتِي دَمْعٌ كَانْهَارُ
جب اسلام میں کوئی نفاذی باقی نہ رہی
میری آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہوا
فَقُلْتُ لَهَا لَيْفَ مَنْ يُظْهِرُ الدِّينَ
فَجَاءَ الصَّوْتُ سُلْطَانُ الْجَهَانِ اَر
تو میں نے کہا کہ اب دین کو کون ظاہر کرے گا
پس آواز آئی کہ سلطان جہاندار

کلام فارسی

ز سوزِ سببِ من دیدہ گریاں شود پیدا تعجبِ این نورِ هست گردِ طوافِ شود پیدا
بھرائے محبت از تو در دیوانگی انس و دل کہ می دانست اے مجنونِ محبتِ خاں شود پیدا

برت آں گل خنداں نہ رسد تا کہ در گریہ چو شبنم نہ شوی
سوخت پر و آنہ محبت بر شمع در محبت تو از و کم نہ شوی

ہر چہ در کارِ دستِ حاضرِ جانِ من جانِ من حاضر اگر در کارِ تست
از تپِ خورشیدِ محشرِ فارغِ من بر سرِ من سایہ دیوارِ تست
تو محبتِ طوطیِ خوشِ لہجہ خلقِ شیریں کام از گفتارِ تست

چشتِ با بر و زمرہ ملکِ جاں گرفت کشور بہ تیغِ نازِ بلے بیتواں گرفت
دنیا و آخرت ہمہ خاں و خط گرفت آں ہیں جہاں گرفت و این آں جہاں گرفت

اہلِ خرابہ را بہ تماشا چہ احتیاج ویراں دلے چو هست بھرا چہ احتیاج
نفع و ضرر نہ مانند بہ بازارِ اوسرا سودم زباں شدہ است بسودا چہ احتیاج

دستِ شوقم گر چیں سوئے گریباں می رود چاکِ ہر دم از گریباں تا بداماں می رود
بچ و تا بم از بھوں گرنیتِ خاکِ من چرا گردِ بادے می شود سوئے بیاباں می رود

غریبم دار دآں یوسف کہ گوید کہے شاید کہ خوابے دیدہ باشد

چشم اے ماہ شب و روز ز بس گریان است خلق گویند کہ اسال عجب باران است
در محبت تو مرا آہ ندانی صادق با وجودیکہ کہ مرا نام محبت خان است

دل ز خود رفتہ براہ طلبت تا برخواست باز نہ نشست دے تاکہ زدینا برخواست
چوں تو برخواستی از ہر علاج جانان شور افتاد بہ عالم کہ میجا برخواست
بسکہ گردید فروں گرمی و اشک و آہم آب شد آتش و دود از دل دریا برخواست
یار موجود در آغوش بنی بیند کس اے محبت ز جہاں دیدہ بینا برخواست

زیر گذشت محبت زہر کہ پر سیدم بہ عارض اشک پیالے چکید و ہیچ نہ گفت

رفتی ز دیدہ لیک غائی بہ چشم من از بسکہ نقش روئے تو ام از نظر نہ رفت

تاکہ در بردل فگارم ہست یادگار تو در کنارم ہست

تا گفتگوئے عشق ترا گوش کردہ ایم در باد ہر چہ بود فراموش کردہ ایم
تا چشم باوہ نوش تو ستانہ دیدہ ایم خود را خواب و پیچود و مدہوش کردہ ایم

گر ز دل غافل آدم نہ شوی واقف از جام نہ جسم نہ شوی
غم بہ گرد تو نہ گرد دھرگز گر دستادی و خرم نہ شوی

رویم بہیں شگفتہ کہ در عین خستہ می چوں گل بہار چاک شود پیرہن مرا

صبا دگر ز بلوغِ جہدِ اگشتہ ام پہ چشم
از خونِ خود قرض شدہ رشکِ چمن مرا

فاسد از شہد و شکرِ بے سخن می گوید زان کہ حرف از لبِ شیریں دہن می گوید
دلم از سببِ پُر داغِ حدیثِ دارد بلبے حرفِ ہزار چمنے می گوید
گلِ فشاں آمدہ ہر وقتِ محبتِ بہ کلام زانکہ ہر دم سخنِ گلبد نے می گوید

خویش جگر کند لبِ لعل تو لالہ را ساز و اسیر چشمِ غزلتِ غزالہ را
در یادِ شامِ زلف تو و صبحِ روئے تو تاکہ ز دل کشم شبِ و روزِ آہ و نالہ را

بر سرِ من گذارِ پائے سرِ من بہ پائے تو در دل و دیدہ ام بیا سے دل و دیدہ جائے تو
خوئے تو جانِ ز پا فنا و دلِ بیتِ بودِ مرا جان و دلم بہر کہ بادِ جان و دلم فنا سے تو

گر کششِ من اثر سے داشتے یارِ بسویم گزر سے داشتے
آنکہ جہاں را بہ نگہ زندہ کرد کاش بہ ماہم نظر سے داشتے
زیتمنے تو اگر مثلِ تو مادرِ گیتی پر سے داشتے
دانہ مہرِ بدشِ سر زدے نخلِ امیدم ثمر سے داشتے
گر رختِ از پردہ بروں آمدی شامِ محبتِ سحر سے داشتے

اُردو شاعری میں نواب محبت خاں قلندر بخش جرات کے شاگرد تھے اسی بنا پر
جرات ہمیشہ نواب صاحب کے ملازم رہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ۔
بسکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستان کے ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

علم و ادب میں فضیلت رکھنے کے علاوہ نواب محبت خاں فنونِ سپہ گری کے ماہر بھی تھے علم موسیقی کا بھی نہایت شوق تھا اور لکھنؤ کے بعض مشہور گویے ان کے پاس ملازم رہتے تھے۔ زیادہ بلند آواز سے گفتگو اور تیز رفتاری کی عادت نہ تھی۔ اکثر نواب آصف الدولہ ان کو دور ہی سے دیکھ کر فرماتے کہ آؤ برابر آؤ لیکن نواب محبت خاں اس پر بھی اپنی معمولی رفتار کو قائم رکھتے اور اپنا قدم جلد جلد نہ اٹھاتے۔ ایک روز آصف الدولہ نے سید خواجہ حسن صاحب سے شکایت کی کہ میں نواب محبت خاں کو دیکھ کر دور سے پکارتا ہوں لیکن عجب آدمی ہیں کہ اپنا قدم تیز نہیں اٹھاتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ۔

”آپ دونوں وضعِ ار ہیں آپ ان کو ہمیشہ دور ہی سے دیکھ کر آواز دیتے ہیں اور وہ ہر حال میں اپنی ایک سی رفتار رکھتے ہیں۔“

نواب محبت خاں۔ دچیمہ۔ تشکیل اور انتہا درجہ کے بالیاقت تھے۔ مؤلف سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ

”میں نے آصف الدولہ کی آغاز حکومت میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کی اولاد کو اکثر لکھنؤ میں دیکھا اور ان کی کیفیتِ عزم و مشاہدہ کی۔ اس جماعت میں سب سے بہتر محبت خاں ابنِ حافظ رحمت خاں ہے جو عنایت خاں کا چھوٹا بھائی ہے یہ شخص صورت و سیرت دونوں کے اعتبار سے حکومت اور سرداری کی لیاقت رکھتا ہے لیکن اس سفلہ پر در زمانے میں اس کے لئے بہت تھوڑی معاش جو ننگ و غار کا موجب ہے مقرر کی گئی ہے۔ اس چرخِ جفا کا رکی سفلہ پروری کا بیان جیٹہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔“

مؤلف عماد السعادت بھی لکھتا ہے کہ۔

”نواب محبت خاں جیسا باغیرستا و صاحبِ لیاقت رئیسِ بہت کم نظر سے گذرا ہے۔“

اسی طرح میر محسن صاحب نے جن کا انتقال غدر سے دو تین سال قبل ہوا تھا مولف تاریخِ سلیمانی سے بقسم کہاکہ -

”میں نے از عہد نواب آصف الدولہ تا ایندم محبت خاں کا ساخِ بصورت آدمی نہیں دیکھا“

نواب محبت خاں کی وجاہت و لیاقت پر ایک اور واقعہ دلالت کرتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاندارہ دہلی سے لکھنؤ تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ نے محبت خاں کو بھی ان سے ملاقات کرنے کا موقع دیا۔ جہاندار شاہ محبت خاں کی وجاہت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ بڑی تعریف و توصیف کی اور خطاب نواب مظفر الدولہ شہباز جنگ سے سرفراز کیا۔ ایک روز تخلیہ میں بھی طلب کیا اور فرمایا کہ -

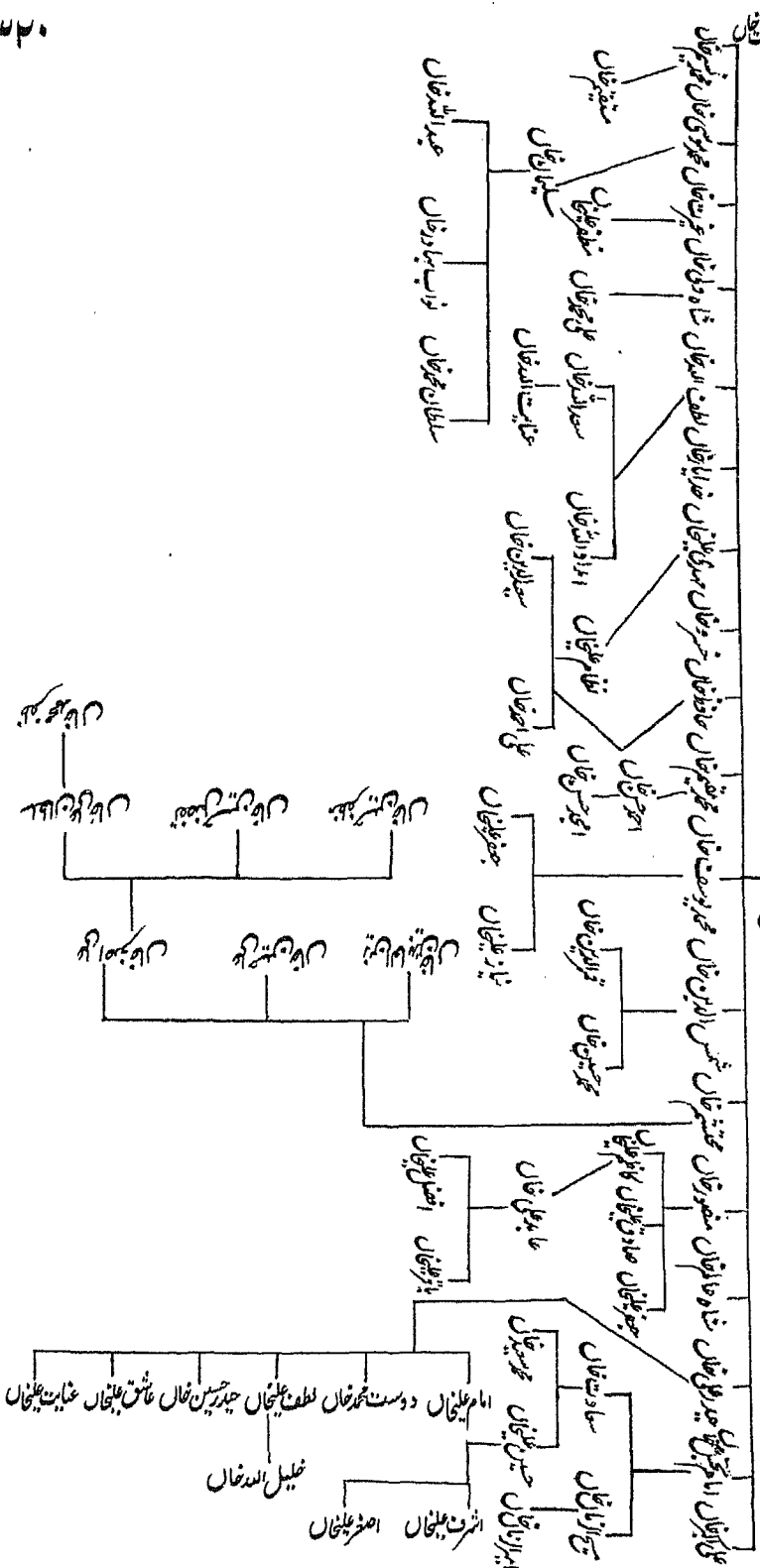
”بادشاہ عالم نابینا اور بیکار ہو چکے ہیں۔ اموراتِ سلطنت درہم برہم ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں لہذا میرا قصد ہے کہ فوج کشی کر کے ان کو قید کر لوں اور خود تخت نشین ہو جاؤں۔ تم چار ہزار افغان روپہل کھنڈ سے طلب کر لو اور میرے ساتھ چلے چلو انشاء اللہ بروقت تخت نشینی خدمتِ وزارت تمہارے سپرد کر دینگا“

لیکن محبت خاں نے جواب اپنا سب کچھ کھو کر امن پسندی کے عادی ہو گئے تھے اس گرامرِ تجویز کو بہ لطافتِ الجیل ٹال دیا۔

نواب محبت خاں کی شادی تحصیل فرید پور ضلع بریلی میں عبدالستار خاں کمال زائی کی صاحبزادی کے ساتھ حافظ المکاک کی جیات ہی میں ہوئی تھی۔ نہایت کثیر الاولاد تھے علاوہ لڑکیوں کے اٹھارہ لڑکے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

۱۔ نواب محبت خاں کے صاحبزادوں میں محمد منصور خاں، حمزہ اور محمد مفیم خاں مفیم۔ پوتوں میں محمد حسین خاں صبا۔ احمد حسن خاں جوش اور محمد سلیمان خاں آسہ (مولف تاریخِ سلیمانی) پر پوتوں میں عابد علی خاں غور شہید۔ اور محمد علی خاں تہر وغیرہ بہت اچھے شاعر گزرے ہیں۔

حیات حافظ رحمت خاں



نواب حافظ محمد یار خاں

ان کی عمر بھی حافظ الملک کی شہادت کے وقت چوبیس سال کی تھی۔ موت
گل رحمت نواب سعادت یار خاں ان کے بیٹے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

”اب تک یعنی ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۵ء تک بقید حیات ہیں اور عمر ۸۳ سال سے متجاوز ہو گئی ہے۔“

لیکن بجز صنعت و نقاہت جو لازماً میرانہ سالی ہے تو اسے ظاہری و باطنی میں اور کوئی خلل واقع نہیں
ہوا ہی۔ سماعت و بصارت اب تک بدستور قائم ہیں۔ اکثر دانستہ ہی موجود ہیں۔ خدا ان کو طبعی عمر
”تک پہنچائے کہ تمام خیر و برکت اور حافظ الملک کے خاندان کی نام و عزت انھیں کی دانستہ سے باقی ہو
وہر معیشت علاوہ کچھ آراضیات معافی مبلغ آٹھ ہزار ایک سو اٹھاون روپیہ سالانہ مراکے سے مقرری
جو غرائز بریلی سے وصول ہوا کرتا ہے۔“

حافظ کلام اللہ تھے حافظ الملک کے زمانہ میں ایام رمضان المبارک میں تراویح میں نہایت خوش الحانی کے ساتھ
قرآن شریف سناتے تھے۔ تفتاک اندازی میں گنجانہ روزگار تھے اور ہرن کے شکار کا بہت شوق تھا۔
پٹیگاہ شاہ عالم بادشاہ سے ان کو خطاب نواب محظّم الدولہ حشمت جنگ۔ منصب پنج ہزاری و دو ہزار سوار۔
خلعت گراں بہا۔ پالکی جھاردار اور ایک پاٹھا میل عطا ہوا تھا۔
طریقہ نقشبندیہ میں میاں ہمدی صاحب سے جو حضرت شاہ لعل صاحب رائے بریلوی کے فرزند و خلیفہ تھے
بیعت تھے۔

محمد خاں کمال زانی کی صاحبزادی کے ساتھ جو خوافین ولایت میں سے ایک نامور سردار تھے موضع ”اھرو“
میں شادی ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اور نو لڑکے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

نواب سعادت یار خاں

۱۵ حافظ محمد یار خاں کے نو صاحبزادوں میں سے ایک گل رحمت کے مولد نواب سعادت یار خاں
تھے۔ شاعر تھے اور صاحبِ تخلص فرماتے تھے آخر عمر میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے انرا راہ میں بڑودہ میں انتقال فرمایا
اور وہیں دفن ہوئے۔ عبداللہ درخاں اور عبدالعزیز خاں دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ اول الذکر ۱۲۵۸ھ
میں اپنا کل مال و منال بریلی میں چھوڑ کر صرف شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں ۴۴

۴۴ اور حافظ محمد یار خاں کی نصا ویر اپنے سینہ سے لگا کر دم لو کو چلے گئے تھے۔ راپور میں ایک شکستہ مکان کی کھت پر ایامِ روپوشی گزارتے تھے اور معمولی ضروریات کے لئے بھی بیچے اترتے تو نصا ویر کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے اُن کے اسی اشار کی بدولت یہ نادرتھا ویر موجودہ زمانہ میں ہم تک پہنچیں اور اس کتاب کی زمیست بنیں۔

نواب عبدالعزیز خاں آخر الذکر نواب عبدالعزیز خاں جن کا سنہ ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں انتقال ہوا باعتبار علم و فضل علامہ وقت اور بلحاظ وجود و سخا حاتمِ دوراں تھے۔ زمانہِ خدمت سے اس وقت تک خاندانِ حافظ الملک میں اس لیاقت و فہمید کا کوئی دوسرا شخص پیدا نہ ہوا۔ اُن کی پیدائش کے متعلق یہ عجیب واقعہ مشہور ہے کہ ایک بنگالی مسلمان زیارتِ عربین الشریفین کو گیا تھا اتفاقاً واپسی میں قافلہ سے جدا ہو کر پاکستانِ عرب میں دہستہ بھول گیا۔ ہر چند ہر طرف مارا مارا پھر انگریز منزل مقصود کا پتہ نہ چلا۔ بالآخر قریب شام جب وہ بدحواسی کے عالم میں اپنی زندگی سے یابوس ہو چکا تھا تو اُس کو ایک سمت سے کچھ سوار آتے دکھائی دئے یہ بھی اُن سواروں کے پیچھے ہو لیا تھوڑی ہی مسافت طو کی تھی کہ ایک عالی شان عمارت دکھائی دی جس کے قریب پہنچ کر سوار اور اُن کا سردار نظروں سے غائب ہو گئے۔ مسافر بہ حال دیکھ کر سخت متعجب ہوا اور خود بھی اُس عمارت کے پھاٹک کے پاس جا کر زمین پر سو گیا۔ علی الصبح اُنکھ کھلی تو ایک وجیہ و تشکیل بزرگ کو اپنے قریب پایا۔ ان بزرگ نے مسافر کو ہاتھ کے اشارہ سے اُس کا راستہ بتایا۔ اور کچھ تامل کے بعد اُس کو گلاب کا ایک پھول دیکر فرمایا کہ جب تم ہندوستان پہنچو تو بریلی جا کر یہ پھول ہمارے پوتے سعادت یار خاں کو دے دینا اور کہنا کہ تمہارے دادا نے دیا ہے۔

چنانچہ حسبِ ہدایت یہ شخص ہندوستان آکر وار دبریلی ہوا اور نواب سعادت یار خاں کی خدمت میں پہنچ کر وہ پھول پیش کیا ساتھ ہی کل واقعہ بھی بیان کیا۔ پھول اُس وقت تک تر و تازہ تھا نیز بزرگ مذکور کا جو حلیہ اُس نے بتایا وہ حافظ صاحب کے حلیہ سے ملتا جلتا تھا۔ اس واقعہ کے ۹ ماہ بعد نواب عبدالعزیز خاں پیدا ہوئے خاص پیدائش کے روز مسافر کا لایا ہوا پھول جواب تک نہیں سوکھا تھا خود بخود غائب ہو گیا۔ جس سے یہ خیال کیا گیا کہ پھول سے مراد دراصل نواب عبدالعزیز خاں تھے جنہیں حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید نے اپنے نصرت باطنی سے بطور تحفہ اپنے خاندان میں بھیجا تھا اور جو آگے چکر خضر خاندانِ نابت ہوئے۔

نواب عبدالعزیز خاں ابتدائے عمر سے نہایت ذکی و ذہین اور صاحبِ عقل و فراست تھے۔ چھ سات ۴۴

سال کے سن میں کتب میں اپنے سے اگلی جماعت کے بچوں کا سبق یاد کر لیتے اور دوسرے دن اگر کوئی بچہ اپنا سبق بھول جاتا تو اس کو سبق یاد کر دیتے تھے۔

کتب و مسبہ ابتداً شیہ مولوی اللہ یار تھاں سے مقبول و منقول مولوی یعقوب علی تھاں اور علامہ مفتی عنایت احمد صاحب سے پڑھیں۔ اور اپنے زورِ ذہانت سے عالمِ بھرن گئے۔ فارسی و عربی کے فنی ہونے کے بعد سنسکرت کا شوق ہوا تو قلیل مدت میں بڑے بڑے پنڈتوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ اور اس طرح عنفوانِ شباب ہی میں جامعِ علوم ہو گئے۔ ایک مرتبہ مجمعِ احباب میں سورہ یوسف کی تفسیر شروع کی و وہاں تک سلسل چار چار پانچ پانچ گھنٹے کی صحبت میں اپنے بیان کو جاری رکھا، تھری اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دئے۔ حافظ کا یہ عالم تھا کہ جس کتاب کو ایک مرتبہ دیکھ لیا تمام عمر یاد رہی۔ ایک روز بسپل تذکرہ فرمایا کہ قرآن عظیم کو اگر کوئی شخص چاہے اور جرأت کرے تو وہ دو ماہ میں حفظ کر سکتا ہے اسی اثنا میں ماہ رمضان المبارک آگیا دوستوں سے ذکر کیا کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس مرتبہ ہم بھی مسجد میں قرآن سنائیں چنانچہ یکم رمضان سے صبح کے وقت ایک پارہ دیکھ لیتے اور دوبارہ سہ پہر کو تلاوت فرما کر شب کے وقت سجدِ نواب ایوب تھاں میں ذرا بیچ میں سنا آئے ۲۸۔ کو قرآن شریف ختم کر دیا اور اُس روز بڑے اہتمام سے مسجد میں چراغاں اور تقسیم شیرینی کرائی۔

نواب عبدالعزیز تھاں مرحوم اردو فارسی کے زبردست ادیب تھے ہر روز باؤں کی ایسی عبارت لکھتے ہیں یہ طلی رکھتے تھے کہ جس کے ہر ہر فقرے سے مادہ تاریخ نکلتا ہو۔ نواب صاحب کی قضایف میں ’سپیل بخشش‘، ’آئینہ آخرت‘، ’جز و مد‘ اور مجالس العلوم بہت مقبول ہوئیں۔ آخر الذکر کتاب میں چالیس مختلف علوم پر نہایت عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔

نواب صاحب کا فارسی اور اردو کا ایک متوسط مطبوعہ دیوان بھی موجود ہے۔ شاعری میں ابتداً مولوی عبدالملک ممتاز بریلوی سے تلذز ہا نام کی مناسبت سے عزیزِ نخلص اختیار کیا اور اس فن میں حیرت انگیز ترقی کر کے ایسی شہرت پائی کہ بریلی میں کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوئی۔ بڑے بڑے شعرا اُسے پیش ورمقابلے رہے مگر کبھی کسی نے اُن کے کلام پر نکتہ چینی نہ کی۔ کلام کا نمونہ حسبِ ذیل ہے۔

نہ سو آغوشِ گل میں دن چڑھے تک عنادل سے تو اے شبِ نیمِ جا کر

عزیزِ جاں بلب کی جانی ہے جاں تھیں لے لو بھوں سے لب ملا کر

ولہ

جلوہ ابرو کا ہے اس دیدہٴ مخمور پہ یوں جس طرح مس پہ کسی مست کے ہوجام نگوں
پایا برجستہ جو یاں ناز و ادا کا مضمون کی رتم کا تلب تقدیر نے بیت موزوں

خج ابرو نے زمانے کو کیا ہے تسخیر
صید کرتی ہے دلوں کو یہ کمان سے تیر

ولہ

یا خدا دل میں غم یار کی مہمانی ہے شرم رکھ لے کہ بہت بے سرو سامانی ہے
راستے اور بھی ہیں ملکِ عدم کے لیکن تیغ کے گھاٹ اُتر جانے میں آسانی ہے
عشق سینے میں بنا سوز تو آنکھوں میں برشک طرفہ شے ہو کہ کہیں آگ کہیں پانی ہے
خرمنِ غنچہ دگل سینہٴ بلب ہے عزیز کثرتِ زخم ہے پھالوں کی فراوانی ہے

نواب صاحب نہایت مثنوی و پرہیزگار۔ عابد و زاہد تھے اور خدمتِ غلن اللہ کو ذریعہٴ نجاتِ آخرت سمجھتے تھے۔
شرفاً نواز اور غر با پروزی اُن کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ اکثر و بیشتر اپنی ضرورتوں کو بند کر کے دوسروں کی حاجت
براری و دستگیری کرتے تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے ہمیشہ دو چار مسافر بالخصوص عرب لوگ مہمان رہتے تھے۔

ہنگامہٴ غدر ۱۸۵۷ء سے خاندانِ حافظ المملک پر بالخصوص اور عام مسلمانوں پر بالعموم جو تباہی و بربادی آئی
اُس سے نواب عبدالعزیز خاں صاحب بھی بہت بے چین ہوئے۔ لیکن ہنگامہٴ فرو ہوئے پر چونکہ نواب صاحب
باعنی قرار نہیں پائے اُس لئے اُن کی جائداد اور مکانات وغیرہ اُن کو واپس مل گئے جن کی آمدنی سے وہ حسب
معمول سابق خوشحالی کی زندگی بسر کر سکتے تھے مگر عام مخلوقِ خدا کی امداد کرنے کے خیال نے انہیں دکالت کا پیشہ
اختیار کرنے پر مجبور کیا جس کے ذریعہ وہ دو تین ہزار روپیہ ماہوار کماتا اُن شرفا کی امداد کرتے رہے جن کو غدر نے
نا دار و مفلوک الحال کر کے گوشہ نشین ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ دکالت کا پیشہ نواب صاحب نہایت
ایمانداری اور دیانت داری سے انجام دیتے تھے کبھی کسی جھوٹے مقدمہ کی پیروی نہیں کی۔ اسی دیانتداری

کے باعث تمام عدالتیں بے حد احترام کرنی تھیں غیر معمولی مبلغِ علم اور قانون دان کی وجہ سے ہم ہمیشہ وکیلوں میں بھی اتنی زنجھمی حاصل تھا۔ کبھی کوئی کاغذ یا دستاویز شاہی عدالت میں آجاتی تو اُس کے پڑھنے کے لئے نواب صاحب ہی بلائے جاتے تھے۔

نواب صاحب کے انتقال کو اگرچہ چالیس سال سے زائد زمانہ گزر چکا ہے مگر آج بھی سرزمینِ بریلی میں انہیں عزت و احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اُن کی قبر مقبرہ حافظ الملک میں ہے اور اُس پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے اس کا مصرعہ تاریخ خود انہیں کی ایک غزل کے مقطع سے مولوی فاسم علی خاں صاحب خواہاں بریلوی لے نکالا ہے وہ بیت جس میں مصرعہ تاریخ ہے حسب ذیل ہے۔

ابرآید و بر تربت من گرید و گوید ایں گورِ عزیز است کہ از بادہ کشاں بود

نواب عبدالغفر خاں نے صرف ایک صاحبزادے نواب عبدالرشید خاں صاحب اپنی یادگار چھوڑے۔ جنہوں نے ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو بریلی میں انتقال کیا۔ انہوں نے ابتدائے کالت کا پیشہ اختیار کیا تھا لیکن چونکہ کثیر الاحباب اور بامردت تھے اس لئے اکثر مقامات بلا مختار نہ لڑانا پڑتے تھے۔ مجبوراً ملازمت اختیار کی پہلے تحصیلدار اور بعد عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اپنی ملازمت میں نہایت نیک نام تھے۔ زمانہ ملازمت میں جن لوگوں کا ان سے واسطہ رہ چکا ہے اُن کی شرفانوازی۔ خوش خلقی۔ مہمان نوازی۔ دیانت داری کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اپنے عالی مرتبت والد کی طرح یہ بھی ذی علم تھے اور اُن کا مذاقِ علمی بہت ہمد گیر تھا۔ مدتِ العمر میں جو کچھ پڑھا حرف بحرف یاد رکھا اسی وجہ سے جس مسئلہ پر بھی گفتگو کرتے تو نہایت گہری معلومات کا ثبوت دیتے تھے۔

غالباً ۱۹۵۰ء میں نواب عبدالرشید خاں صاحب نے مقبرہ حافظ الملک کی مرمت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور تقریباً پانچ ہزار روپیہ جمع کر کے مرمت میں صرف بھی کیا لیکن بعض ذاتی موافقات کے باعث اس کام کو جس وسیع پیمانہ پر انہوں نے شروع کیا تھا جاری نہ رکھ سکے۔ امید ہے کہ اُن کے لائق صاحبزادگان عبدالحمید خاں۔ عبدالقادر خاں۔ عبدالموہب خاں۔ عبدالکیم خاں۔ عبدالقیوم خاں۔ عبدالماہد خاں اور عبدالحکیم خاں جو سب کے سب بفضلِ صاحبِ حیثیت مرفع الحال اور ذی عوصلہ

ہیں اس ضروری خدمت کو جب کبھی بھی اُن سے ممکن ہوگا انجام دینے کی امکانی تدابیر اختیار کریں گے۔
 نواب نیاز احمد خاں ہوش [نواب حافظ محمد یار خاں کی اولاد میں حکیم مولوی نیاز احمد خاں عرف بنے میاں
 انھوں نے ہوش بریلی کے ایک مشہور شاعر اور صاحبِ تصانیف گزرے ہیں۔ فنِ شعر میں استاد تھے
 اور اس فن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کثیر التعداد لوگوں کو ان سے فخر تلمذ حاصل تھا۔ اور بریلی کے علاوہ اطراف
 و جوانب میں دور و دراز ان کی خوب شہرت تھی۔

فارس کی تحصیل خلیفہ امیر الدین آزاد مرحوم بریلوی سے کی کتبِ درسیہ معقول و منقول مختلف علمائے پڑھیں۔
 فنِ طب لکھنؤ میں حکیم مولوی محمد براہیم سے حاصل کیا۔ اور شاعری میں اسیر لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔
 پندرہ چودہ سال کی عمر میں حدیثِ نعت تصنیف کیا۔ قصیدہ۔ رباعی۔ غزل۔ سلام سب کچھ کہتے تھے
 زمانہ ناہنجار جو ہمیشہ سے اہل کمال کا دشمن رہا ہے ان کے ساتھ بھی نامساعد رہا۔ شاعر کے بعد سے پھر
 نہ پایا۔ بہت سے شہروں کی سیاحت کی۔ مدت تک لکھنؤ میں قیام پذیر اور وہاں کے جلسوں اور محبتوں
 میں شریک رہے۔

”تاریخِ روہیل کھنڈ۔ کلیاتِ ہوش۔ ثنوی ترانہ ہوش اور حدیثِ نعت (مولود نامہ)
 ان کی مطبوعہ تصانیف میں سے یادگار باقی ہیں۔ مرحوم کے چند اشعار بطور نمونہ درج
 ذیل ہیں۔

سروِ سودا دیا پاؤں دے صحرا دیا کیا بتائیں دینے والے لئے ہمیں کیا کیا دیا

مرنے کے بعد ہوش یہ رتبہ بڑھا مرا میں تھا سوار ساتھ زمانہ پیا وہ تھا

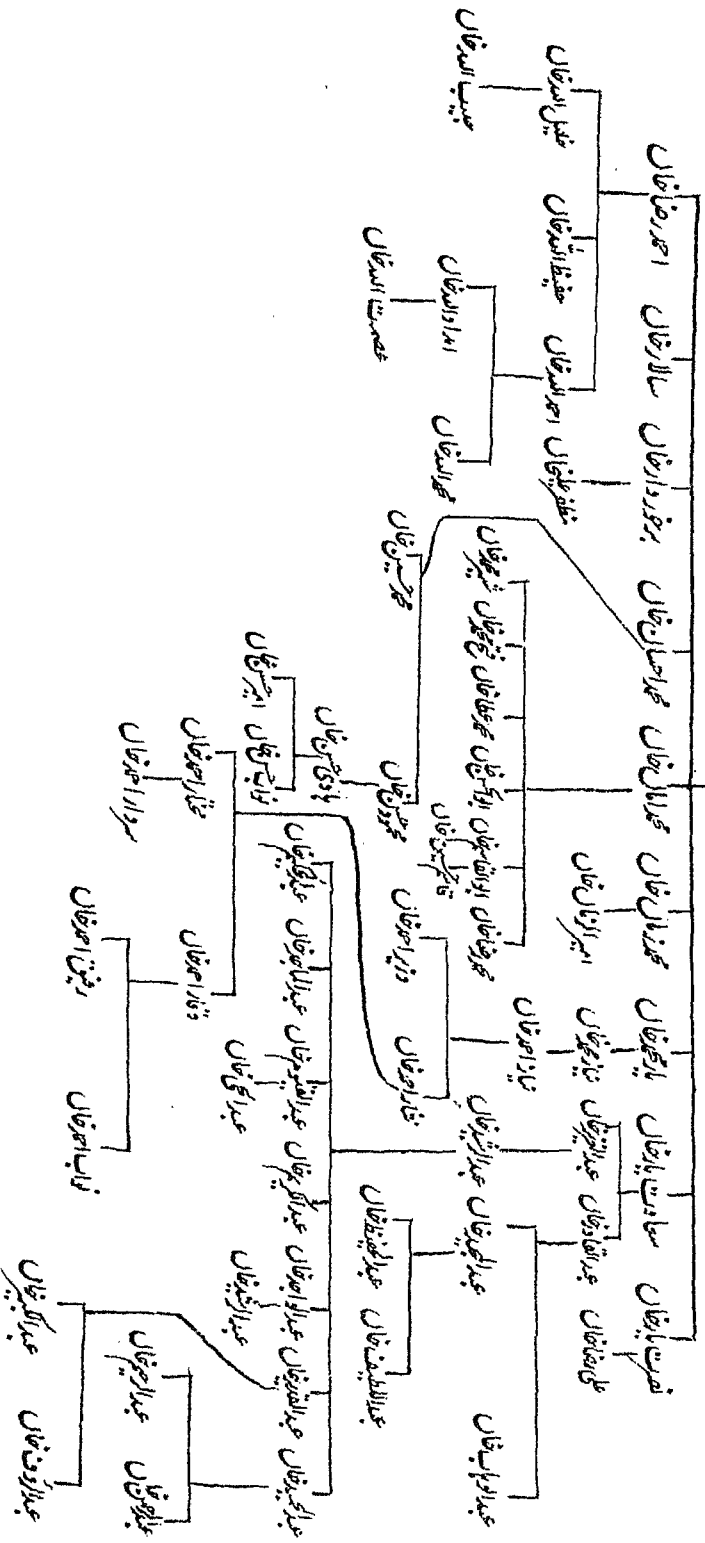
تصور میں رُخِ نگین کے میں نے جب پئے آنسو تو ہر دیدہ خزانہ بن گیا حوضِ گلستاں کا
 عجب کیا مردمِ چشمِ اس کے اس جانب جو پھر جائیں کہ انسان سے نکلتا ہو جہاں میں کامِ انساں کا

رو برو تیرے اگر آجائے اے گل آفتاب
کھائے جل کر بدین پر سیکڑوں گل آفتاب
زلفیں ٹٹکادیں جو رخ سے دن میں اُس نے ایفکاب
اُگیا زیر نقابِ مونے کا گل آفتاب

بام پر بیٹھے جو منہ دھوئے کو وہ ہنگامِ صبح
آفتابِ بن کے آئے بے تامل آفتاب
کیوں نہ اس گل سے گلِ خوشید رکھے دلیں خار
حسن میں جس کی قبا کا ہو پرک گل آفتاب

تل جبین کا خال دونوں آنکھوں کے صفرِ دہاں
چار یہ نقطے ہیں جیسے نقطہائے آفتاب
معصومہ زخماںِ جاناں کا نہ ہمسر ہو کے
لاکھ صورت سے اگر صورت بنائے آفتاب

سید علی نقی اب محمد رضا



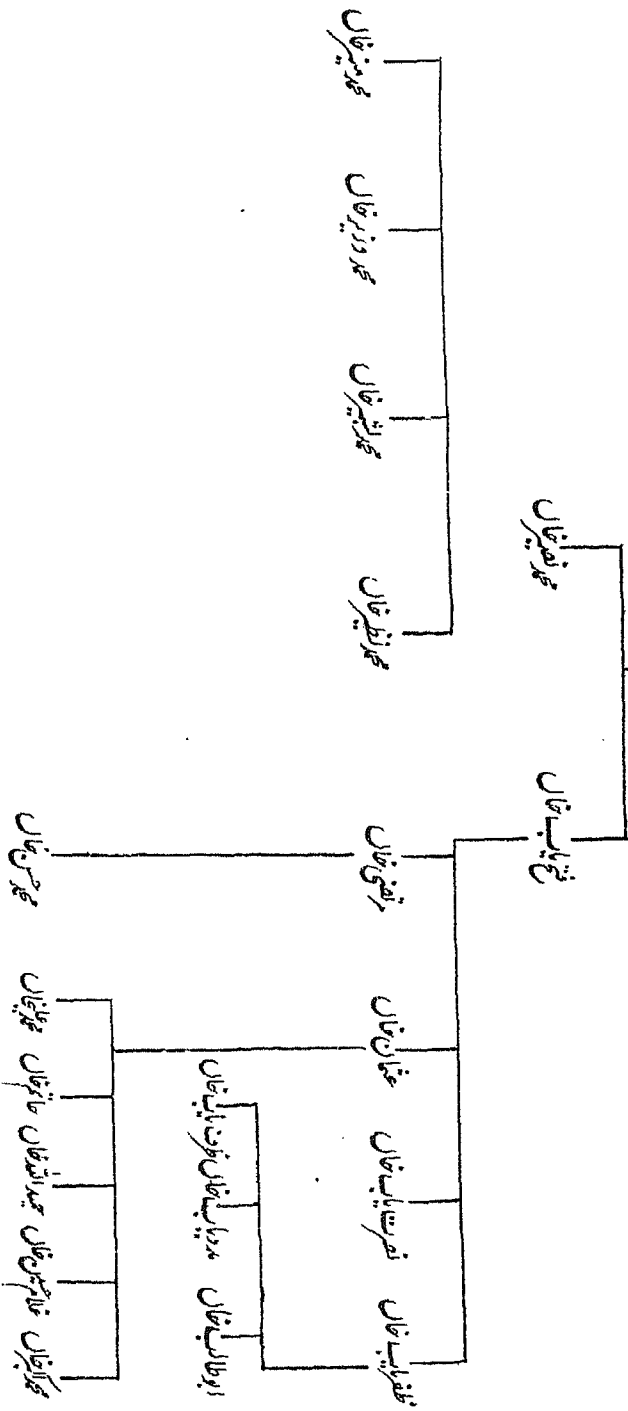
نواب محمد دیدار خاں

محمد دیدار خاں الملقب بے منگل خاں والد کی شہادت کے وقت بائیس سال اور پندرہ مہینے کے تھے۔ اور ان کے بعد پینتیس سال چند ماہ اور زندہ رہا یاہ شوالی

۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء بعمر ۵۵ سال رحلت کی اور کھنڈ میں مدفون ہوئے۔ چار ہزار ایک سو سولہ روپہ خزانہ کھنڈ سے ملتا تھا اور وہیں نواب محبت خاں کی رفاقت میں جن سے انھیں نسبت تھی بود و باش دیکھتے تھے۔ صدق مقال۔ ستودہ صفات۔ شجاعت و سخاوت میں مشہور تھے۔ اپنے اوقات شب و روز کو ثوابِ اخروی حاصل کرنے میں مصروف رکھتے تھے۔ باخیرت و باحسبیت تھے اور جو اکرام ان کی ذات سے جاری رہتا تھا۔ شرع شریف نبوی کے نہایت تتبع اور مذہب حنفی پر ثابت قدم تھے۔ اکثر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ فنِ پیراندازی میں یگانہ وقت تھے۔

ان کی شادی محمد میر خاں بابر کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ محمد میر خاں بابر وہی تھے جو عنایت خاں کی ہمراہی میں جنگِ پٹنہ میں توپ کے گولے سے مارے گئے تھے اور جنہوں نے میر گنج تحصیل بریلی کو آباد کیا تھا۔ مطابق وصیت ان کی لاش پٹنہ سے میر گنج لاکر دفن کی گئی تھی۔ قبر کا نشان اب تک موجود ہے۔ نواب محمد دیدار خاں صاحبِ اولاد تھے۔

سلسله نسل نواب محمد بدایرخان



نواب ذوالفقار خاں

حافظ الملک کی شہادت ہوئی تو ان کی عمر بائیس سال کی تھی۔ چوبیس سال اور چند مہینے اور زندہ رہ کر بمبھیا لیس سال روز چار شنبہ ۴۔ رمضان المبارک ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۹۶۲ء بمقام لکھنؤ وفات پائی۔ چند ماہ بعد ان کی نعش بریلی لا کر حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن کی گئی۔

نوبہارِ نوسو بائیس روپیہ سالانہ۔ پانچ روپیہ یومیہ۔ دو گائوں اور کچھ آراضیات معافی کی انہیں ملی ہوئی تھیں جن سے اپنا خرچ چلاتے تھے۔

تقویٰ و ورع سے آراستہ اور جادہ شریعت پر مستحکم تھے۔ کبھی مہنیا کے مرتکب نہیں ہوئے شب ہائے تبرک شل شب جمعہ اور شبِ دو شنبہ کو نوافل و وظائف اور تلاوتِ قرآن مجید میں تمام تمام رات مصروف رہتے تھے۔ نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ ہمیشہ باجماعت ادا کرتے اور اکثر و بیشتر عبادت شائقہ میں مصروف رہتے تھے۔ موسمِ سرما ہو یا گرما۔ سفر ہو یا حضر ایامِ بیض کے روزے کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔ طریقہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ جمال اللہ سے بیعت کرتے۔

نواب ذوالفقار خاں کی شادی قصیدہ کٹرہ ضلع شاہجہاں پور میں کمال ذاتی خاں کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اور دیش لڑکے اپنی یادگار میں چھوڑے۔

۱۔ ذوالفقار گنج جو اب شہامت گنج کہلاتا ہے نواب ذوالفقار خاں کے نام پر بسایا گیا تھا بہرلی کا ایک مشہور بازار ہے۔

۲۔ ہر مہینے چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخوں کو ایامِ بیض کہتے ہیں۔ بیض بمعنی سپیدی۔

۳۔ نواب ذوالفقار خاں کے اکثر لڑکے مشہور ہوئے۔ جن میں خان بہادر خاں بہننگا ۱۷۵۵ء میں روپل کھنڈ کے نواب بنائے گئے تھے خاص طور پر بہت ممتاز و نامور ہوئے۔ ایک اور صاحبزادے نواب احمد یار خاں نامی تھے جو ریاستِ فرخ آباد میں نواب محلِ حسین خاں کے زمانہ میں بہمدہ نیابت ممتاز تھے۔ نہایت قابلِ اولاد ذی علم تھے۔ اردو فارسی کی چند کتابیں تصنیف کیں۔ فارسی کا ایک محبوبہ مولود شریف موجود ہے۔ ۴۔

۴۴۱ ان کی بیعت علمی کا ذکر مولوی ظفر الدین حسن مصنف مصدر فیوض نے اپنی کتاب میں کیا ہے ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں عید الفطر کے دن نماز عید میں انتقال فرمایا۔ چھ ماہ کے بعد لاش فرخ آباد سے بریلی لائی گئی اور حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن کی گئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھلہ چار لڑکوں کے درمینی نواب مظفر حسین خاں اور آجیر خاں ایامِ غزننگ فرخ آباد ہی میں متنازعہ دوں پر فائز رہے۔ پوتوں میں نواب حیدر حسین خاں ابنِ حافظ یار خاں نہایت عالی مرتبت اہلِ باطن میں سے گزرے ہیں۔ چالیس سال تک سلسلِ صوفیہ دہلی کے اپنی پرگزری کی اسی وجہ سے دُہلی والے میاں، کے نام سے مشہور ہیں۔ آخر عمر میں ترکِ غذا اور ریاضتِ شافہ سے انہیں ایسا نحیف و نزار بنا دیا تھا کہ ان کی شکل ایک زندہ انسان کی سی نہ معلوم ہوتی وہ سوکھی پٹریوں کے ایک درخت کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز ایک پڑیا آکر ان کے سر پر بیٹھ گئی تو فرما لے گئے۔

”کیوں رمی چڑیا کیا تو نے مجھے انسان نہ سمجھا“

حضرت شاہ محمد شیر میاں صاحبِ پہلی بھینٹوی جو شمالی ہند میں بڑے زبردست اولیا اللہ سے گزرے ہیں نواب صاحب کی بابت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:-

”میاں وہ اپنے وقت کے آفتاب ہیں“

حضرت شاہ جی میاں صاحب نے ایک روز صبح اٹھ کر حاضر خدمت لوگوں سے فرمایا:-

”راست خواب میں دیکھا کہ میں اور نواب صاحب ساتھ کھانا کھا رہے ہیں ہونہ ہو اُن کا وصال ہو گیا“

اور یہ واقعہ تھا کہ اُس روز نواب صاحب کا بریلی میں انتقال ہو چکا تھا۔ شاہ جی میاں جب کبھی بریلی رونقِ افروز ہوتے تو نواب صاحب سے ضرور ملاقات کر کے آیا کرتے تھے اور یہ اکثر دیکھا گیا کہ اس قسم کے مواقع پر خلافتِ معمول اپنے مکان واقع گلی نوابان میں نواب صاحب بغیر کسی پہلے کی اطلاع کے کواڑوں کی کٹدی پکڑے شاہ جی میاں کے انتظار میں کھڑے نظر آتے تھے۔

نواب صاحب کو حضرت شاہ دانا ولیؒ سے بہت عقیدت تھی اکثر نزار اقدس پر تشریف لے جاتے اور پیشتر

۴ خوب واقف ہے مرے حال سے شاہِ دانا

عرضِ حاجت تری درگاہ میں نادانی ہے

نواب صاحب نے ایک میلاد نامہ لکھا تھا جس کی ظلمی نقول بعض اصحاب کے پاس موجود ہیں۔ تصوف اور
نعت میں ان کا کلام بہت مقبول تھا۔ حیدر تخلص کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ اب ان کا کلام نایاب ہو گیا ہے
کی زبان جو چند اشعار سننے میں آئے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

کس کو تھی سیکڑہ کون میں آنے کی خوشی مجھ کو اس نشہ میں دم دے کے تفضال لائی ہے

میں نرک و انفس میں خدا کا ہوں چور اور ترکِ سنن میں مصطفیٰ کا ہوں چور
دم یوم الست میں چرایا میں نے حیدر بخدا میں کس بلا کا ہوں چور

محمد ستر قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے بشریت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے
خدا نے مصطفائی کی محمد نے خدا کی کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

نواب صاحب مقبرہ حافظ الملائک میں حدود گنبد کے باہر جانبِ جنوب مدفون ہیں۔ ان کی قبر کا کچھ متبرہ کی
تصویر میں بھی آگیا ہے۔

نواب ذوالفقار خاں کی اولاد میں نواب علی خاں المعروف بہ گُلن میاں صاحب بھی نہایت ذکی و ذہین
اور با وضع شخص تھے۔ حافظہ خاص طور پر بہت اچھا تھا۔ ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز سید
عبدالحمن صاحب کی صحبت میں جو عجیب و غریب صفات کے اہل باطن میں سے گزرے ہیں شریف
رکھتے تھے۔ ایک خوش کلام شاعر شریف لائے اور تیس تیس شعر کی اپنی ایک تازہ لکھی ہوئی غزل سننا کر
اہلِ صحبت کو محفوظ و سرور کیا۔ جب وہ سنا چکے تو گلن میاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ غزل تو میری ہی
آپ کو کہاں سے ہاتھ لگی۔ تمام لوگ گلن میاں کے اس فرمانے سے حیرت زدہ ہو گئے بالخصوص شاعر۔

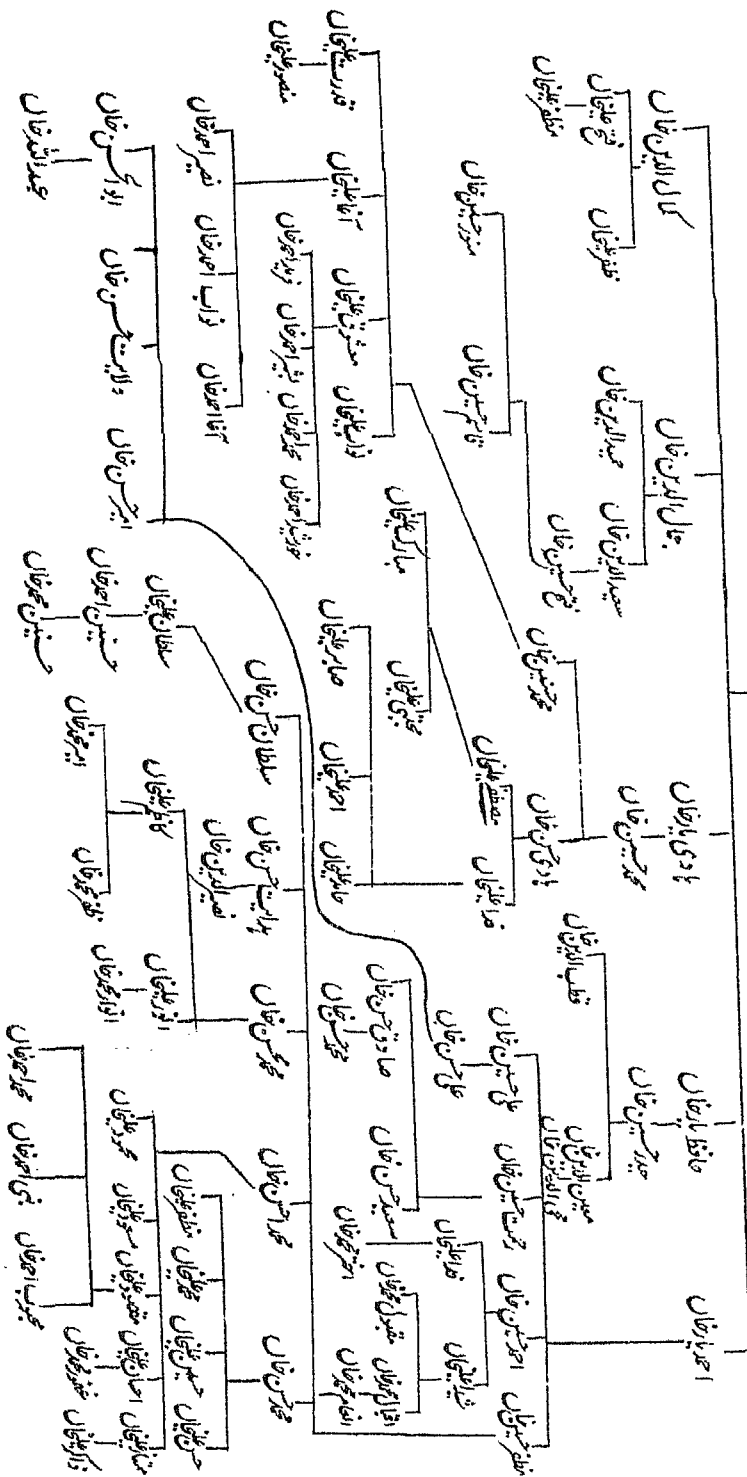
۴۴ صاحب کا استعجاب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سوال کیا گیا کہ اس کا ثبوت۔ جواب دیا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجھے پوری غزل یاد ہے۔ لوگوں نے کہا سنائیے۔ اس پر نواب صاحب نے بلا تکلف تمام اشعار سنائیے اور ثابت کر دیا کہ غزل مذکور انہیں کی لکھی ہوئی تھی۔

شاعر صاحب پیار سے بہت بخل و شرمندہ ہوئے اور عنقریب صحبت سے اٹھ کر جانے والے تھے کہ نواب گلن میاں کو ان کے حال پر رحم آگیا اور فرمایا کہ۔

”دبھائی معاف کرنا دراصل غزل تمھاری ہی ہے تم نے جو سنائی تو مجھے یاد ہو گئی“

سب لوگوں نے نواب صاحب کے حافظہ اور مذاق لطیف کی بہت داد دی۔ اللہ اللہ کیا عجیب شخص تھے۔
کیسا دل آویز ان کا مذاق تھا۔

سید سلو اب و القاضی

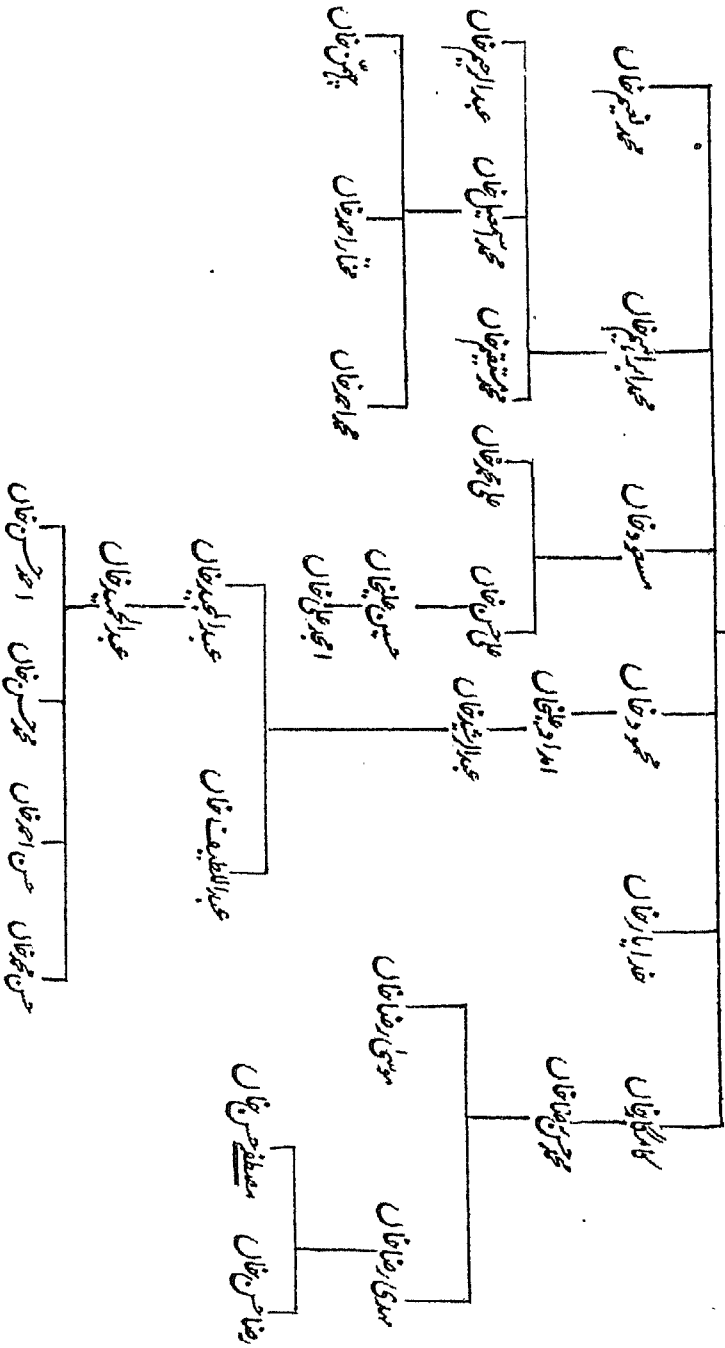


نواب الشہباز خاں

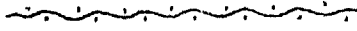
حافظ محمد یار خاں کے حقیقی بھائی تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت کہیں سال کے تھے ساٹھ سال اور چند ماہ اور زمرہ رکمر نویں ماہ شعبان ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء کو بھر کیا لسی سال اور چند ماہ وفات پائی۔ ان کو علاوہ دیہات و آراضیات معانی چھ ہزار تین سو تریسٹھ روپیہ سالانہ وثیقہ ملتا تھا۔ اخلاق حسنہ اور عاداتِ سخنے کے مالک تھے۔ متین اور سنجیدہ مزاج ہونے کے باوصف ظریف طبع بھی اس قدر تھے کہ اگر ان کے لطائف و ظرائف کو جمع کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب مرتب ہو جائے۔ شکار کا بہت شوق تھا اور ہندوؤں کا نشانہ بہت صحیح لگاتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت سید علی اکبر مددوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ عالم و محقق بھی تھے انھوں نے پشتو اور ہندوستانی زبان کی ایک مبسوط لغت تیار کی تھی جو اب دستیاب نہیں ہوتی۔ صاحب اولاد تھے اور چھ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔



سلسلہ نواب اللہ یار خاں



محبت خاں اور عنایت خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ حافظ المکاس کی شہادت کے وقت اکیس سال کے تھے صرف پانچ سال اور زندہ رہ کر پچیس سال ۴۳ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں مسلول ہو کر بریلی میں وفات پائی۔ نواب عنایت خاں کے قریب دفن ہوئے۔ تین گاؤں کچھ آراضیات معانی۔ کسی قدر یومیہ اور مبلغ دو ہزار سات سو چہتر روپیہ سالانہ وثیقہ وجہ معاش تھی۔ ان کے دولٹ کے آزاد خاں اور شہزاد خاں نامی تھے۔



نواب حرمت خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت اُنیس سال کے تھے پینتالیس سال اور زندہ رہ کر پھر چونتیس سال ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء بمقام مراد آباد وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ عطار اضافہ کے وقت سے تین ہزار چھ سو اکتتر و پیر سالانہ بطور وظیفہ کے ملتا تھا کیونکہ ہم کچھ کہتے ہیں کہ انھوں نے پہلی تقسیم وظیفہ کے وقت کچھ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ نہایت شجاع و دلیر تھے۔ شہسوار اور نیزہ بازی میں بے مثل تھے۔ غایت خاں کے بعد تمام بھائیوں میں تنومند اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ اپنے بڑے بھائیوں کی کوتاہ اندیشی کی بدولت دوسرے اہل خاندان کے ساتھ گرفتار ہونے کو تو ہو گئے لیکن قلعہ آباد سے رہا ہوتے ہی ایک دن چین سے نہ بیٹھے اپنے خاندان کی تباہی و بربادی اور اپنے پدر والا شان کے خون ناحق نہ آنے کے قلب کو مجروح اور جگر کو نگار کر دیا تھا اس لئے والی اودھ سے انعام لینے اور روہیل کھنڈ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے ارادہ سے پہلے مراد آباد اور پھر بریلی آئے۔ ہر چند پراسے سرداروں اور اہل فوج کو تلاش کیا مگر کسی کا ہتہ نہ ملا۔ خیال گزرا کہ کچھ لوگ رامپور میں ہونگے لہذا رامپور گئے۔ نواب فیض اللہ خاں نے بہت آؤ بھگت کی مگر جب حرمت خاں نے عرض مدعا کیا تو کسی قسم کی مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔

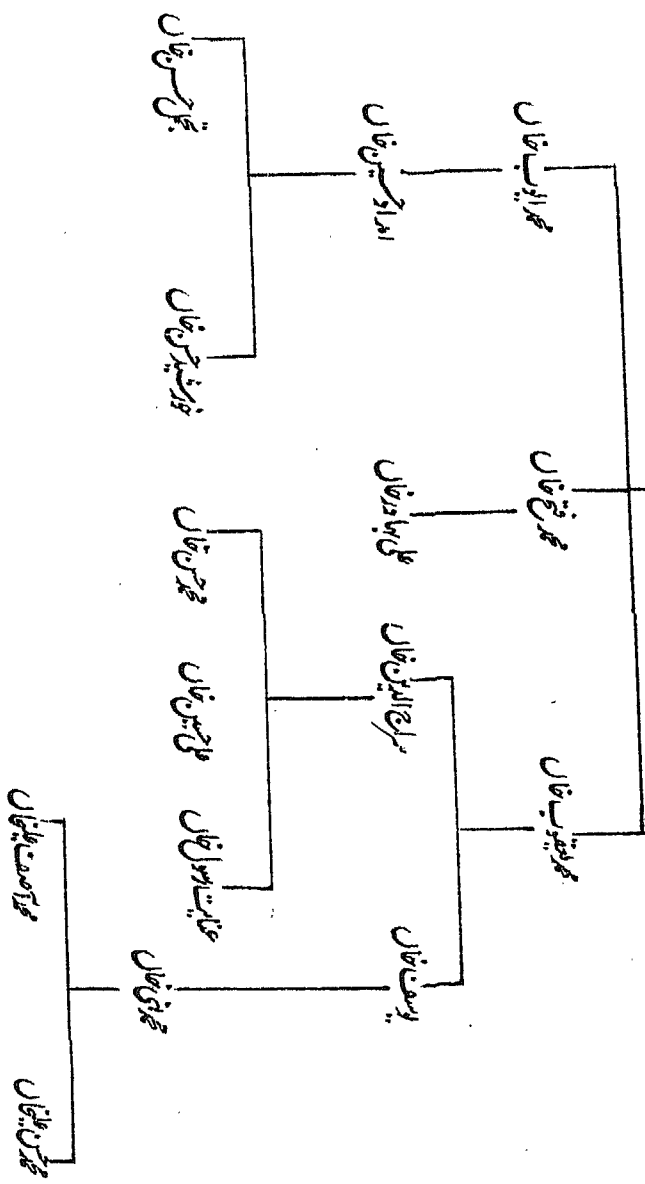
حرمت خاں نے نواب فیض اللہ خاں سے ناراض ہو کر رامپور چھوڑ دیا اور قریب کے دیہات میں چلے گئے وہاں حافظ الملک اور ان کے اہل خاندان کے کچھ روپوش قیدیوں سے ملاقات ہوئی۔ حرمت خاں نے سب لوگوں کی ہمت بندھائی اور اپنے گرد جمع کیا اور جب ان قیدیوں کی نعمت اکی سو سے تجاوز ہو گئی تو سب کو ساتھ لے کر پہلی بھیت پر حملہ کر دیا لیکن فوج کی قلت کے باعث شکست ہو گئی۔ مجبوراً دارالسلطنت دہلی کا رخ کیا اور شاہ عالم بادشاہ کی ملازمت اختیار کی بادشاہ نے ان پر بہت کچھ غایات مہذول کیں چند ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ اور کئی ہزار سوار اور پیادوں کی رسالہ داری سے بھی سرفراز کیا لیکن روہیل کھنڈ پر حکم کرنے کی اجازت نہ دی اس پر انہوں نے دل برداشتہ ہو کر ملازمت شاہی چھوڑ دی اور نواب ضابطہ خاں کے پاس چلے آئے۔ ضابطہ خاں نے بہت دلدہی و خاطر داری کی معقول وظیفہ مقرر کیا لیکن جب نیچر روہیل کھنڈ میں مدد دینے کا سوال درمیان آیا تو اپنی معذوری ظاہر کر دی۔ نواب حرمت خاں یہاں سے بھی مایوس و ناامید ہو کر ماواچی سیندھیا کے پاس جا کر

طالبِ امداد ہوئے۔ مہاداجی سیندھیانے نہایت عزت و توقیر کی کچھ عرصہ لیت و لعل میں رکھا اس کے بعد فتح روہیل کھنڈ میں ساتھ دینے سے مغدوری ظاہر کر دی۔

ایک ایک کر کے شمالی ہند کے تمام حکمرانوں نے حرمتِ خاں کی امداد و اعانت کرنے سے گریز کیا تو انہوں نے تن بہ تقدیر افغانستان کا رخ کیا اور تیمور شاہ ابن احمد شاہ درانی کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی اور اپنے خاندان کی بربادی کی فریاد کی یہ بھی بادشاہ کو یاد دلایا کہ کس کس طرح اور کن کن نازک مواقع پہ احمد شاہ درانی نے اپنے ہندوستانی ہم قوموں کی دست گیری کی نیز حافظ الملک مرحوم سے اچھے کیسے خصوصیت کے تعلقات تھے۔ تیمور شاہ نے حرمتِ خاں کے ساتھ حد درجہ مہربانی کا سلوک کیا اور وعدہ کیا کہ جلد از جلد ہندوستان پر حملہ کیا جائے گا۔ لیکن اس وعدہ کے ایفا میں ایسے ایسے موافقات پیش آئے کہ آخر کار شاہ موصوف کو بہت کچھ معذرت کے بعد حرمتِ خاں سے مدد دینے کے معاملے میں انکار ہی کرنا پڑا۔

شاہِ افغان تان سے بھی مقصد برآری نہ ہوئی تو حرمتِ خاں کی کمر بہت ٹوٹ گئی۔ اپنی سی بہت کوشش کی لیکن جب مقدر ہی یاد دہانی نہ کرے تو انسان کیا کر سکتا ہے۔ مجبوراً حرمِ نصیبِ حمت خاں دل شکستہ ہو کر ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ ناکام و نامراد عرصہ دراز کی بادیہ پیمانی کے بعد بمقام مراد آباد اپنی خسران میں وارد ہوئے۔ سرزمینِ وطن میں قدم رکھا تو ان کی ہیئتِ کدائی یہ تھی کہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور بدن پر زنا نہ لباس تھا۔ جب کسی سے بات کرتے تو طرزِ کلام عورتوں کا اختیار کرتے۔ سنا ہے کہ اپنی بقیہ عمر اسی حال میں گزاری اور مارے غیرت کے نہ کبھی مردوں کی سی صورت بنائی اور نہ کبھی مردانگی کا دعویٰ کیا۔ لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے اور ان کی بابت یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ چنانچہ اکثر کتابوں میں جی کہ گلِ رحمت میں ان کے جنون و دیوانگی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ جنون و دیوانگی وہ تھی جس کو اہل نظر کمالِ خرد سے تعبیر کرتے ہیں۔ کاش ایسی دیوانگی حافظ الملک کے دوسرے صاحبزادوں میں بھی ہوتی تو ان کا ملک طمعہ اغیار اور ان کی اولاد نذرِ فلاکت نہ ہوتی۔

سلسلہ نواب حرمت خاں



حافظ الملک کی حیات میں پندرہ سال کے تھے پندرہ سال اور چہار ماہ اور زندہ رہ کر روز پنج شنبہ

۷۷۰ھ - ۷۷۱ھ مطابق ۱۲۸۸ء میں بمقام سال وفات کی - زیر دیوار غری مقبرہ حافظ الملک میں دفن ہوئے - کچھ آراضیات معافی کی اور دو ہزار چار سو ساٹھ روپیہ سالانہ وٹیفہ ملتا تھا۔

ذہن عالی اور طبع موزوں کے مالک تھے۔ بہت بڑے فارسی داں تھے۔ اور ہندی کے بلند پایہ شاعر تھے۔

مست تخلص تھا خط نسخ کھنے میں بے مثل تھے اور اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ سلسلہ حشیشہ وفاداریہ میں حضرت سید علی اکبر مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حافظ الملک کو اپنی تمام اولاد میں ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ سفر و حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ عین عالم جوانی میں مدقوق و مسلول ہر انتقال کیا۔ اپنی وفات سے ایک مہینہ قبل خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت سپید ریش شربت کا بھرا ہوا ایک پیالہ ان کے سامنے لائے اور کہا کہ یہ شربت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نیاز کا ہی نوش کیجئے۔ انھوں نے لے کر پی لیا نہایت لذیذ تھا۔ آنکھ کھلی تو زبان پر اس کی لذت محسوس ہو رہی تھی۔

جن لوگوں کے سامنے اس خواب کو بیان کیا انھوں نے تعبیر دی کہ انشاء اللہ آپ صحت یاب ہو جائیں گے لیکن خود انہوں نے باوجودیکہ اس وقت تک مرض میں شدت نہ ہوئی تھی اپنے صفائے باطن سے معلوم کر لیا کہ اس سے مراد سفر آخرت ہے۔ وفات سے پندرہ روز قبل تک اگرچہ حرکت کرنے کی طاقت نہ رہی تھی تاہم چار پائی سے نیچے اتر کر باقاعدہ نماز ادا کرتے تھے۔ اس محنت شاقہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر نماز کے بعد کسی کئی گھنٹے بے ہوش رہنے لگے۔ اس پر مولوی عبد الباسط - مولوی محمد انور اور مفتی محمد عبود صاحب نے فتویٰ دیا کہ حرکت کرنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں چار پائی پر نماز جائز ہے لیکن وہ پھر بھی پلنگ کے نیچے مصلے ہی پر نماز ادا کرتے رہے۔ وصال سے چار روز قبل میاں مکارم صاحب عبادت کے واسطے تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا کہ لفظ ”ہو“ اسمائے الٰہی سے ہے یا نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اکثر علماء سلف اس کے قائل ہیں کہ ”ہو“ اسمائے الٰہی سے ہے بلکہ اسم اعظم ہے کتاب اخبار الانبیاء میں بھی اس کا ذکر ہے۔ میاں مکارم نے اس استفسار کا سبب پوچھا تو کہا کہ سرعت نفس اور دل کی دھڑکن کی وجہ سے لفظ ”اللہ“ کی بجائے لفظ ”ہو“ آسانی سے ادا ہو سکتا ہے۔ اب میں اسی لفظ

کو اختیار کرنا ہوں تاکہ آخر وقت تک میرا ہدم رہے۔

شب چہار شنبہ چھبیسویں ذیقعدہ کو نے قراری زیادہ ہو گئی چار پانچ خادم ہر وقت سرہانے بیٹھے رہتے تھے۔ نصف شب گزری تو تین بار بہ تکرار فرمایا کہ خداوند! میں نے بہت تکلیف اٹھائی اپنے فضل و کرم سے میری مشکل کو جلد آسان کر دے۔ دوسرے دن صبح کو ناز فجر سے فراغت کے بعد غش طاری ہو گیا جب ہوش میں آئے تو محراب سے پوچھا کہ نازِ نظر کا وقت ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ابھی چار گھنٹہ دن چڑھا ہے۔ فرمایا مجھے نازِ نظر کی فکر ہے ایسا ہو کہ بیہوشی کے غلبے میں نماز قضا ہو جائے۔ اس کے بعد بہ اصرار فرمایا کہ آج سو امیرے بھائیوں کے اور کوئی شخص میرے پاس نہ آئے۔ غالباً اس سے یہ مطلب ہو گا کہ اس خضوع و خشوع میں جو ان کو اپنے خالق بے نیاز کے ساتھ تھا کوئی فتور اور قصور سرزد نہ ہو۔ مولوی مکام اور مفتی محمد عوض صاحب کے فتوے کے مطابق نازِ مغرب و عشاء جمع کر کے ادا کی اور دو آدمیوں کو حکم دیا کہ خبردار رہو اگر شدتِ غش سے میری ناز میں کوئی سہو واقع ہو تو جھکو اطلاع دینا تاکہ سجدہ سہو ادا کر لوں۔ نوابِ تنجاہ خاں مصنفِ گلستانِ رحمت جو اپنے بھائی کی بیمار داری کر رہے تھے انھوں نے انتقال کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ۔

”غروبِ آفتاب کے قریب بے ہوش ہو گئے جب بے ہوشی نے طول کھینچا تو ہم سمجھے کہ اب ان کا وقت قریب آ گیا۔ ہم نے ان سے کہا کہ ناز کا وقت ہو گیا۔ تکلیف نام کے ساتھ آنکھیں کھول کر کہا کہ میرا ہاتھ پانی سے پاک کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تیمم کے واسطے مٹی کا ڈھیلہ پیش کیا گیا ہر چند چاہا کہ ڈھیلے کو ہاتھ لگا دیں مگر ممکن نہ ہوا۔ اپنی دلی قوت سے پھر ارادہ کیا لیکن پھر کامیابی نہ ہوئی۔ تب ہم نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ڈھیلے پر لگایا اور انہوں نے اس پر اپنا ہاتھ ملکر منہ پر پھیرا۔ چونکہ ہر لمحہ حالتِ دگرگوں ہوتی جاتی تھی پھر دوسری مرتبہ ڈھیلے پر ہاتھ نہ پہنچ سکا میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ڈھیلے پر ملا لیکن فرطِ بیقراری اور غلبہِ گریہ و زاری سے تیمم نے ترتیب کرایا۔ اس پر انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ہم سمجھ گئے کہ نئے ترتیب کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا چنانچہ ترتیب کے ساتھ

نیم کرکران سے کہد یا کہ اب تیمم ٹھیک ہو گیا اور انہوں نے نماز مغرب کی نیت باندھی۔
 ہاتھوں کو پوری قوت کے ساتھ جس کو کہ قوت روحانی کہنا چاہتے کانوں تک لے گئے
 پھر چھاتی پر لاکر نماز شروع کی۔ رکعت اول ابھی طرح ادا کی دوسری رکعت میں لفظ الحمد للہ
 بآواز بلند زبان سے نکلا اور انشغال فرمایا انا لله وانا الیہ راجعون۔

نواب مصطفیٰ خاں نے اپنی یادگار میں کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ لہٰذا وہ فوت ہوئے۔ نواب محبت خاں
 نے ان کی حسب ذیل تاریخ وفات لکھی ہے۔

گشت آمادہ بلفظ الحمد	آدم از یافتن جاں بر شکر
خورد چوں بادہ بلفظ الحمد	مصطفیٰ خاں ز کف ساقی موت
۳	۱۲ھ

از میاں جی کریم خاں شاہجاہ پوری۔

برو سجادہ چوں بطاقِ جہاں	مصطفیٰ خاں کہ در نماز و نیاز
ہو قد مات فی الصلوٰۃ بخاں	بانگ زد دل بہن کہ تار بخش
۳	۱۲ھ

از حکیم احمد اللہ ساکن گڑھ مکیٹسر۔

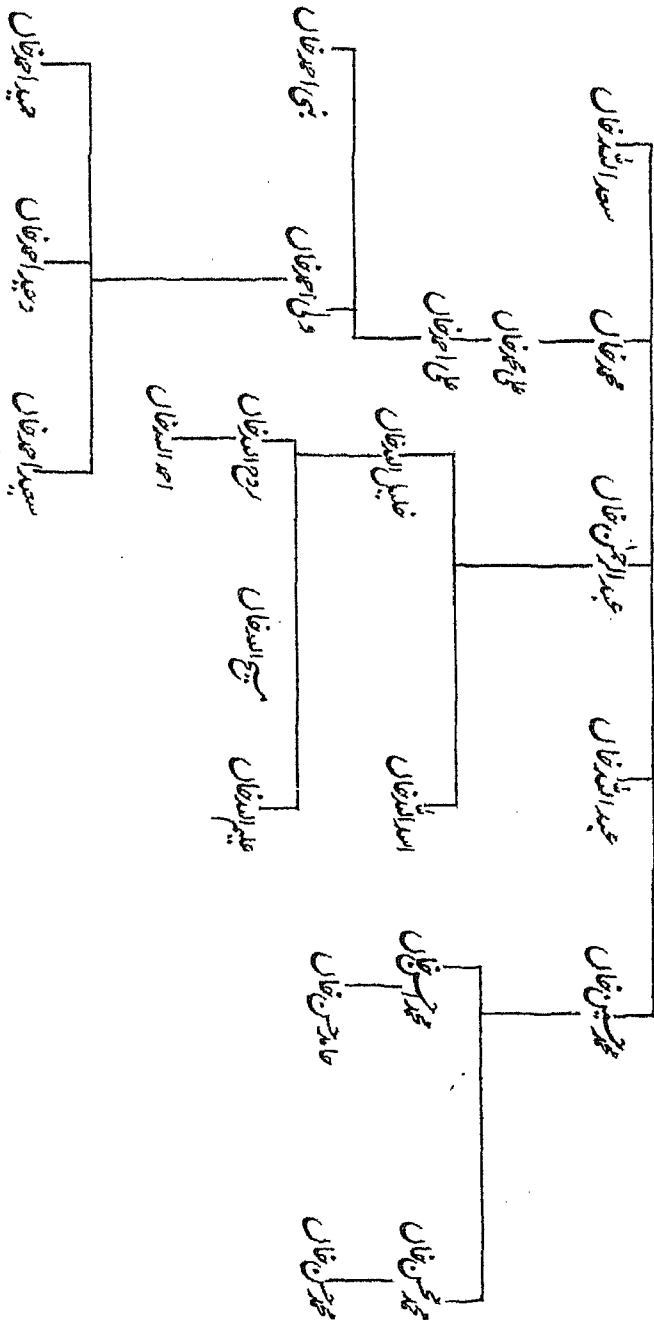
در کف بقا گزید عزلت	افسوس دلا کہ مصطفیٰ خاں
در حال نماز کرد رحلت	تاریخ وفات گفت ہاتھ
۳	۱۲ھ

۱۲
نواب محمد عمر خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت چودہ سال اور چند ماہ کے تھے۔ باون سال چار مہینے اور زندہ رہ کر روز دوشنبہ پچیسویں جمادی الثانی ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۴۶ء بمصر ۹۶ سال وفات پائی اور بریلی میں اپنے مکان کے پائیں باغ میں دفن ہوئے۔ انکو علاوہ آراضیات معافی اور دیہات استمر ایک ہزار تین سو^{۱۳۶۳} زلیٹھ روپیہ سالانہ سرکاری خزانے سے ملتا تھا۔

نہایت حلیم و شریف۔ بردبار و باوقار اور صاحب فتوت و مروت تھے۔ ان کا ظاہر و باطن۔ لطف عیم۔ خلق عظیم اور شان تہذیب سے آراستہ تھا علم تاریخ سے بہت شغف تھا۔ ابتداءئے ریحان بہار شباب سے ان کی کسی وقت کی نماز قضا نہ ہوئی۔ حافظ محمد یار خاں کی طرح ان کو بھی ہرن کے شکار کا بہت شوق تھا اور برق اندازی میں بڑے باکمال تھے۔ طریقہ عالیہ قادریہ میں سید علی اکبر الودودی سے بیعت تھے۔ پانچ لڑکے اپنی بادیگار چھوڑے۔

سلسلہ نواب محمد عمر خاں



نوابِ ستیابِ خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت تیرہ سال اور چند ماہ کے تھے۔ ساٹھ سال آٹھ مہینے اور زندہ رہ کر روزِ دو شنبہ دوسری شوال ۱۲۴۷ھ

مطابق ۱۸۳۲ء کو بمبئی ہسپتال بریلی میں وفات کی اور اپنے باغِ موسوم بہ 'باغِ نوابِ ستیابِ خاں' میں دفن ہوئے۔ عربی فارسی اور پشتو زبان کے زیرِ دست ماہر اور اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب تھے۔ حافظ الملک کے حالات میں مشہور و معروف کتاب 'گاستانِ رحمت' ان کی قابلِ قدر یادگار ہے۔ یہ پیش بہ کتاب کیا باعتبارِ صحت واقعات اور کیا باعتبارِ زبانِ فن ان پر دازی کا بہتر نمونہ ہے۔ مصنف نے صحیح اور سچے واقعات کی تحقیق و تفتیش میں جو کاوش کی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ نوابِ ستیابِ خاں نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف روہیلوں کے نامور سردار بلکہ ایک پوری کی پوری قوم کو زندہ جاوید کر دیا۔ اگر خدا نخواستہ یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو آج دنیا اس بہادر قوم اور ان کے سرفروش سردار کے صحیح حالات جاننے سے محروم رہ جاتی۔ یہ کتاب مصنف نے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ جس کی کچھ تلمی نقول دو ایک پُرانے کتب خانوں اور بعض علم پرور خاندانوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

نوابِ ستیابِ خاں باوجود کمالِ علم و فضل نہایت متکبر المزاج تھے کہتے ہیں کہ۔

”ایں کترین سراسر ذنوب سرا پا عیوب کہ نہ بھیج صفت موصوف است نہ بھیج اوصاف معروف“

اپنے دوسرے اہل خاندان کی طرح سنی المذہب اور راسخ العقیدہ تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔
”اٹھنڈنم احمد ٹنڈنم احمد ٹنڈنم کہ بر عقیدہ آبا و اجداد کہ سالک مسالک صراطِ مستقیم اہل سنت و جماعت بودند راسخ دم و ثابت قدم است“

سید علی اکبر مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ صاحبِ اولاد تھے۔

۱۔ نوابِ ستیابِ خاں کا باغ جس میں انکی قبر آج تک موجود ہے لبِ بڑک قلعہ متصل سٹی اسٹیشن جانبِ شمال واقع ہے۔ یہ باغ اب اہل خاندان کے حصہ میں نہیں رہا ہے جس کی وجہ سے قبر مذکور محفوظ حالت میں نہیں ہے۔ ضرورت ہو کہ روہیلوں کو ایک بلند پایہ مورخ کی اس یادگار کو نمودار کر دینے کے لئے کچھ کوشش کی جائے۔

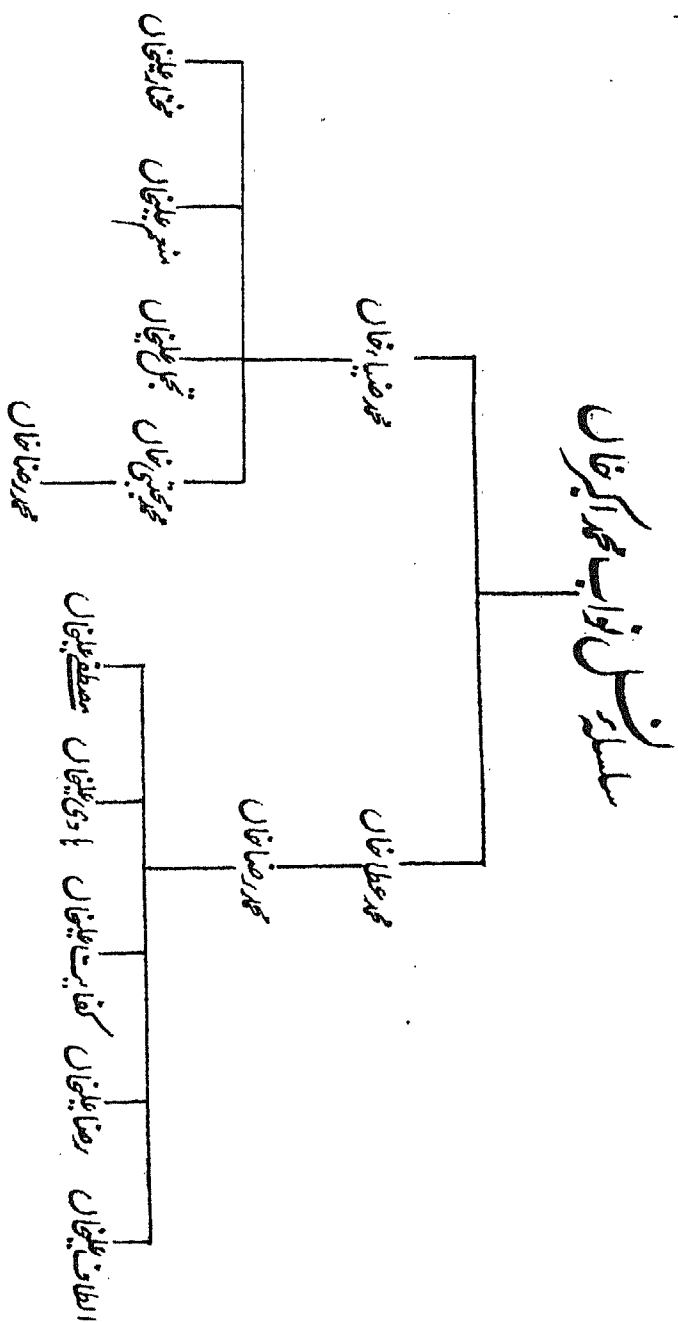
۲۔ اولاد میں نواب محمد عبدالرزاق خاں صاحب صاحبِ تھانہ تھے لغت میں ان کا دیوان موجود ہے۔

نواب محمد اکبر خاں

حرمِ خاں کے برادرِ حقیقی تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت بارہ سال اور چند مہینے کے تھے اور ان کے بعد اٹھاون سال اور نو مہینے زندہ رہے۔ سہ شنبہ کے روز چھٹی ذیقعد ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۳۳ء کو اکثر سال کی عمر میں انتقال کیا اور رامپور میں دفن ہوئے علاوہ اُن مواجب کے جو ریاست رامپور سے ان کو وصول ہوتے تھے مبلغ ایک ہزار سات سو پچتر روپیہ سالانہ وظیفہ اضافہ وظیفہ کے وقت سے خزانہ بریلی سے ملتا تھا۔

بہت متقی و پرہیزگار۔ مناہی شرعیہ سے بیزار اور افعالِ شنیعہ سے متنفر تھے۔ آغازِ جوانی سے آخرِ عمر تک صوم و صلوة کے نہایت پابند رہے۔

فنِ انشا پر دازی میں بہترین خطوط نوپسی کرتے تھے خطِ شکست کے بہت بڑے ماہر تھے۔ طریقہ قادیریہ میں حافظ شاہ جمال اللہ صاحب سے جو رامپور میں مدفون ہیں بیعت تھے۔ نواب محمد اکبر خاں نے دو صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے۔



حافظ الملک کی نو صاحبزادیاں

چودہ نامور صاحبزادوں کے علاوہ حافظ الملک مرحوم کی نو عفت مآب صاحبزادیاں تھیں۔ جو اپنے باکمال بھائیوں کی طرح

زیور علم سے آراستہ تھیں۔ روہیلہ نوم میں چونکہ گھر تعلیم کا چرچا اور رواج تھا۔ بڑی بڑی عالمہ فاضلہ استانیات مکانوں کی چار دیواری میں اسلامی شرعی پردے کی تمام قیود کی پابندی کرتے ہوئے درس دیا کرتی تھیں اس لئے حافظ الملک نے اپنی صاحبزادیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بھی بہترین انتظام کیا تھا اور ان کی یمن توجہ سے سب کی سب عالمہ اور فاضلہ بن گئی تھیں۔

ان صاحبزادیوں کے نام نہ معلوم ہو سکے کیونکہ اس زمانہ کے انتہائی عزت مند لوگ اپنی مستورات اور لڑکیوں کے نام دوسروں پر ظاہر کرنا معیوب سمجھتے تھے اور اگر ان کا کچھ پتہ نشان دینے کی ضرورت ہوتی تو شادی شدہ مستورات کو ان کے خاوندوں کے حوالے سے اور غیر شادی شدہ کو ان کے والدین کے سلسلے سے ظاہر کرتے۔ چنانچہ اسی قاعدہ کی رو سے حافظ الملک کی صاحبزادیوں کا حال بھی ان کے خاوندوں کی نسبت سے گلستانِ رحمت اور گلِ رحمت میں درج ہے۔ ہمیں انصاف ہے کہ گلستانِ رحمت یا کسی دوسری کتاب سے کسی صاحبزادی کی تاریخ پیدائش اور سال وفات بھی معلوم نہ ہو سکی۔ حافظ الملک نے صاحبزادیوں کی شادی بھی غیر کفو لوگوں میں نہیں کی بلکہ اس معاملہ میں حتیٰ الوسع اپنے پاک جدی افراد خاندان کو ترجیح دیتے تھے اسی بنا پر ہمیں یاد ہے کہ انھوں نے روہیلہ کھنڈ میں متقل سکونت اختیار کرنے کا وعدہ کرنے وقت نواب علی محمد خاں سے بھی یہ شرط کر لی تھی کہ وہ اپنی لڑکیاں کسی غیر کو نہیں بیاہیں گے۔ لڑکوں کی شادی میں انہیں اس امر پر اصرار نہیں تھا۔

پہلی صاحبزادی

حافظ الملک کی بڑی صاحبزادی ان کی پہلی بیوی کے بطن سے افغانستان میں پیدا ہوئی تھیں انھوں نے بہت عمر ہو کر وفات پائی۔ ان سے ایک بیٹے غلام محی الدین خاں پیدا ہوئے جو قصبہ سرولی میں رہتے تھے خزانہ بریلی سے دو ہزار چار سو ساٹھ روپیہ سالانہ ملتا تھا۔ ان کے شوہر نامہ ان خاں ابن نعمت خاں ابن حسن خاں ابن محمود خاں المعروف بہ موتی بابا حافظ الملک کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے دوسری شادی نہیں کی۔

دوسری صاحبزادی دوسری صاحبزادی بھی مذکورہ بالا دلایتی بیوی ہی سے پیدا ہوئی تھیں انہوں نے بہت عمر بائی۔ فتح اللہ خاں ابن نواب دومند سے خاں ابن حسن خاں ابن محمود خاں

عرف موتی بابا کے ساتھ شادی ہوئی تھی کوئی اولاد اپنی یادگار نہ چھوڑی۔

تیسری صاحبزادی ہمیشہ حقیقی حافظ محمد یار خاں کی تھیں۔ ان کی شادی حافظ الملک کے بھانجے سید محمد خاں کے ساتھ ہوئی تھی انہوں نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر وفات کی۔

چوتھی صاحبزادی ان کی شادی جشان خاں ابن مبارز خاں ابن شادی خاں ابن شہزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔

پانچویں صاحبزادی نواب محمد عرفان کی حقیقی بہن تھیں ان کی شادی اکبر شاہ خاں ابن مرزا ابن شاہ مردان خاں ابن آزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ ہوئی تھی لا ولد انتقال کیا۔

چھٹی صاحبزادی ہمیشہ نواب محمد دیدار خاں المعروف بہ منگل خاں ان کی نسبت احمد خاں المشہور بہ کلہو خاں بن شہادت خاں بن خالد خاں بن حسن خاں بن محمود خاں عرف موتی بابا سے ہوئی تھی احمد خاں حافظ الملک کی شہادت کے دو سال بعد انتقال کر گئے۔ کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

ساتویں صاحبزادی من مست خاں ابن بلند خاں ابن اکبر خاں ابن آزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کی اہلیہ تھیں حافظ الملک کی شہادت کے تیسرے سال ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا کوئی اولاد نہ تھی۔

آٹھویں صاحبزادی ہمت خاں مرحوم کی حقیقی بہن تھیں ان کی شادی حافظ الملک کے بھانجے خاں محمد خاں کے لڑکے شاہ محمد خاں کے ساتھ ہوئی تھی ۱۲۶۹ھ تک بقید حیات تھیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں لڑکیوں کا انتقال ان کی زندگی ہی میں ہو گیا۔

نویں صاحبزادی نواب غلام مصطفیٰ خاں کی حقیقی ہمیشہ تھیں ان کی شادی حافظ الملک کی شہادت کے بعد ملک احمد خاں ابن ملک سید خاں کے ساتھ ہوئی تھی لا ولد انتقال کیا۔

حافظ الملک کی دوہنیں

حافظ الملک کی ایک ہمیشہ غیر شاہ خاں کو بیاہی تھیں جن کے بطن سے ایک صاحبزادے مسمیٰ بہ حضرت شاہ خاں پیدا ہوئے۔

دوسری ہمیشہ جو ”بی بی صاحبہ“ کے نام سے موسوم تھیں اپنے بھائی کی حیات ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ نہایت غربت مند اور خود دار تھیں۔ جب ان کے پانچوں فرزند سمیان خان محمد خاں سید محمد خاں۔ میر محمد خاں۔ احمد خاں اور محمد خاں جنگ کٹرہ سے صبح و سالم مکان پر واپس آئے تو انہیں دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے بہت غضب ناک ہوئیں اور فرمایا کہ۔

”تم اپنے اُس اموں کو جس نے مثل فرزندوں کے تھیں پرورش کیا مگر کہ جنگ میں قتل کر اگر پانچوں زندہ اور صبح و سالم میرے سامنے آئے ہو۔ کیوں نہیں تم میں سے کوئی ان کے ساتھ مارا گیا؟ نہایت شرم و افسوس کی بات ہے۔ میرے سامنے سے چلے جاؤ۔ خدا نے چاہا تو تازہ بستر میں تمہاری صورت نہ دیکھو گی“

چنانچہ ایسا ہی کیا کہ جب تک حیات رہیں کسی فرزند کی صورت نہ دیکھی اور اپنے تمام مال و متاع سے ایک نہایت خوبصورت اور عالی شان مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ”بی بی جی کی مسجد“ کے نام سے محلہ بہاری پور بریلی میں اپنی قدیمی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے اور اپنے بانی کی رفیع الشان سیرت (رکریٹر) کی گواہی دے رہی ہے۔

مستورات کی زبان

یہ تو ہم کھچکے ہیں کہ حافظ الملک کے گھرانے کی تمام مستورات تعلیم یافتہ تھیں ان کی زبان کی یہ کیفیت تھی کہ ہندوستانی کے علاوہ پشتو اور فارسی بلا تکلف بولتی تھیں گو یا کہ یہ اُن کے گھر کی زبان تھی اور اب سے پچاس سال پہلے تک ضعیف العمر نواب زادیاں اپنی گفتگو میں پشتو اور فارسی کے الفاظ۔ فقرات اور اشعار کمال حسن و خوبی ادا کیا کرتی تھیں۔ ایک دیکھ سپا واقعہ ہے کہ ایک روز نواب سعادت یار خاں مرحوم کی اہلیہ محترمہ جو نواب محبت خاں کی صاحبزادی تھیں اپنے بیٹے نواب عبدالغیر خاں سے کسی بات پر ناراض تھیں۔ چنانچہ جب وہ مکان میں تشریف لائے تو فرمایا کہ

”کیوں عزیز!“

پہل سال عمر عزیزت گذشت مزاج تو از حال طفلی نگشت“

ضمیمہ نمبر ۳ روہیل کھنڈ روہیلہ حکومت کے بعد

ریاست رامپور پر ایک نظر معاہدہ لال ڈانگ کی روسے علاقہ رامپور نواب فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں کو واگذاشت کر دیا گیا تھا ۱۹۴۷ء میں نواب

فیض اللہ خاں کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے نواب محمد علی خاں مسند نشین ریاست ہوئے لیکن قحطی ہی عرصہ میں اپنی سخت گیری کے باعث قتل کر دئے گئے اور ان کے چھوٹے بھائی نواب غلام محمد خاں نے اپنے بھتیجے کا حق غصب کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ ۲۴- اکتوبر کو ان سے انگریزوں اور اودھ کی فوج سے دریائے سنکھا کے پل کے قریب موضع بٹھورا پر زبردست جنگ ہوئی۔ سرفراز خاں ڈھو اور بخارا خاں بلند خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور نواب صاحب کو شاندار فتح نصیب ہوئی مگر دو جوڑا کے مقام پر دوبارہ لڑائی میں شکست فاش اٹھانی پڑی اور ان کو بنارس میں نظر بند کر کے بھیجا گیا۔

نواب غلام محمد خاں کی نظر بندی کے بعد حق دار ریاست نواب احمد علی خاں مسند نشین ہوئے انہیں کے عہد حکومت میں ریاست رامپور براہ راست انگریزی حکومت کے زیر اثر آئی۔ انہوں نے ۶۴ سال حکومت کر کے ۱۹۴۷ء میں انتقال کیا۔ نواب احمد علی خاں کے کوئی اولاد نہ رہی۔ اس لئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی نواب محمد سعید خاں بہادر ابن نواب غلام محمد خاں جو بدایوں میں ڈپٹی کلکٹر تھے نواب بنائے گئے۔ ۱۹۵۷ء میں نواب محمد سعید خاں نے انتقال کیا اور نواب یوسف علی خاں مسند نشین ہوئے ان کی مسند نشینی کے ۲۰ برس اور دو ماہ بعد ۱۹۷۷ء کا ہنگامہ واقع ہوا۔ نواب صاحب اس ہنگامہ میں انگریزی حکومت کے وفادار رہے اور بہت امداد کی جس کی بنا پر ہنگامہ فرما دینے کے بعد برٹش گورنمنٹ نے بطور شکرگزاری ایک سو چھیالیس

مراضعات کا علاقہ عطا کیا اور خطاب فرزند لہنہ بدولت انگلٹنڈ سے سرفراز کیا۔ نواب یوسف علیخان کا ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا اور ان کے بعد کلب علیخان حکمران ریاست ہوئے۔ نواب کلب علیخان راہپور کے نہایت ہر دلغزیز اور حد درجہ مشہور نواب گزرے ہیں اور گوان کے انتقال کو سینٹا لیس سال کے قریب گزر چکے ہیں لیکن ان کی دینداری۔ علم دوستی۔ بیدار مغزی۔ عدل پروری اور اہل کمال کی قدردانی کے واقعات آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔ ۱۸۷۸ء میں نواب مشتاق علیخان صاحب بہادر سند نشین ریاست ہوئے ان کے عہد میں جنرل عظیم الدین خاں مدارالہام ایک مشہور و معروف شخص گزرے ہیں جن کی کوشش سے انتظامات ریاست میں بعض اہم اصلاحات ظہور میں آئیں۔ نواب مشتاق علیخان صاحب عرش آسٹیاں نے صرف ستائیس ماہ حکومت کر کے ۲۵ فروری ۱۸۸۹ء کو انتقال کیا اور ان کے فرزند نواب حامد علیخان بہادر ان کے جانشین ہوئے۔ نواب صاحب کا ابتدائی دور حکومت جنرل عظیم الدین خاں کے کارناموں سے مشہور ہوا۔ جب جنرل صاحب گولی سے مارے گئے اور نواب صاحب بخوبی سن تمیز کو پہنچ گئے تو خود نواب صاحب کی شخصیت کو فروغ حاصل ہوا۔ انھوں نے اکتالیس سال نہایت کڑوے کے ساتھ حکومت کی۔ ریاست کی رونق و خوبصورتی بڑھانے کے لئے کروڑوں روپیہ کی عمارتیں بنوائیں۔ علمی اداروں اور اہل علم کی سرپرستی و قدردانی میں لاکھوں روپیہ صرف کیا۔ بہت بیدار مغز اور عالی دماغ حکمران تھے۔ ۲۰۔ جون ۱۸۹۳ء کو انتقال فرمایا۔ آج کل راہپور میں ہنزائی سن نواب رضا علی خاں بہادر سند آرائے ریاست ہیں چونکہ موجودہ نواب صاحب کو خنان حکومت ہاتھ میں لئے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے اس لئے ان کے طرز حکمرانی کے نتائج اور ذاتی حالات کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا ابھی قبل از وقت ہے۔

اس کتاب کی تالیف و ترتیب کے دوران میں خاکسار مولف کو راہپور کو پچشم خود دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ نہایت شاندار اور پر فضا مقام ہے۔ پختہ بازار اور عالی شان سرکاری عمارات قابل دید ہیں لیکن صاف و شفاف شاہراہوں اور بارونق بازاروں میں سے گذر کر جب مسلمان غریبوں کے محلوں میں جانے کا اتفاق ہوا تو ان کی حالت ناگفتہ بہ پائی۔ غلیظ گلیاں اور زیادہ تر شکستہ مکانات نظر پڑے۔

زن و مرد عوام کے کپڑے میلے کچیلے اور ان کے چہرے پژمردہ پائے۔ برعکس اس کے ہندو آبادی کو عام طور پر پتھول اور خوش حال دیکھا۔ لیکن اب نیا دور حکومت ہے نوجوان فرماں روا کو رعایا کی تعلیم کی طرف خاص توجہ ہے۔ عربی مدارس کے علاوہ انگریزی کی تعلیم کے لئے ریاست کا ہائی اسکول جاری ہے۔ جہاں بلا فیس تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر ہائی سن بیگم صاحبہ کی سرپرستی میں لڑکیوں کی تعلیم کی بھی ابتدا ہو گئی ہے اگر بھی کوشش جاری رہی تو عجب نہیں کہ رامپور کی غریب رعایا کی مفلوک الحالی خوشحالی میں تبدیل ہو جائے۔

روہیل کھنڈ عہد شاہانِ اودھ میں شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ فتح کر کے نواب سعادت علی خاں کو بریلی کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن آصف الدولہ تخت نشین ہونے تو انھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی کو معزول کر کے بنارس میں نظر بند کر دیا اور اپنے خسر صورت سنگھ کو ان کی بجائے گورنر بنایا۔ شجاع میں نواب وزیر اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے تجارتی مال کی درآمد و برآمد پر ازبہرہ وصول قائم کیا گیا۔ حافظ الملک مرحوم کی اس اہم اصلاح کا جس کی وجہ سے سرزمینِ روہیل کھنڈ بہت بڑی تجارت گاہ ہو گئی تھی خاتمہ کر دینے سے دیسی تجارت کو بہت نقصان اور انگریزی تجارت کو غیر معمولی فائدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی یادگار میں ایک نیا سکہ ۳۰ جولائی ۱۸۸۷ء کو آصف آباد (بریلی) میں چلایا گیا۔ یہ سکہ مسٹر ایچ نیلسن رائٹ کے پاس ایک ٹاک موجود تھا۔

۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۷ء تک شمالی روہیل کھنڈ میں نیپالیوں کے پے درپے حملوں کی وجہ سے مسلسل چار سال تک سخت بے چینی رہی۔

نواب آصف الدولہ اور ان کے جانشین نواب سعادت علی خاں کے عہد حکومت میں روہیل کھنڈ میں عام طور پر بد امنی اور بد نظمی کا زور رہا۔

روہیلوں کے زمانے میں مخلوق کو جو آسائش و آرام نصیب تھا اس کا خاتمہ ہو گیا تھا اور زراعت و تجارت برباد ہو گئی تھی۔ مسٹر ٹیننٹ نے ۱۸۹۹ء میں براہِ چندوسی - بسولی - آڈولہ - علی گنج - بریلی اور فرید پور روہیل کھنڈ کا سفر کیا تھا انہوں نے اپنے مشاہدات سفر کو اس طرح بیان کیا ہے کہ گزشتہ

بیس سال کے عرصہ میں یہ عمدہ علاقہ بالکل دیران ہو گیا ہے اور حالانکہ نئی کاشت کے ہر جگہ کچھ آثار پائے جاتے ہیں لیکن آبادی بہت کم ہو گئی ہے اور لا تعداد شکستہ اور غیر آباد مکانات کے تکلیف دہ مناظر سامنے ہیں۔ کھیتوں کو جنگلی جانوروں نے اپنا مسکن بنا لیا ہے اور صنعت و تجارت کا انتہائی زوال ہو گیا ہے یہ صورت حال اس وجہ سے بھی ہے کہ قریب قریب تمام روہیلے اودھ گورنمنٹ کی برٹش سے تنگ آکر ملک بدر ہو گئے ہیں۔“

شاہانِ اودھ کے عہدِ حکومت میں اہل تشیع حضرات کی مذہب و ذی علم آبادی کا کافی اضافہ ہوا۔ روہیل کھنڈ کے ہر ایک ضلع میں ہمارے ان بھائیوں کے مشہور خاندان آکر سکونت پذیر ہو گئے اور حکومت کی جانب سے ان کو معقول زمینداریاں اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ بریلی میں حسین باغ۔ گزری کی مسجد اور کالا امام باڑہ وغیرہ اس عہد کی مشہور یادگاریں ہیں۔

روہیل کھنڈ عہدِ انگلشیہ میں شعبہ میں جب حکومت اودھ پر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرضہ کا بار ناقابلِ ادائیگی ہو گیا اور ساتھ ہی عالمانِ کمپنی نے یہ محسوس کیا کہ اودھ والے روہیل کھنڈ جیسے زیرِ غلط زمین پر حکومت کرنے کے اہلِ ثبات نہیں ہوئے ہیں تو اپنا یہ فرض سمجھا کہ روہیل کھنڈ کی عنانِ حکومت خود ہی اپنے ہاتھ میں لے لیں اور بنگال و بہار کی طرح اس سرزمین پر بھی اپنی آسمانی حکومت کی برکات کی ضوِ نشانی کریں اور یہاں کی رہنے بسنے والی مخلوق پر احسان فرمائیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نواب سادات علیخان بہادر والی اودھ جو نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد مندرجہ حکومت پر برسرِ اقتدار ہوئے تھے پہلے ہی سے اس بارِ امانت کو اپنے نازک کاندھوں سے اتار پھینکنے کو تیار بیٹھے تھے۔ انھوں نے فوراً اُس روہیل کھنڈ کو جسے داؤد خاں۔ نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں نے اپنے خون سے سینچا تھا اور جسے شجاع الدولہ نے اپنی جان دیکر حاصل کیا تھا بلا پس و پیش اور بغیر کسی خفیف سی مزاحمت کے عطا کئے تو بلقاے تو کیکرا اپنے انگریز ہانوں کے حوالے کر دیا۔

انگریزی حکومت کے ڈوڈور روہیل کھنڈ میں حکومت انگریزی کے ڈوڈور گزے ہیں ایک شعبہ

سے ۱۸۷۸ء تک جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی صاحب اختیار رہی اور دوسرا وہ جو ایام غدیر میں دس ماہ کے لئے روہیلہ حکومت کے دوبارہ قیام و اختتام کے بعد شروع ہوا۔

پہلا دور انگریزوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ و تصرف حاصل کرتے ہی پوری تندرہی کے ساتھ اپنے آپ کو ملکی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف کر دیا اور مخلوق کو شاہراہ تہذیب و ترقی جدید پر ڈالنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

قسط لیکن مذکورہ کمپنیوں دو تین ہی سال کے قلیل عرصہ میں اس سرزمین میں پہلی مرتبہ ایک سخت قحط پڑا جس سے مخلوق پر بہت تباہی آئی۔ قحط سے نجات ملی تو ۱۸۷۸ء میں امیر خاں پنڈاری نے حملہ کیا اور وہ پہلی بھیت تک لوٹ مار کرتا ہوا چلا گیا۔ امیر خاں سے فرصت ہوئی تو تحصیل میسل پور کے زمینداروں نے زبردست ہنگامہ برپا کیا جو بمشکل ایک سال میں فرو ہو سکا۔ اس ہنگامہ کے بعد ۱۸۷۹ء میں نیپالیوں سے ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں جس میں انگریزوں کی پے درپے شکستوں نے ٹھکانوں کے دلوں سے ان کا خوف زائل کر دیا اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ صرف کسی بہانہ کی ضرورت تھی سو وہ اس طرح ہاتھ لگا گئے۔

مفتی گردی ۱۸۷۹ء کے ریگولیشن ۱۶ کی رو سے گورنمنٹ نے ہاؤس میکس کا قاعدہ جاری کیا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں اس قاعدہ پر عمل درآمد شروع ہوا تو ایک آگ سی لگ گئی۔ بریلی میں لوگوں نے اپنا تمام کاروبار بند کر دیا اور گروہ درگروہ احتجاج کرنے کے لئے پکری میں جمع ہو گئے۔ مفتی محمد عیوض صاحب نے جو بہت ضعیف العمر مگر انتہائی دلیر اور مدد درجہ کے مقدس شخص تھے۔ اس گروہ کی رہنمائی اختیار کی۔ اور مسٹر ڈمبلٹن کلکٹر کے سامنے مخلوق کی شکایات پیش کیں لیکن مسٹر ڈمبلٹن نے نہ صرف اپنا حکم منسوخ کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ میکس کی دھمکیاں بی کا کام ہندو کو تو نال شہر کے پہرہ دیا جو بہت سخت گیر تھا اور ہندو مسلم اہالیان شہر یکساں طور پر اس سے بے انتہا نالاں تھے۔ ۱۶۔ اپریل ۱۸۷۹ء کو ہندو مسلمانوں کا ایک جم غفیر شہر کی سڑکوں پر جمع تھا کہ کلکٹر ضلع کچھ فوجی سپاہیوں کے ساتھ شہر میں آیا لوگ اسے دیکھ کر منتشر ہونے لگے مگر جب اس کا مفتی صاحب کے مکان کے پاس سے گزر ہوا تو اس پر حملہ کیا گیا۔ کلکٹر

صاحب کے ساتھیوں نے جواب میں گولی چلائی اور کچھ آدمی مارے گئے۔ اس داروگیر میں مفتی صاحب اپنے مکان سے نکلا کہ حسین باغ چلے گئے وہاں جا کر انھوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا علم سبز بند کیا۔ آٹا خانہ میں بکثرت ہتھیار بند مسلمان ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور ڈور و زر کے قلیل عرصہ میں پہلی بھیت۔ رامپور اور شاہجہاں پور سے ہزاروں آدمی ان سے اکٹھے ہو گئے یہاں تک کہ پانچ ہزار مسلح اشخاص کی ایک باقاعدہ فوج تیار ہو گئی۔ مسٹر ڈبلیو جیمز نے بھی گرد و نواح سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک معقول فوج جمع کی۔ لڑائی سے پہلے مصالحت کی کچھ گفت و شنید ہوئی ابا بیان شہر نے قانون ٹیکس کی منسوخی اور کوٹوال کوٹ کے حوالے کئے جانے کے مطالبات کئے جو نامنظور کئے گئے۔ اس پر ۲۱-۲۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو مجاہدین نے مسٹر لیمسٹر جے کے رٹ کے کو مار ڈالا اور انگریزی فوج پر دھاوا کر کے اسے شکست دی مگر یہ لوگ کیپٹن کننگھم کی مراد آباد سے آئی ہوئی فوج کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے شہر کہنے میں متصل مزار شاہدانہ دلی بہت بڑی لڑائی ہوئی طرفین کا بہت کشت و خون ہوا اور انجام کار مجاہدین کو شکست ہو گئی۔

مفتی محمد عیوض صاحب اور بعض دوسرے سربراہان اور وہ لوگ ریاست ٹوناب میں چلے گئے اور انگریزوں کا شہر پر باقاعدہ تسلط ہو گیا۔

اسی ہنگامہ کے بعد کنٹونمنٹ میں ایک قلعہ بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن آگے چلکر یہ قلعہ نہایت چھوٹا ثابت ہوا اور اس سے کبھی کوئی خاص کام نہ لیا جاسکا۔

۱۸۳۷ء کا ہندو مسلم فساد ۱۸۳۷ء میں اس سرزمین کا امن پھر خطرہ میں پڑ گیا لیکن اس مرتبہ جو ہنگامہ ہوا وہ گوڈمنٹ کے خلاف نہ تھا بلکہ وہ پہل کھٹ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے جدا ہو کر اور اپنی اپنی مذہبی ٹولیاں بنا کر آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ یہ پہلا فرقہ وارانہ فساد تھا جو واقع ہوا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اتفاق سے بریلی میں محرم اور رام نوچی کے تینو ہار ایک ہی تاریخوں میں پڑ گئے تھے ہندو مسلمانوں کے آپس میں بھڑ جانے کا اس سے بہتر موقع اور کوٹسا ہو سکتا مسٹر کلارک جیسے قابل آدمی مجسٹریٹ صانع تھے ان کی کوشش سے وقتی طور پر ہنگامہ فرو ہو گیا لیکن عارضی سکون کے بجائے ایک مسلمان درمی باف نے چودھری بسنت رائے کو جن کے یہاں سے عہد آصف اللہ ولہ میں

مجرم کے جلوس اور عہد انگلشیہ میں رام نہی کے جلوس نکلا کرتے تھے مارڈالنا تو صورت حال قابو سے باہر ہو گئی اور ہندو مسلمان آپس میں خوب لڑے۔

پھر قحط بدقت فرقہ وارانہ فساد فرو ہوا تو اسی سال پھر قحط پڑا یہ قحط انسانیت تھا کہ مخلوق اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے لوٹ مار اور ڈکیتی تک کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ۱۸۳۸ء میں قحط سے بھارت ملی اور ۱۸۵۷ء تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔

ہنگامہ ۱۸۵۷ء - مشہور ہے کہ ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء کو سرکارِ کمپنی کی فوجوں نے جب بریلی - مراد آباد - روہیلہ حکومت کا سٹا ہواں پور اور بجنور میں بغاوت کی تو اس ہنگامہ سے دو ایک روز قبل مسٹر ایگزیکٹو کمشنر نے بریلی میں خان بہادر خاں سے جو خاندان حافظ الملک میں بہت معزز تھے کہا کہ۔

”مردمِ فردا میں یہاں بلوہ ہونے والا ہے چونکہ یہ ملک آپ لوگوں کا موروثی ہے آپ اس کا بندوبست کیجئے“ (تاریخِ سیلمانی)

خان بہادر خاں نے اس وقت توا کھار کر دیا لیکن جب واقعی بلوہ ہو گیا اور کمشنر صاحب اور دوسرے انگریز اپنی اپنی جان بچا کر ٹینی ٹال چلے گئے تو خان بہادر خاں نے مددِ علیٹھاں اور بخت خاں وغیرہ کے اصرار سے نیز غالباً اس خیال سے کہ اُن سے تو کمشنر صاحب یہاں کا بندوبست کرنے کے لئے کہہ ہی چکے تھے صمد حکومت روہیلہ کھنڈ پر شکن ہونا منظور کر لیا۔ اور حتی الوسع امن و امان قائم رکھنے کی بہت کوشش کی ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ چنانچہ دورِ دور سے لوگ بھاگ کر بریلی آتے تھے اور انہیں یہاں پناہ ملتی تھی خان بہادر خاں کو صرف اس قدر سکون نصیب ہوا کہ وہ دو ایک نئی عمارتیں بنوا سکے۔ لیکن یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ بدامنی کا زمانہ تھا ہر طرف آگ برس ہی تھی باجیوں کو قابو میں رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا چنانچہ ان کے مختصر سے دورِ حکومت میں انگریزوں کے ساتھ طح طح کے مظالم کئے گئے اور یہ انہیں نہ روک سکے۔

۵۔ مئی ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوجوں نے بریلی کا محاصرہ کیا اور دریائے نکلیا پر خان بہادر خاں کی فوج

سے دوپہر کا لڑائی ہوئی۔ خان بہادر خاں کی طرف سے فیروز شاہ نامی ایک تیموری شہزادے اور اسماعیل خاں۔ ولی داد خاں اور بندے میر خاں وغیرہ نے بہت دلیری و جواں مردی دکھائی۔ لیکن بعد دوپہر ایسے سپاہیوں کے جو فوج میں نئے نئے بھرتی ہوئے تھے اور اس سے پہلے کبھی لڑائی کی صورت نہ دیکھی تھی میدان جنگ سے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ خان بہادر خاں نے ہر چند ان کو روکا۔ سخت و سخت کہا یہاں تاک کہ انجام کار با انہوں سے پٹوایا مگر ان بزدلوں سے کچھ پیش نہ گئی۔ مجبوراً شکست کھا کر خان بہادر خاں کو بھی راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور وہ اپنے چہند ہمراہیوں کے ساتھ پنیال کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ ۶۔ مئی ۱۸۵۷ء کو مشرق و مغرب کی جانب سے انگریزی فوجوں نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور اہالیان شہر کی وہ مشہور ”بھاگڑ“ واقع ہوئی جس کی در داگینز یاد آج تک لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔

۱۸۵۹ء میں زیر دامن کوہ پنیال خان بہادر خاں ایک لڑائی میں پشت اسپ سے گر کر گرفتار ہوئے اور لکھنؤ لائے گئے۔ جس وقت چیف کمشنر کے سامنے پیش ہوئے تو زمین پر بیٹھ گئے اور کہا کہ۔

”مذہنوں گرسی پر بیٹھے اب قیدیوں کی جگہ بیٹھنا چاہئے“

لیکن چیف کمشنر نے نہ مانا اور فرمایا کہ۔

”نواب صاحب آپ گرسی پر بیٹھیں“

خان بہادر خاں نے انکار کیا اس پر صاحب موصوف نے ان کی بغلوں میں ہاتھ دلو کر گرسی پر بٹھایا۔ وقت باز پرس خان بہادر خاں نے تقریر مردانہ و امیرانہ کی زیادہ لجاجت سے کام نہیں لیا۔ مثلاً کہا کہ۔

”میں نے از خود بغاوت پر کمر نہیں باندھی فوج سرکار انگریزی باغی ہو گئی اور جو جس ملک

کا دعویدار تھا اس کو بریس گر دانا۔ چونکہ ہریلی رشتا ہیمان پور اور پہلی بھیت وغیرہ یعنی کل رو سکھنڈ

ہمارا ملک موروثی تھا اس وجہ سے بخت خاں اور جملہ رعایا نے مجتمع ہو کر مجھ کو سند نشین سب

کیا میں نے نہ بلوہ کرایا اور نہ کسی انگریز زن و بچہ کو قتل کیا۔ جس وقت آپ صاحبان نے

فوج کے ظلم سے مجبور ہو کر ملک چھوڑ دیا تب میں نے اپنا قبضہ کیا۔ باقی بلوایوں کی روک تھام

اس دم میرے اختیار میں نہ تھی۔ انھوں نے جو چاہا سو کیا۔ بعد ازاں لڑائیاں جا بجا سر میدان
میری اور آپ کی فوج سے الینہ ہوئیں۔ ان میں طرفین کا کشت و خون ہوا اُس میں میری کیا
خطا

عروس ملک کسے در کنار گیر و تنگ کہ بوسہ بربل شمشیر آبدار زند
اب میں آپ کے بس میں ہوں جو چاہئے میری نسبت حکم دیجئے “ (تاریخ سلیمانی)
خان بہادر خاں کو کھنوسے بریلی لاکر کوٹوالی کے سامنے پھانسی دی گئی۔ پھانسی دیتے وقت ان سے کہا گیا کہ
آپ کو جو کچھ کسی کو نصیحت و وصیت کرنی ہو کیجئے۔ جواب دیا کہ جھکو کچھ کسی سے نہیں کہنا ہے اور چشم پر آب
ہو کر یہ شعر زبان پر لائے

”ہجرم کلمہ سخی میکشد و غوغائے است ۛ زمرگ زندگیم مینود و تماشائے است
اس روز بریلی میں احتیاطاً تمام انگریزی فوج و توپ خانہ سے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی مگر کوٹوالی میں
یا کسی قسم کا فساد برپا ہو جائے۔

پھانسی کے بعد لاش کو فوج کے مسلمان سپاہیوں نے ڈسٹرکٹ جیل بریلی میں دفن کر دیا۔ خاکسار مولف
کے ایک خاندانی بزرگ نے جو دفن کے وقت موجود تھے خان بہادر خاں کی لاش کو قبر میں بغیر کفن رکھتے
ہوئے دیکھ کر ان کے چہرے پر اپنا رومال ڈال دیا تھا۔

دُنیا کا عجیب کا رخا نہ دیکھا یکساں نہ کبھی رنگ زمانہ دیکھا
گردش میں تھا جن کے سر پہ چتر زریں تربت پہ نہ ان کی شامیانہ دیکھا
خان بہادر خاں کو اپنے زمانہ حکومت میں شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر نے خلعت سرفرازی و خطاب
”نواب انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر تنویر جنگ رئیس اعظم روہیل کھنڈ“ عطا کیا تھا۔ انھوں نے
اپنی مہر پر

”الحکم شد و الملک شد“

لغزہ کرایا تھا۔ ایک اور مہر پر یہ صحیح کندہ تھا۔ ”مشہدیم خان بہادر بہ ذوالفقار علی“ خان بہادر خاں کی

بنوائی ہوئی ایک مسجد محلہ بھوڑ بریلی میں متصل ایڈورڈ میموریل ہائی اسکول اچھی حالت میں موجود ہے۔
خان بہادر خاں مشاعر بھی تھے اور مصروف تخلص تھا کلام توان کا بہت ہو گا صرف ایک غزل ہم تک پہنچی ہے جس پر نواب عبدالعزیز خاں مرحوم نے تعبین لکھی تھی۔ وہ غزل یہ ہے۔

ناحشر خیال نہ میرا کرے گا دل تو اُس کو مل گیا تو مرا کیا کرے گا دل
جان و جگر تو نام کو باقی نہیں رہے کیونکہ اب اُسکی زلف سے سودا کر چکا دل
جان و جگر کے واسطے دیکھو گے دوستو کن کن خرابیوں کو نہر پا کرے گا دل
بچائیں گے اڑا کے خریدار مثل بو جبتک برنگاب غنچہ گرہ واکرے گا دل
شائے کی طرح اور بھی ہو وچکا چاک چاک جیوں جیوں کہ اُسکی زلف سنوارا کر چکا دل
مصروف دیکھ پیروی دل نہ کیجو میری طرح سے بھگو بھی رسوا کرے گا دل

ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد اور آخر ۱۸۵۷ء میں پورے روہیل کھنڈ پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور اس تسلط کے
حکومت انگلشیہ کا بعد سے تا ایسے ۱۹۳۳ء تک ملک کو عام طور پر امن و اماں نصیب ہے۔
دوسرا دور ۱۸۶۰ء - ۱۸۶۹ء - ۱۸۷۰ء - ۱۸۷۱ء - ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۳ء کی قحط سالیوں اور ۱۸۷۴ء - ۱۸۷۵ء

۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء کے ہندو مسلم فسادات کے واقعات ضرور پیش آئے جن سے مخلوق کی جان و مال کا
کافی نقصان ہوا لیکن اس قسم کے واقعات کا کبھی بھی واقع ہوتے رہنا معمولی حادثات سمجھے جانے لگے ہیں اور
ان سے اب کوئی خاص تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے۔

آج کی حالت آ فی زمانہ روہیل کھنڈ کسی علیحدہ ریاست کا نام نہیں ہے اور نہ اُس کی کوئی جُدا گنجائش
ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ ہندوستان میں جو عظیم الشان سلطنت قائم ہے اس کا ایک صوبہ مالک
متحدہ اگر وہاں ہے جس کی ایک ڈویژن روہیل کھنڈ ہے بریلی اس ڈویژن کا صدر مقام ہے جہاں گورنر
صاحب رہتے ہیں۔ کمشنر صاحب کی نگرانی میں بریلی کے علاوہ بدایوں - پیلی بھیت - مراد آباد -

مشاہد جہاں پورا و بجنور پانچ اضلاع اور ہیں۔ اور اس محدود رقبہ پر فی زمانہ روہیل کھنڈ کا اطلاق کیا
جاتا ہے اسی خطہ روہیل کھنڈ میں مسلمانوں کے قدیم خاندان آباد ہیں جن کی جاگیریں زمینداریاں روز بروز

ان کے ہاتھ سے بچھتی جاتی ہیں اور ان کی مالی حالت بہت گر گئی ہے نہ صرف مالی حالت بلکہ ان کی جسمانی حالت بھی وہ باقی نہیں رہی ہے جو آج سے ڈیڑھ سو سال قبل روہیلوں کے عروج کے زمانے میں تھی۔ بقول مولانا حالیؒ

گر سلفِ بچیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہیں اُسے نسبت اور زرا بت سے ہماری اُنکو عار

بزرگوں کی جائدادیں خلاصہ یہ کہ صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ بجز مسود کا لین دین کرنے والی جماعتوں کے عام اور اندونختے مخلوق کی مالی حالت روز بروز کمزور ہو رہی ہے۔ پُرانی جائدادیں اور بزرگوں کے جمع کئے ہوئے اندونختے خرچ ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔

صنعت و حرفت اور تجارت صنعت و حرفت اور تجارت کا تنزل ہے اور جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرتے ہیں انہیں بالعموم سوائے نقصان کے نفع کی صورت دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔

ملازمین ملازمین محدود ہیں اور جو لوگ ملازم پیشہ ہیں ان کا معیار زندگی اس قدر بلند ہے کہ وہ آمدنی سے زائد خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔

زمیندار کسان زمینداروں کا حال سب سے زیادہ تباہ ہے۔ یہ جماعت چونکہ ہمیشہ سے بے عمل اور کاہل رہی ہے اور اس کا گذارہ محض باپ دادا کی منروکہ زمین کی آمدنی پر رہا ہے اس لئے اب کہ اقتصاد کی کساد بازاری نے زمین اور اس کے پیداوار کی قیمتیں گھٹا دی ہیں کاشتکار قانونِ مردہ یا زمیندار بھوک سے تڑپ رہا ہے۔

تعلیم اس زمانہ میں تعلیم کا بہت زیادہ رواج ہو گیا ہے اور گو اس کی گرانی اور اس کے تحصیل لا حاصل ہونے سے لوگ بدحواس ہو گئے ہیں مگر پھر بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے پر مجبور ہیں کیونکہ اگر تعلیم میں نہ لگائیں تو کوئی دوسرا ایسا کام نہیں ہے جس میں بچے مصروف ہو کر آوارگی سے بچ سکیں۔ ضرورت ہے کہ جلد سے جلد موجودہ طریقہ تعلیم میں انقلاب برپا کیا جائے اور صنعت و حرفت کی تعلیم کو لازمی بنایا جائے۔

تہذیب و اخلاق تہذیب و اخلاق کی پستی جیسی اس زمانہ میں ہے شاید ہی کبھی ہوئی ہو بد اخلاقی۔ برا طواری اور بے راہ روی گھر گھر اور محلہ محلہ عام ہے اور لطف یہ ہے کہ ان باتوں کو اب کوئی عیب نہیں سمجھتا۔

کو کین خوری۔ شراب نوشی۔ قمار بازی اور دوسرے ناگفتہ بہ اعمال شنیعہ کے لوگ علانیہ مرکب ہوتے ہیں اور نہیں شرارتے۔ اکثر اخلاقی گناہ تو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ فیشن میں شامل ہو گئے ہیں اور لوگ ان کو فخر پر کرتے ہیں۔ آج سے تقریباً نصف صدی پہلے سعدی ہند مولانا حالی نے اپنی اس رباعی میں ملک کی اسی حالت کی طرف اشارہ کیا تھا فرماتے ہیں ۷

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہا پیڑیاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیں گے پھل چھلا کے سب عیب ہنر

(استغفر فیض الحسن، تبسم بریلوی، تحسیر نمود)

۶۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

معرکہ انتخابِ اکابر و مخلوط

مصنف

سید الطاف علی صاحب بی، اے (علیگ)

اس کتاب میں مسئلہ انتخاب پر نہایت سلیس اور دلچسپ زبان میں بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے تمام قومی امراض نشستوں کی تھخیص کے ساتھ مخلوط طریقہ انتخاب کو اختیار کرنے سے دور ہو سکتے ہیں۔

ملک کے مشہور رہنماؤں اور تمام موقر اخبارات کی رائے ہے کہ مسئلہ انتخاب جیسے پیچیدہ سیاسی مسئلہ پر اس وقت تک اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

ایک ایڈیشن گجراتی زبان کا اور دو ایڈیشن اردو زبان کے شائع ہو چکے ہیں۔

ایک آنے کے ٹکٹ بھی بلا قیمت طلب کیجئے

ملنے کا پتہ

نظامی پریس بک ایجنسی

بدایوں

ملنے کا پتہ

نظامی پریس بک انجینیئریوں

یا
روہیلہ بک ڈپو مینی تال روڈ
بریلی

CALL No. {

92351522

19

ACC. No.

225A9

AUTHOR

(20395)

الطاف علی رتوی

TITLE

کتابت کتب عربیہ

URDU SECTION

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME
OF ISSUE



MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The Book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

URDU SECTION

